اقوامِ متحدہ کے عالمی منشورِ انسانی حقوق
اور مغرب کے افکار و تصورات کا تاریخی
اور تنقیدی جائزہ

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

اور انسانی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع
سے استشہاد

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ
کراچی ۱، پاکستان ۲۱۳۱۸۶۱-۰۲۱

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

اشاعت : ۱۹۹۹ء

کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ

ناشر : دارالاشاعت کراچی

ضخامت : ۵۰۴

ملنے کے پتے!

دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی نمبر ۵
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور

عرض ناشر

حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات اور خود ان پر آپ کے عمل مبارک سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کوئی فلسفہ یا نظریہ اسی صورت میں مستحکم ہوتا ہے جو اجتماعی اور انفرادی زندگی میں ہر شخص وادارے کے لئے یکساں طور پر قابل عمل ہو اور صرف نعروں پر مشتمل نہ ہو۔ اور جو منصفانہ طور پر سب پر یکساں لاگو ہو سکے۔

اسی طرح موجودہ دور میں انسانی حقوق (Human Rights) کا ساری دنیا میں چرچا عام ہے۔ اسپر مختلف طریقوں سے کام ہو رہا ہے ادارے قائم ہیں۔ اور ان کا بظاہر مقصد صرف یہ نظر آرہا ہے انسانی حقوق کا نظریہ ایسے مذہب کا درجہ پالے کہ جس کے مقابل کوئی مذہب جس میں حالات اور زمانے کی رعایت ہو، نہ آسکے اور خصوصاً اسلام۔ اسلئے کہ اسکی تعلیمات ہر طرح اور ہر دور کیلئے مکمل اور قابل عمل ضابطۂ حیات اور قابل عمل ہیں۔ نہ یہ تعلیمات کسی قوم اور زبان بولنے والے اور نہ ہی بلند اور کم تر کو سامنے رکھ کر وضع کی گئی ہیں اسلئے عالمگیر ہیں۔ اور خود حضور ﷺ کی زندگی اسکی عملی مثال ہے۔

انسانی حقوق کا تعین اسلام نے خود کردیا ہے اور نبی آخر الزمان ﷺ نے واضح احکامات اس ضمن میں عطا فرمائے۔ چونکہ لوگ دینی احکام اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے کم واقفیت رکھتے ہیں اسلئے دوسری اقوام سے مرعوب رہتے ہیں اور انکی ہر درآمد شدہ فکر اور نظریہ ہمیں صحیح بھی لگنے لگتا ہے۔ اب غور فرمائیں کہ اقوام متحدہ نے جو انسانی حقوق کا چارٹر پیش کیا ہے اس کی بیشتر دفعات اور خود (Universal Declara-tion Of Human Rights) خطبہ حجتہ الوداع کا چربہ ہے، جو ہمیں محسن انسانیت[1] ﷺ نے چودہ سو سال پہلے عطا فرمادیا تھا۔

زیر نظر کتاب "محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق" میں مصنف جناب مولانا ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب جو کہ صاحبزادے ہیں مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب کے

انہوں نے سیرت النبی ﷺ کو بطور محسن انسانیت جمع کیااور تحقیق کی۔ جہاں جہاں مستشرقین نے اس سلسلے میں اعترافات کیے وہ واضح کئے اور جہاں اعتراض کیااس کا دفاع بھی کیااور ان کے تعصب کو واضح کیا۔ ساتھ ساتھ خطبہ حجۃ الوداع کو نکتہ ولربیان کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے چارٹر سے تقابل کر کے یہ ثابت کیاکہ مغرب کے دساتیر حقوق اور خود اقوام متحدہ کا عالمی منشور تمام چربہ ہے اور وہ اسے اپنے طور پر منضبط کر کے اسکی تشہیر کر رہے ہیں اور ہم مسلمان احساس کمتری میں ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انہیں انسانی حقوق کا علمبردار اور چیمپئن باور کرانے میں اپنی صلاحیتیں وقف کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی فاضل مصنف کواس کوشش پر جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

ہمارے ادارے سے "سیرۃ النبی ﷺ" جیسے عظیم موضوع پر اس سے قبل الحمد للہ بہت قابل قدر کام ہوئے ہیں، جس میں چند یہاں ملاحظہ کے لئے پیش ہیں۔ اور مذکورہ کام ان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

1...... سیرت حلبیہ (6 حصے) 2...... سیرۃ النبی ﷺ (7 حصے)

3...... رحمۃ للعالمین ﷺ (3 حصے)

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی دنیاو آخرت میں ہماری کوششوں کو قبول فرمائیں اور اخلاص عطا فرمائیں اور خاتمہ بالخیر فرمائیں آمین۔

ناشر

خلیل اشرف عثمانی

ولد الحاج محمد رضی عثمانی

انتساب

انسانیت کے محسن وہادیٔ اعظم، سید عرب و عجم، حضرت محمد ﷺ کے نام!

...... جنہوں نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ بنی نوع انسان کو، انسانیت اور انسانی حقوق کا منشور اعظم "خطبۂ حجۃ الوداع" عطا فرما کر حقوق و فرائض کی مثالی تعلیمات سے روشناس فرمایا۔

منشور اعظم! "خطبۂ حجۃ الوداع" بلاخوف تردید تاریخ عالم میں انسانی حقوق کے تمام نام نہاد منشوروں اور دستاویزوں پر تاریخی اولیت اور ابدی فوقیت رکھنے کے ساتھ ساتھ "حقوق انسانی" کا نہایت جامع، مثالی، ہمہ گیر اور دائمی و عالمی منشور ہے۔

فہرستِ مضامین

باب اوّل

باب دوم

خطبۂ حجۃ الوداع اور مغرب کے نظریۂ انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ

باب سوم

مغربی دنیا اور انسانی حقوق

باب چہارم

خطبہ حجۃ الوداع

حقوق انسانی کا مثالی اور ابدی منشور

باب پنجم

عورت اور مذاہب عالم

غیر الہامی مذاہب

باب ششم

خطبہ حجۃ الوداع اور غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان

محسنِ انسانیت ﷺ

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
مددگار ▪ معاون بے بسوں کا، زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
سلام اس پر جو آیا، رحمۃ للعالمینؐ بن کر
پیام دوست لے کر، صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر کہ جس کے نور سے پرنور ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ
بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی!
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیرِ قدم جس کے شکوہ و شان خاقانی
سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضریٰ
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پہ ناصیہ فرسا
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں

سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا

جگن ناتھ آزاد
(ماہر اقبالیات) صدر شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی، جموں کشمیر (انڈیا)

تو نے انسان کو انسان کی عظمت بخشی ﷺ

تو نے انسان کو انسان کی عظمت بخشی

ہم کہ بکھرے ہوئے، بھٹکے ہوئے دکھ سہتے تھے
اپنی ہی ذات کی ظلمت میں گھرے رہتے تھے
اشرف الخلق۔ مگر خاک سر راہ سے بھی پست مقام
اور انسان ہی انسان کا غلام
کتنی دیواریں کہ خود ہم نے اٹھا رکھی تھیں
رنگ کی، نسل کی، قوموں کی، قبیلوں کی۔ مگر
کوئی انسان بھی، انسان نہ تھا
تو کہ ہم میں سے۔ ہمیں جیسا تھا
تیری عادات سے، اعمال مبارک سے۔ کھلا
ایک انسان کہ انساں ہے تو ہے کتنا عظیم
گرد رہ کاہکشاں اور فلک زیر قدم
ہم کلام اس سے خدا اور فرشتے حاضر
روشنی بن کے بکھرنے لگا اس کا پیغام
اب کوئی شاہ نہیں اور نہیں کوئی غلام
اس کے اور رب جہاں کے نزدیک
سب کے اعمال کی وقعت ہے۔ قبیلوں کی نہیں
کوئی گورا کسی کالے سے نہیں برتر
اہل دولت۔ کا غریبوں پہ کوئی زور نہیں
اس کا پیغام۔ قل العفو۔ کہ سب بانٹ کے کھائیں پہنیں
کوئی بھوکا نہ رہے کوئی برہنہ بھی نہ ہو
ایک بھائی سے کسی بھائی کو ایذاء نہ ملے

محمود شام، ایڈیٹر روزنامہ جنگ کراچی
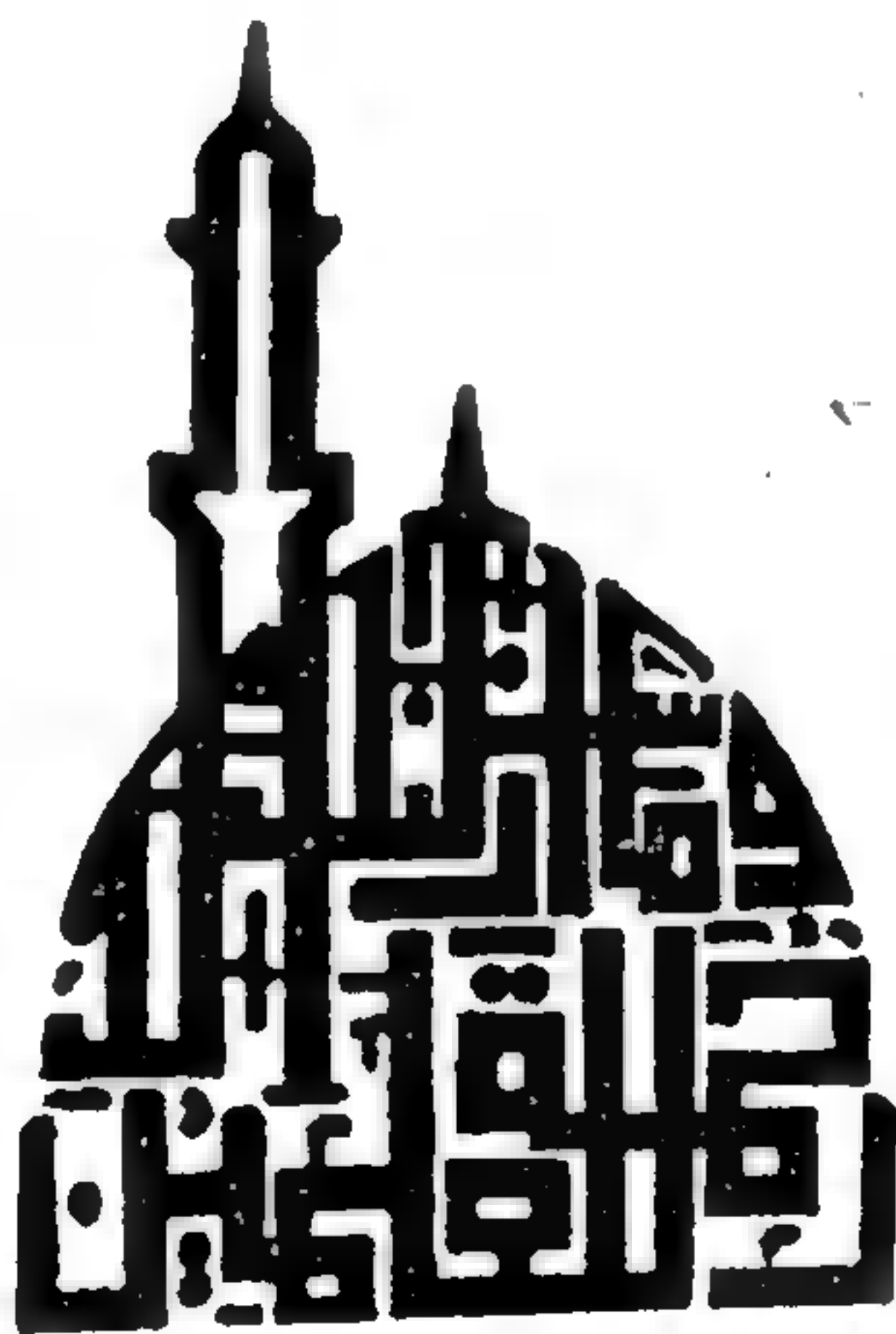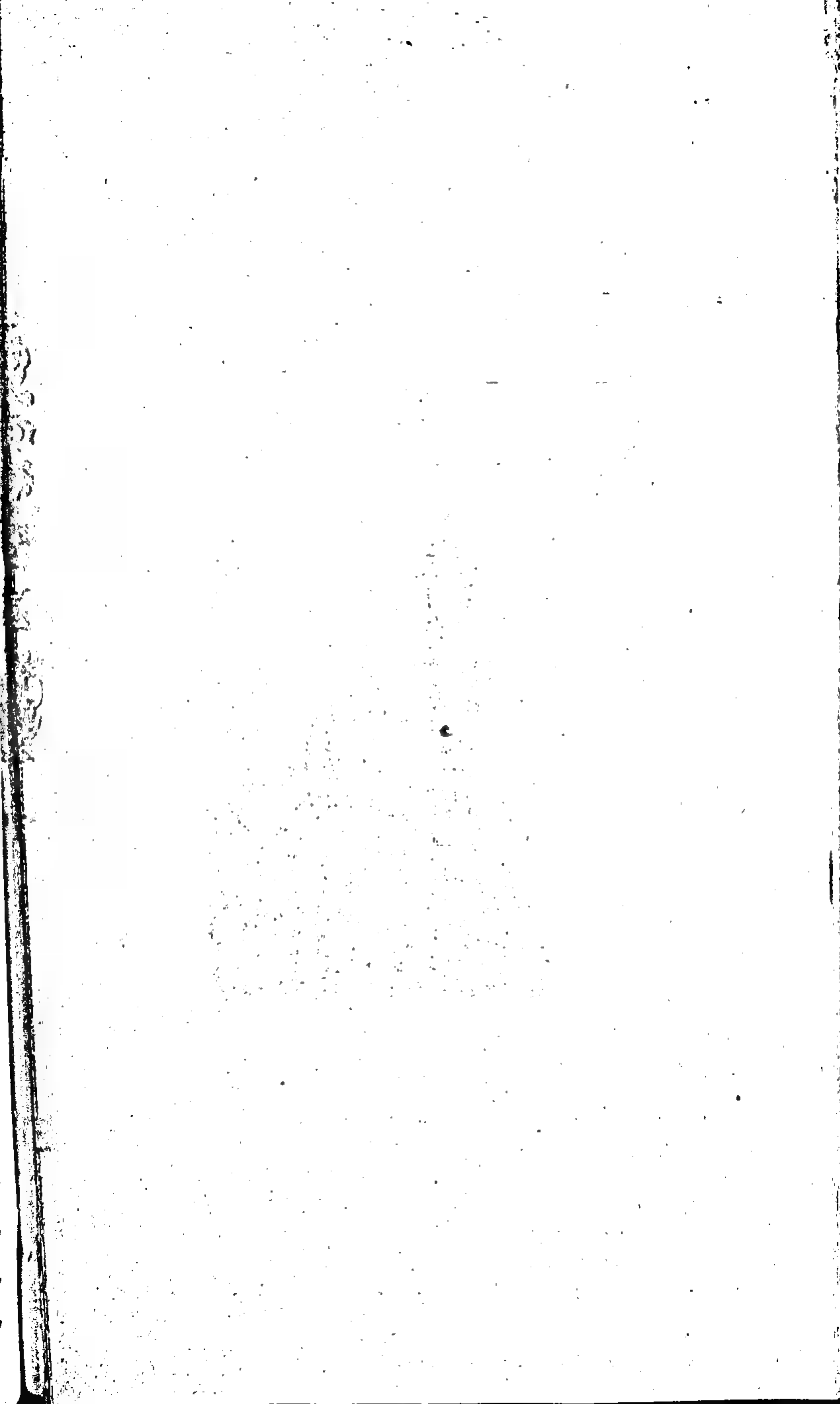
مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی
ایم اے۔ ایم ایل ایس۔ پی ایچ ڈی
مشرف / ناظم تحقیق و تالیف شعبہ تخصص فی الحدیث
جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں صرف اولادِ آدم کو اپنی خلافت و نیابت سے سرفراز کیا، فرشتوں کا اسے مسجود بنایا، جس نے اس حکم الٰہی سے منہ موڑا، اسے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ کیا، پوری دنیا اس کے فائدہ کے لئے بنائی، اسے وہ قوت و صلاحیت بخشی کہ یہ ہر چیز سے اپنا کام نکالتا اور اسے اپنا تابع بناتا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اعزاز و سرفرازی اس دنیا میں اولاد آدم کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

یہ سب کچھ محض اس لئے کیا گیا کہ وہ اس سرزمین پر احکام الٰہی جاری کرے، اس دنیا میں بندہ بن کر زندگی بسر کرے اس عالم کو ظلم و ستم، شر و فساد اور سازش سے پاک و صاف رکھے امن و سلامتی کا گہوارہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس غرض سے ہر ملک، ہر بستی، ہر خطے اور ہر قوم میں ہادی و نبی بھیجے، اور کتابیں اتاریں، جب کبھی اولاد آدم نے بندہ ہونے کے بجائے مالک و خالق بننے اور فرمان الٰہی سے روگردانی کی کوشش کی تو قوموں کی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں عاد و ثمود، قوم صالح و قوم لوط اپنے زمانے کی ترقی یافتہ اقوام تھیں جو اس حقیقت کی منہ بولتی تصویریں ہیں، فرعون، ہامان و شداد جن کا World Order

چلتا تھا اپنے فطری انجام کو پہنچے اور دنیا میں عبرت بن کر رہ گئے۔

رحمت عالم ﷺ کو تمام انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے رہتی دنیا تک نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دونوں جہان میں کامیابی کے لئے ان پر قرآن، آخری کتاب اتاری گئی اور جو آپ پر ایمان لایا اس پر آپ کی فرمانبرداری واطاعت لازم قرار دی گئی۔ دین نام ہے اطاعت اور اتباع کا۔

"دنیا کے عظیم مذاہب" نامی کتاب میں اسلام کی تعریف مجملاً اس طرح کی گئی ہے!

Islam is a Religion of submission to the will of Allah in accordance with the principles ennciated in the Holy Quran & Sunnah.

اسلام، نام ہے قرآن پاک اور سنت کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاجوئی کا!

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور لائی ہوئی شریعت سے روگردانی کی اجازت نہیں، اس لئے کہ یہ بات ایمان واسلام کے سراسر خلاف ہے، قرآن کہتا ہے۔

فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴/۶۵)

"سو قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف بنائیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔"

اس میں مومن کی تین صفات بتائی گئی ہیں!

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو منصف اور حکم ماننا۔

۲۔ آپ ﷺ کے فیصلہ سے جی میں تنگی محسوس نہ کرنا۔

۳۔ خوشی اسے قبول کرنا۔

چنانچہ "یحکموك" کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں!

یجعلون حکما بینھم فی جمیع امورھم لا یحکموك احد اغیرك (۱)

مسلمان اپنے تمام امور میں آپ کو اپنا منصف ، حکم مانیں اور آپ (ﷺ) کے سوا کسی اور کو اپنا منصف ، حکم نہ مانیں۔

چنانچہ کتاب و سنت ، وحی جلی و خفی کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کو قرآن نے فاسق و نافرمان کہا ہے ارشاد ربانی ہے!

وَمَن لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (۵/۴۷)

اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

قرآن میں دوسری جگہ انہیں کھلا کافر کہا گیا ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَمَن لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ (۵/۴۴)

اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔

جن ارباب صدق و صفا نے آپ کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کیا اس کی برکات سے کائنات فیض یاب ہوئی ، یہ دنیا امن و سلامتی کا ایسا گہوارہ بن گئی کہ شیر ، چیتا اور بھیڑ بکری بیک وقت ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ابدی عالمگیر مثالی و انقلابی منشور

۱۔ محمد بن علی الشوکانی/ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر ، القاہرہ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۴۹ھ/ج۶ ص ٤٤٧ ،

کے اعلان کے بعد اس منشور پر عمل کرنے والوں کو مندرجہ ذیل تین باتوں ا

۱۔ تکمیل دین

۲۔ اتمام نعمت

۳۔ رضائے الٰہی

کی دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی کی دائمی بشارت و ضمانت دی گئی، چنانچہ فرمایا گیا!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (۵ / ۳)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اس سے اس خطبہ و منشور کی اہمیت، عظمت، افادیت اور جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ بعض علماء یہود نے اس آیت شریفہ کو سنا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ المتوفی ۸۲ھ / ۸۳ھ سے روایت ہے وہ دربار فاروقی میں حاضر ہوئے اور کہا، امیر المومنین! یہ آیت اگر ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ آیت حجۃ الوداع کے موقعہ پر (۱۰ھ میں) جمعہ کے دن عصر کے وقت عرفات کے میدان میں چالیس ہزار صحابہؓ (۱) کی موجودگی میں اتری تھی (۲)، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی (۸۱) دن زندہ

(۱)۔ ابو عمرو ابن الصلاح / مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصطلاح، تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ط: ۲، القاہرہ، دار المعارف، ۱۴۱۱ھ، ص ۴۹۴۔

(۲)۔ محمد بن اسماعیل البخاری / صحیح بخاری تحشیۃ احمد علی السہارنپوری، دہلی، مطبع مجتبائی، س ج ۲، ص ۶۶۲۔

رہے۔ (۱) اور اس مدت میں حلال و حرام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ (۲) ظاہر ہے دین کی تکمیل ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، (اللہ ان کی عمر دراز کرے، نیک اعمال اور دین کی خدمت کی توفیق دے) نے سیرت رسول اللہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر جو سلسلہ "تجلیات سیرت" کے عنوان سے شروع کیا تھا اس کی دوسری کڑی "رسول اکرم ﷺ اور رواداری" اور تیسری کڑی "محسن انسانیت اور انسانی حقوق" ہے، جس میں خطبہ حجۃ الوداع کو انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے انسانی حقوق کے منشور کی حیثیت سے موضوع بحث بنایا ہے۔ جو بلاشبہ اپنے موضوع کے حوالہ سے سیرت طیبہ پر ایک منفرد اور نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ گو کہ پوری کتاب ہی محسن انسانیت ﷺ کے عظیم منشور ہدایت "خطبہ حجۃ الوداع" کے تاریخی اور تحقیقی جائزے پر مشتمل ہے اور اسے حقوق انسانی کے موضوع کے حوالہ سے موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تاہم کتاب میں اٹھائی گئی علمی مباحث اور عنوانات میں سے چند درج ذیل ہیں!

۱۔ خطبہ حجۃ الوداع،
۲۔ خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت و عظمت
۳۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور انسانی حقوق (تاریخی و تحقیقی جائزہ)
۴۔ خطبہ حجۃ الوداع اور مغرب کے نظریۂ انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ
۵۔ مغربی دنیا اور انسانی حقوق (تاریخی و تنقیدی جائزہ)
۶۔ انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ (اقوام متحدہ کا عالمی منشور انسانی حقوق)
۷۔ خطبہ حجۃ الوداع، حقوق انسانی کا مثالی اور ابدی منشور، (تاریخی و تحقیقی جائزہ)

---

(۱)۔ عبدالرحمٰن السیوطی / الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، بیروت، دار الفکر ۱۴۰۳ھ / ج ۳، ص ۱۶،

(۲)۔ ایضاً / ص ۱۸۔۱۹،

۸۔ خطبہ حجۃ الوداع اور عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان

۹۔ خطبہ حجۃ الوداع اور غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان

۱۰۔ مغرب اور غلامی، آغاز وارتقاء (تاریخی جائزہ)

۱۱۔ عالمگیر مسلم برادری کے قیام اور مواخات کے حق کا ابدی اعلان،

اس کتاب کے مطالعہ سے عالم کے دانشوروں نے بنی نوع انسان کی آزادیٔ افکار و نظریات، آزادیٔ گفتار و کردار، اس کی فلاح و بہبود اور کامرانی کی جتنی کوششیں اور کاوشیں کی ہیں ان کا عہد بعہد ارتقاء اور ان کے تباہ کن نتائج و ثمرات سے آگاہی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے لوگوں کی عزت نفس کو اس قسم کی آزادی سے کتنا کچھ نقصان پہنچا ہے نیز اس آزادی کے پس پردہ امن و سلامتی کس طرح پامال ہوتی رہی ہے۔

یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ اردو ادب میں یہ اپنے موضوع پر پہلی تحقیقی و جامع کتاب ہے اور اس کا تعلق بھی سیرت کے ایک اہم پہلو سے ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وُہ مصنف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ان کے لئے ذریعۂ شفاعت اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

وصلّی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وآلہ
و أصحابہ واہل بیتہ اجمعین

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

جمعۃ المبارک ۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ / ۲۶/ مارچ ۱۹۹۹ء

کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

انسانیت کے محسن اعظم، سید عرب و عجم، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، ﷺ کا انسانیت کے نام منشور اعظم "خطبہ حجۃ الوداع ۶۳۲ء" جس کے متعلق یہ کہنا بجا ہے کہ یہ انسانی حقوق کا اولین، جامع ترین، مثالی، ہمہ گیر اور دائمی نافذ العمل منشور ہے۔ جو نہ کسی سیاسی مصلحت کی بنیاد تھا اور نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار۔

یہ حقوق انسانی کے اولین علمبردار، انسانیت کے تاجدار، محسن انسانیت ﷺ کا بنی نوع انسان کے نام انسانی حقوق و فرائض کا آخری اور دائمی پیغام تھا جو تاریخ میں انسانی حقوق کے تمام منشوروں اور دستاویزات حقوق پر تاریخی اعتبار سے اولیت کا شرف حاصل ہے اور جو ابدی فوقیت اور عملی حقیقت کا آئینہ ہے۔ "خطبہ حجۃ الوداع" کو بلا خوف تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے پہلا منشور انسانی حقوق "Declaration of the Rights of Man" اور ظلمت کدۂ عالم سے انسان دشمنی، بدامنی، ناانصافی، جبر و تشدد، اور استحصال و استبداد

کے خاتمہ پر مبنی فلاحی نظام کو نئے عالمی نظام (New World Order) ہونے کا شرف حاصل ہے۔

عہد حاضر میں مغربی علمبرداروں اور انسانی حقوق کے نام نہاد ترجمانوں کی جدو جہد اور تحریک کا آغاز خود ان کی اپنی تاریخی شہادتوں کی روشنی میں میگنا کارٹا (Magna Carta) (مجریہ ۱۵ جون ۱۲۱۵ء جسے والٹیر منشور آزادی اور مغربی دنیا "منشور اعظم" قرار دیتی ہے) سے ہوا ہے۔

مغربی دنیا کی اس تحریک کا بحیثہ اختتام اور منتہائے ارتقاء اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق مجریہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو قرار دیا جاتا ہے۔

اس طرح ہادیٔ عالم، سید عرب و عجم، انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے عطا کردہ انسانیت کے منشور اعظم "خطبۂ حجتہ الوداع" کو تاریخ عالم کے تمام انسانی حقوق کے منشوروں اور دستاویز پر تاریخی اولیت اور ابدی فوقیت کا حامل قرار دینا بالکل بجا ہے۔

انسانی حقوق کا یہ مثالی اور دائمی منشور رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور انسانی معاشروں کے لئے دائمی دستور عمل اور ضابطۂ حیات ہے۔

مغربی دنیا کے خود ساختہ ناپائیدار قابل تغیر و تبدیل وقتی تقاضوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ان میں اضافے اور تنسیخ کا عمل جاری رہتا ہے اور یہی اُس کے نقص کی دلیل ہے، ہر انسانی عمل خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی نقائص سے پاک اور تنقید سے بالاتر نہیں ہوتا، ان وجوہ سے وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے قابلِ عمل نہیں ہو سکتا۔ دن رات کا مشاہدہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انسانی حقوق کے ان مغربی علمبرداروں کے قول و فعل کا تضاد ہے، جس کے نتیجہ میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں آج ہر جگہ حریت کی قدر و منزلت پامال اور شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے، معروف دانشور اور صحافی ڈاکٹر صفدر محمود اپنے ایک مضمون "مغربی میڈیا، انسانی حقوق، اسلامی بنیاد پرستی اور ہم (روزنامہ

جنگ لاہور ۲۲ جنوری ۹۳ء میں) اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"مغربی میڈیا وقتاً فوقتاً نئے نئے شوشے چھوڑتا رہتا ہے جن کا مقصد ہماری سوچ کو متاثر کرنا اور ہماری فکر کو ایک خاص رخ پر ڈالنا ہوتا ہے۔یاد رکھئے کہ یہ دور جسمانی غلامی کا نہیں ذہنی غلامی کا ہے، ماضی میں جب ضعیف قوموں کو غلام اور کمزور ملکوں کو تجارتی مقاصد کے لئے کالونی بنایا جاتا تھا تو مغربی ممالک نے پسماندہ اقوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنا غلام بنا رکھا تھا اس دور میں انسانی حقوق کا کہیں ذکر نہیں تھا کیونکہ انسانی حقوق کا فلسفہ مغربی استعمار کے مفادات کے منافی تھا بلکہ مغربی استعمار کی نفی کرتا تھا۔اس طرح مغربی ممالک صدیوں تک پسماندہ ممالک کو اپنی کالونیاں بنا کر ان کے وسائل کو اپنی صنعتی و تجارتی ترقی کے لئے استعمال کرتے رہے۔جب ان استعماری قوتوں کو آزادی کی تحریکوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر غلام ممالک سے رخصت ہونا پڑا تو اس کے ساتھ ہی انہیں جمہوری اقدار اور انسانی حقوق کا خیال آیا۔چنانچہ انسانی حقوق کے دفاع کے لئے عالمی سطح پر انجمنیں بنائی گئیں کل تک انسانوں کو حیوانوں سے کمتر سمجھنے والے چند ہی برسوں میں انسانی حقوق کے ٹھیکے دار بن گئے گویا پرانا شکاری نیا جال لے کر آ گیا"

انسانیت کے ان نام نہاد علمبرداروں نے انسان دوستی، ہمدردی، اور انصاف کے نام پر جو کردار ادا کیا ہے اسے انسانیت پر جنگ عظیم اول و دوم، جنگ خلیج، بوسنیا، روانڈا، اور دیگر خطوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ان ممالک میں انہوں نے انسانیت کے خلاف ایسے سنگین جرائم سے تاریخ رقم کی، جس کی مثال تاریخ عالم کے تاریک سے تاریک دور میں بھی ملنا

مشکل ہے، یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو قومیں عہد حاضر میں حقوق انسانی کے پرفریب اور بلند بانگ دعوے کر رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔

آج اسلام و اسلامی دنیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو انسانی حقوق کے حوالہ سے ہدف تنقید بنانے والے در حقیقت تاریخی صداقت اور ایک ناقابل تردید ابدی حقیقت کو جھٹلا کر انسانیت کے خلاف اپنے سیاہ کارناموں اور تاریخ مظالم کے سفاکانہ جرائم سے توجہ ہٹا کر اس پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

رحمت عالم اور انسانیت کے محسن اعظم، ﷺ، نے "خطبہ حجۃ الوداع" کی صورت میں "انسانی حقوق" کا منشور اعظم اس تاریخی دور میں عطا فرمایا جو آج کی نام نہاد مہذب دنیا کا ترقی یافتہ جمہوریت سے زیادہ بہتر دور تھا، اس میں مکر و فریب، دھوکہ دہی اور فریب نہ تھا، وہ ایسا زمانہ تھا جب عہد حاضر کی ترقی یافتہ اقوام تہذیب و تمدن سے بہت دور تھیں۔ جس میں مغربی دنیا انسانی حقوق تو درکنار انسانیت کے نام سے بھی ناواقف اور انسانیت اور انسانیت نوازی سے حد درجہ دور تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے یورپ کا نامور دانشور و مؤرخ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے!

"پانچویں صدی عیسوی کے آغاز سے دسویں صدی کے اختتام تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھ چکی تھی اس کی مثال ایک عظیم تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا۔ اور گزشتہ زمانہ میں انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی،

فرانس، وہاں تباہی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"(۱)

ایک اور مغربی دانشور جے۔ایچ۔ڈینی سن(J.H.Denison) لکھتا ہے!

"پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن وامان معدوم ہو جائے۔(۲)

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ "بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی حالت" کے زیر عنوان دنیا کے مذاہب، اور تہذیبوں کا مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی تمدنی اور تاریخی جائزہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں!

"غرض اس زمانہ میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا، کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں اور ملک وار، قوم وار، نسل وار، اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لئے ایک بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زمان و مکان کے فرق سے بالا اور جاتوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی

1- Robert, Briffault\ the Making of Humanity, London, 1919, P.164.

2- Denison.J.H/Emotion ■ the Basis of Civilization, P.262, London. 1928

غرض وغایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے"۔(۱)

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی (Thilly/ History of Phylosophy. Newyork. 1945) کے حوالے سے لکھتے ہیں!

یورپین قومیں جو شمال و مغرب کے اندر دور تک آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں، اور خونریز جنگوں میں مشغول، وہ تمدن انسانی کے کارواں سے بہت پیچھے اور علوم و فنون کی دنیا سے بہت دور تھیں۔ نہ بیرونی دنیا کو ان سے کوئی سروکار تھا نہ ان کو بیرونی دنیا سے کوئی مطلب، ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام و خرافات سے بھرے ہوئے تھے۔(۲)

علامہ موصوف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عالمی تہذیب و تمدن اور انسانی دنیا پر اثرات واحسانات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی عمر کے چالیس سال پورے کئے اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لب بام کھڑی تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم وبد نصیب دنیا کی قسمت جاگی، اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے کہ جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت اور مردہ

۱۔ محمد حمید اللہ / رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۷ء، ص ۴۹،

۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی / نبی رحمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۵۵،

ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جواں نواز جھونکا چلتا ہے اور
انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آجاتی ہے"۔(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریک دور میں انسان کو انسانیت نوازی کا عملی درس دیا، انہیں حقوق و فرائض سے آگاہ کیا، انسانی حقوق کے منشور اعظم "خطبہ حجتہ الوداع" کے اس مثالی، ہمہ گیر اور ابدی منشور کو عہد رسالت میں مدنی معاشرہ میں نافذ العمل بنا کر اسلامی دستور حیات کا لازمی عنصر اور جزو لاینفک بنا دیا۔

اور اس طرح ایک تاریخ ساز مثالی فلاحی معاشرہ کی بنیاد قائم فرمائی جس کے نقوش تابندہ کی بدولت صدیوں بعد مغربی دنیا تہذیب و تمدن کی دولت سے ہمکنار اور مہذب ہونے کی اہل قرار پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشور انسانیت "خطبہ حجتہ الوداع" حقوق انسانی کا ایک ایسا ابدی منشور اور چارٹر ہے جسے بلا تفریق رنگ و نسل، قوم و ملت رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے دائمی دستور العمل اور منشور حقوق ہے جس پر انسانیت جتنا بھی فخر و ناز کرے کم ہے۔

مشہور مغربی مؤرخ جان ولیم ڈریپر (John William Draper) "A History of the Intellectual Development of the Europe" میں لکھتا ہے!

"۵۶۹ء میں جسٹی نین (Justinian) کی موت کے چار سال بعد
سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص (پیغمبر اسلام ﷺ) پیدا
ہوئے جنہوں نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا"(۲)

۱۔ایضاً، ص ۱۴۳۔

1-Draper, John William/ A History of the Intellectual Development of the europe, London,1875, vol-I P.299.

یورپ کا مشہور دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اس تاریخی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہوا ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں"۔(۱)

فرانسیسی مؤرخ Golivet Castelot اپنی کتاب "قانون تاریخ" Lalot de lhistoire میں لکھتا ہے :-

"وفات نبوی ﷺ کے بعد عربوں نے بڑی تیز رفتار ترقی کی اور اشاعت اسلام کے لئے وقت بھی بہت ساز گار تھا، اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب نے بھی حیرت انگیز ترقی کی اور فتوحات کے جلو میں وہ ہر جگہ فروغ پانے لگی، اور علوم و فنون اور شعر و ادب میں اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور اس طرح عرب چند صدیوں تک اپنے ہاتھوں میں عقل کی مشعل اٹھائے رہے، اور ان تمام علوم کی نمائندگی کی جن کا تعلق فلسفہ، فلکیات، کیمیا، طب اور روحانی علوم سے تھا، اس طرح وہ صرف عرفی معنوں ہی میں فکری رہنما اور موجد و مخترع نہیں تھے، بلکہ اپنی نظمی خدمات کے نتیجہ میں جنہیں انہوں نے بڑی عالی دماغی سے انجام دیا تھا، وہ اس کے بجا طور پر مستحق تھے، عربی تمدن کی عمر کم تھی، مگر اس کے اثرات بہت دور رس تھے، اور ہم اس کے زوال پر افسوس ہی کر سکتے ہیں۔"

1- Robert Briffault/ the Making of Humanity, P 190

آگے چل کر وہ لکھتا ہے :-

"اگرچہ حکمراں جاگیردارانہ ذہن رکھتے تھے مگر ان کے ذریعے جو کام ہوا وہ ان کی شخصیت سے کہیں بلند تھا، اسی کے نتیجے میں ایک حیرت انگیز تہذیب وجود میں آئی، یورپ عربی تمدن کا احسان مند ہے جب وہ دسویں صدی سے چودہویں صدی تک غالب، حکمراں تھی، یورپ نے اس سے فلسفیانہ اور علمی فکر میں استفادہ کیا، جس نے قرون وسطیٰ میں خاموش اثرات مرتب کئے ہیں وہ عربی تمدن، عربی علوم، اور عربی ادب وفن کے آگے جاہل اور گنوار نظر آتا ہے، وہ اس صحت مند فضا سے مستفید ہوا، جو اس زمانے میں عربی افکار کے ذریعہ قائم تھی۔ ان چاروں صدیوں میں عربی تمدن کے سوا کوئی تمدن نہ تھا، اور علمائے عرب ہی اسکا علم بلند کئے ہوئے تھے۔ (۱)

ایک دوسرا مغربی مصنف John W. Campbell بھی اسی قسم کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

"Islam invented Scinece. Nor greeks, nor Romans started modern Science. Islam has achieved what no other civilization had developed and had been able to do. The Muslim Scholars were the torch bearers of civilization and culture. Their activities in studying Science and Arts exceeded those of any other nation. The Christian world was therefore compelled to seek training

(۱)۔ سید ابوالحسن علی ندوی ، تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۶۔

from the only source available at the time of illuminating their minds, the works of Arabian writers and the Muslim world."

اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ اہل یونان یا اہل روم نے جدید سائنس کا آغاز نہیں کیا۔ اسلام نے وہ کچھ حاصل کیا جو کوئی دوسری قوم حاصل نہ کر سکی تھی۔ نہ حاصل کرنے کے لائق تھی۔ مسلمان فضلا تہذیب کے مشعل بردار تھے۔ سائنس اور آرٹس میں ان کی تحقیقی سرگرمیاں دوسری اقوام سے بڑھ کر تھیں۔ لہذا عیسائی دنیا اپنے دماغوں کو روشن کرنے کے لئے روشنی کے اس واحد دستیاب ذریعہ سے استفادہ کرنے پر مجبور تھی جو عرب مصنفین اور مسلم دنیا کے کاموں کی شکل میں موجود تھی۔(۱)

بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے :-

"یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔"

وہ آگے مزید لکھتا ہے !......

"صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں، اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے، جب اسلامی

1-A.K.M Ayub Ali/ Contribution of Islam To the Advancement Oknowledge, National Hijra Committee Islamabad,vol.I,

نیز دیکھئے : حفیظ الرحمٰن صدیقی ر مسلم نشاۃ ثانیہ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۵۷،

تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔"(۱)

اب ہمیں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے کہ مسلمانوں کے عروج کے اس طویل دور میں یورپ کی جو آج علم اور ترقی کا گہوارہ ہے، کیا کیفیت تھی؟

" یورپ اس زمانے میں جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور جہالت کا یہ دور چند برسوں کا نہیں بلکہ آٹھ سو برسوں کا تھا۔ جس میں ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی، یہ زمانہ ۴۸۶ء سے تقریباً ۱۴۹۵ء تک شمار ہوتا ہے۔(۲)

مشہور انگریز مصنف H.G. Wells اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے :-

> "سائنس اور سیاست دونوں ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سو چکے تھے، ایتھنز Athens کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کر دی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا، اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرأت مندانہ اظہارِ خیال کا داعی ہوتا۔

1- Briffault/ P.202,

۲۔ محمد تقی امینی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، مکی دار الکتب لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۴۱،

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی و سماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی، جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کُند اور بنجر ہو چکا تھا، ایران اور بازنطینیہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھادیے گئے تھے"۔(۱)

اس کا آغاز پانچویں صدی عیسوی میں روم کے زوال اور عیسائیت کے عروج کے ساتھ ہوا اور یورپ کی موجودہ نشاۃ ثانیہ تک جس کی ابتداء تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئی، جاری رہا۔ اسی وجہ سے آٹھ سو سال کا یہ طویل دور، یورپ کا عہد تاریک Dark age کہلاتا ہے۔ عیسائیت کے آغاز کے بعد افلاطون کی اکیڈیمی کو جو کئی سو سال سے قائم چلی آرہی تھی اور یورپ میں اشاعت علم کا بہت بڑا ذریعہ تھی، روم کے شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے ۵۲۹ء میں مقفل کر دیا گیا۔ یونانی حکماء کے تیار کردہ علمی ذخائر کو سلطنت روم کے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ اس کا جتنا کچھ حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں تھا وہ صلیبی جنگوں کے دوران قسطنطنیہ سے گزرنے والی صلیبی افواج کی لوٹ مار کے دوران برباد ہو چکا تھا۔ اور علم حاصل کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ یہ سب کام سلطنت روم کے ہاتھوں یا یورپی بادشاہوں کے ہاتھوں نہیں ہوئے تھے بلکہ کلیسا کے ہاتھوں ہوئے تھے۔ انتہا یہ کی گئی کہ پاپائے روم گریگوری اعظم نے جہالت کو تحصیل علم سے افضل قرار دے دیا اور فتویٰ جاری کیا کہ جہالت تقویٰ کی ماں ہے۔ گویا جہالت متقی بننے کی شرط لازم

1-H.G.Wells/ A Short History of The World, London, P. 140.

راردپائی۔ کلیسا تحصیل علم کا واحد مرکز تھا۔ وہاں بھی تعلیم صرف بائبل کی حاصل کی
سکتی تھی۔ کلیسا کی اجازت کے بغیر بائبل کی تعلیم حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔

گویا عوام پر کلیسا کی گرفت بادشاہوں کی گرفت سے زیادہ مضبوط
تھی۔ خود بادشاہ اور ان کی بادشاہتیں کلیسا کے شکنجے میں کسی ہوئی تھیں۔ اگر کلیسا
کی بات پر بادشاہ سے ناراض ہو جاتا تو اس کی بادشاہت خطرے میں پڑ جاتی اور
اسے کلیسا سے غیر مشروط معافی مانگنی پڑتی۔ اسی کا نام کلیسائی نظام
(Theocracy) تھا اور اسی کو پاپائیت کہا جاتا ہے۔ یورپ پستی کے جس
درجے کو پہنچ گیا تھا اسے وہاں تک پہنچانے میں اصل ہاتھ کلیسائی نظام کا تھا،
بادشاہت کا نہ تھا۔ بادشاہوں کی بے چارگی کا عالم یہ تھا کہ جب روم کا بادشاہ
فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء۔ ۱۲۵۰ء) ایک بار بلاد اسلامیہ میں پہنچا تو وہاں کے
حکمرانوں کی آزادی و خود مختاری دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور اس نے بڑی
حسرت کے ساتھ سلطان مصر محمد الکامل کے سامنے یہ رائے ظاہر کی کہ آپ
کس قدر خوش نصیب ہیں کہ آپ کے یہاں کوئی کلیسائی نظام نہیں ہے۔ جہاں
خود بادشاہ ایسی بے چارگی میں مبتلا ہوں وہاں بے چارے عوام الناس کی خود
مختاری کا کیا سوال تھا اور اس کا کیا سوال تھا کہ وہ کوئی کام اپنی آزادانہ مرضی
سے کر سکیں۔

اشاعت علم کی تحدید Confinement کی پالیسی کو نافذ العمل
رکھنے کے لئے کلیسا نے یہ زبردست اقدام کر رکھا تھا کہ مختلف علاقوں کے
اسقفوں (Cardinals) کے تحت مذہبی عدالتیں قائم کر دی گئی تھیں۔ اپنی
سنائی ہوئی سزاؤں کو نافذ کرنے کا اختیار بھی ان عدالتوں نے ہی اپنے ہاتھ میں
لے رکھا تھا۔ بادشاہ ان دونوں کاموں میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کے مجاز نہ
تھے۔

ان دونوں قسم کے اختیارات کو ایک ہاتھ میں مرتکز کردینے سے جو صورت حال پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی "بدعت" کا ارتکاب کرتا تو اسے اسقف کی مذہبی عدالت میں طلب کیا جاتا۔ عدالت میں ملزم پر بدعت کا جرم اگر ثابت ہو جاتا تو عدالت سزا سناتی اور پھر خود ہی اسے نافذ کرتی، یہ سزا جرمانے سے لے کر موت تک کی ہو سکتی تھی اس کی سنائی ہوئی سزا کے خلاف کہیں بھی کسی اپیل یا فریاد کی گنجائش نہ تھی۔(۱)

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یورپ کا تاریک معاشرہ تحریک نشاۃ ثانیہ کی بدولت جس کا بنیادی محرک اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلام کا تمدنی انقلاب تھا، دور جدید میں داخل ہوئی۔ یہ تحریک جسے تاریخ تہذیب و تمدن میں تحریک نشاۃ ثانیہ کا نام دیا جاتا ہے چودھویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک شمار کی جاتی ہے۔ جس کا بنیادی محرک مسلمانوں کا علمی، تہذیبی، اور سائنسی انقلاب تھا۔ دوسری طرف صلیبی جنگوں اور اندلس وغیرہ کے علمی مراکز سے یورپ نے کافی استفادہ کیا تھا۔

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو۔"(۲)

"اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر انتہائی گہرے اور ہمہ جہت اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت ہوئی جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئیں۔(۳)

---

(۱)۔ حفیظ الرحمان صدیقی ، نشاۃ ثانیہ ، ص ۹۷، ۹۸، (۲)۔Robert Brif-fault, P. 190. (۳)۔ ایضاً ص ۲۰۲،

موضوع کی اہمیت وضرورت

عہد حاضر میں ''انسانی حقوق'' (Human Rights) کے موضوع کی اہمیت ، افادیت اور ضرورت اہل علم و تحقیق پر مخفی نہیں آج دنیا کا بنیادی موضوع بحث ''انسانی حقوق'' ہے ان حالات میں انسانی حقوق کی علمبرداری اور ترجمانی کا فریضہ اور ذمہ داری مغربی دنیا کی جاگیر تصور باور کرائی جاتی ہے اور مغربی دنیا اپنے تئیں انسانی حقوق کی علمبردار اور ترجمان ظاہر کرتی ہے۔ اس حوالہ سے اقوام متحدہ کے نام نہاد منشور انسانی حقوق مجریہ دسمبر ۱۹۴۸ء کی تشہیر اور پروپیگنڈا کے لئے تمامتر اشاعتی اور تشہیری ذرائع کو اختیار کرتے ہوئے اس کی تشہیر خوب کرائی گئی جبکہ اس کا نفاذ عملاً ناکام رہا۔

بالخصوص ان حالات میں جبکہ اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق (Universal Declaration of Human Rights) کے یوم تاسیس ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کے حوالہ سے دسمبر ۱۹۹۸ء میں پچاس سالہ تقریبات منائے جانے کا اہتمام کیا گیا اور انسانی حقوق کے اس نام نہاد ''منشور انسانی حقوق'' کو مشتہر کرانے کے لئے میڈیا نے تمامتر تشہیری ذرائع استعمال کئے۔

ان وجوہات اور حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کو جو انسانی حقوق کا مثالی، ہمہ گیر، جامع ترین، دائمی، تاریخی اولیت کا حامل اور انسانی حقوق کے تمام نام نہاد منشوروں اور دستاویز حقوق پر ابدی فوقیت اور عملی تنفیذ کی حقیقت رکھتا ہے۔ موضوعِ تحقیق بنایا جائے۔

اسی تاریخی اہمیت اور عملی حقیقت کی بنیاد پر اس کی اہمیت ، افادیت اور عہد حاضر میں انسانی حقوق کے حوالہ سے فوری اور ترجیحی ضرورت کے تحت اس کی اہمیت

اور عظمت کے اظہار کے لئے اس میں عطا کردہ انسانی حقوق کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے تاریخ عالم، تہذیب اقوام، مذاہب عالم، مغربی دنیا کے انسانی حقوق کے منشوروں، دستاویز حقوق بالخصوص اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق سے تاریخی تحقیقی اور تقابلی و تنقیدی جائزہ پیش کر کے ”خطبۂ حجتہ الوداع“ کی عملی حقیقت، اور نام نہاد انسانی حقوق کے منشوروں پر ابدی فوقیت واہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔

اعتراف وتشکر

انسانیت کے محسن اعظم، سید عرب و عجم، ہادیٔ آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعلق خود عہد نبوی سے عہد حاضر تک اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ اسے ایک ابدی حقیقت کا نام دینے میں کوئی تامل اور تردد نہیں کہ ...... اتنا کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک گوشے کو مؤرخین اور ارباب سیر نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جوں جوں زمانے نے ترقی کی اسی رفتار سے آپ ﷺ کی ذات سراپا کمالات کی اہمیت بڑھتی رہی۔

ہادیٔ آخر واعظم ﷺ کے عہد مبارک سے عصر حاضر تک ہر زمانے اور ہر زبان میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ اسلام اور مسلم دنیا کا تو ذکر ہی کیا خود غیر مسلم دنیا میں بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ کو موضوع تحریر بنایا گیا اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

”اعجاز سیرت“ کے حوالے سے یہ وہ ابدی اور تاریخی حقیقت ہے جس کا اعتراف مغربی دنیا کے نامور مستشرق پروفیسر مارگولیوث Margoliouth, D.S جو Encylopaedia of Islam کا مرتب، مغربی دنیا کی نامور درسگاہ آکسفورڈ یونیورسٹی کا ۱۸۸۹ء سے ۱۹۳۷ء تک مدرس رہا اور جسے مستشرقین کی

صف میں یہ دعوی بھی رہا کہ ...... اسلام کو جتنا قریب سے اس نے دیکھا ہے اتنا کسی اور مستشرق کو اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔(۱)

موصوف نے انگریزی زبان میں "Mohammad and the Rise of Islam" نامی کتاب انگریزی زبان میں لکھی، جو "ہیروز آف دی نیشن" کے سلسلہ میں ۱۹۰۵ء میں نیویارک سے شائع ہوئی۔

اس کتاب میں مارگولیوث نے جو زہر افشانی کی اور سیرت طیبہ کے مباحث کو موضوع تنقید بنایا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، تاہم وہ بھی اپنے انتہائی تعصب اور کج ذہنی کے باوجود کتاب کے "مقدمہ" میں اس ابدی حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا کہ "محمد ﷺ کی سیرت نگاری ختم ہونے والی نہیں، اس صف میں جگہ پا جانا ہی عزت کا مقام ہے۔ چنانچہ وہ آغاز کتاب میں رقم طراز ہے!

"محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت و تکریم ہے۔(۱)

جان ڈیون پورٹ (Devenport, John) نے ۱۸۶۹ء میں انگریزی زبان میں سیرت طیبہ پر ایک کتاب بعنوان Apology for Mohammad and Quran تصنیف کی، جس کی ابتداء انہوں نے ان الفاظ سے کی ہے!

"اس میں شبہ نہیں ہے کہ تمام مقننین اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے حالات زندگی محمد ﷺ کے حالات زندگی سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"

(1) The New Encyclopaedia Britanica, VII. Edition. 1990 P.838.

(2)- Margoliouth, D.S/Mohammad and the rise of Islam, New York, 1905

"سیرت طیبہ" کی یہی وہ اثر انگیزی ہے جس نے زمانۂ حال کے نامور امریکی مصنف مائیکل ایچ ہارٹ (Hart, Michael) کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "The 100" میں پیغمبر اسلام ﷺ کو اعتراف حقیقت کے طور پر نمایاں جگہ دے۔

مائیکل ایچ ہارٹ نے دنیا کی مشہور شخصیات کا مطالعہ کیا ہے، اس مطالعہ کا حاصل اس نے ۵۷۲ صفحات کی انگریزی کتاب "The 100" کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں سو ایسی شخصیات کے حالات درج ہیں جنہوں نے مصنف کے مطالعہ کے مطابق تاریخ پر نمایاں ترین اثرات مرتب کئے۔ مذکورہ کتاب میں ابدی حقیقت کے اعتراف اور "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کی لافانی صداقت کے طور پر ہادئ عالم ﷺ کو اول مقام دیئے جانے کے متعلق مائیکل ہارٹ خود لکھتا ہے ا

> Mohammad was the only man in history who was supremely successful on both the religious and the secular levels, of humble origins.(1)

"محمد ﷺ تاریخ کے واحد شخص تھے جنہوں نے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی، مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی۔"

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی معجز نمائی اور اثر انگیزی تا قیام قیامت جاری رہے گی کہ یہ تو در حقیقت "ورفعنالک ذکرک" کی ابدی صداقت اور انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی شخصی عظمت کا عملی اور علمی اظہار ہے۔

(1) Hart, Michael/The 100, New York, 1978. (Mohammad)

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان ورفعنالک ذکرک دیکھے

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ امت مسلمہ کا محبوب موضوع رہی ہے۔ چنانچہ عہد رسالت ہی میں آپ ﷺ کی سنن وروایات کی جمع و تدوین اور بعد ازاں مغازی و سیرت کی تالیف کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس عہد سے اس عہد تک محبوب رب العالمین، خاتم النبیین ﷺ کی ''سیرت طیبہ'' اور ''حیات مقدسہ'' پر ہزارہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

پیش نظر کتاب ''**محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق**'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، جس میں ہادی آخر واعظم ﷺ کے آخری حج ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر دیے گئے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے حقوق انسانی کے ابدی اور عالمی منشور کی حیثیت سے متعارف کرانے کی سعی کی گئی ہے۔

فالحمد للہ اوّلاً و آخراً، ''خطبہ حجۃ الوداع'' اور ''محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق'' کے حوالے سے سیرت طیبہ کے عالمی ذخیرے میں انتہائی محتاط معلومات کے مطابق یہ اولین کاوش اور اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ''

گو کہ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ''خطبہ حجۃ الوداع'' یا حجۃ الوداع کے حوالے سے علماء اور اہل علم کی نگارشات موجود ہیں، جن میں امام ابن حزم کی ''خطبہ حجۃ الوداع'' اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ''حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ'' قابل ذکر ہیں۔ تاہم ''خطبہ حجۃ الوداع'' کو باقاعدہ انسانی حقوق کے منشور کے حوالے سے تادم تحریر موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔ اس موضوع پر تحریروں کا تعلق علمی

مضامین اور کتابچوں تک محدود رہا ہے۔ "محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق" موضوع اور عنوان کے حوالے سے سیرت نگاری کی تاریخ میں غالباً پہلی کوشش ہے۔ فالحمد للّٰہ علی ذٰلک

مجھے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا پورا پورا اعتراف ہے، میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کسی قسم کی علمی اور تصحیح کی غلطی نہ رہنے پائے، اس کے باوجود بھی اہل علم اور قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اگر کہیں بھی کسی قسم کی غلطی پائیں تو مجھے متنبہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

آخر میں ان تمام احباب اور علم دوست حضرات کا ممنون ہوں جن کی کوشش و کاوش میری اس سعی میں معاون ثابت ہوئی۔ میں اپنے تمام اساتذۂ کرام کا بھی ممنون ہوں جن کے علمی فیضان اور تربیت کی بدولت میں لکھنے کے قابل ہوا، بطور خاص اپنے بزرگ تایا اور علمی مربی، برصغیر پاک و ہند کے نامور محقق، مصنف اور محدث و عالم دین علامہ محمد عبدالرشید نعمانی اطال اللہ عمرہ اور اپنے والد گرامی مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ کا جن کی تربیت، معاونت اور سایۂ علمی میرے لئے رہنما اور تقویت کا باعث ہے۔ میں جناب ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، (جنہوں نے نظر ثانی کے سلسلے میں میری بھرپور مدد کی) اور جناب ڈاکٹر صلاح الدین ثانی کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے علمی استفادے کے سلسلے میں میری معاونت کی۔ ملک کے نامور علمی اور اشاعتی ادارے، "دارالاشاعت کراچی" کے روح رواں جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے "محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق" کی اشاعت خصوصی اہتمام اور دلچسپی سے کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ تمام معاونین و محبین کو اپنے خصوصی فضل و کرم سے نوازے، اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور اپنے اجر عظیم سے سرفراز فرمائے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء،

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حق شانہ اس کتاب کو حسن قبولیت عطا فرما کر میرے لئے ذخیرۂ شفاعت و آخرت بنائے۔ میری غلطیوں اور کوتاہیوں سے در گزر فرمائے اور میرا نام بھی رسالتمآب ﷺ کے سیرت نگاروں کی فہرست میں داخل کر دے۔ مجھے شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ میری، میرے والدین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے! آمین

(ڈاکٹر حافظ) محمد ثانی

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ / ۱۴ جنوری ۱۹۹۹ء

کراچی۔

خاتم الانبیاء ﷺ کا آخری حج اور خطبہ حجۃ الوداع

...... ایک نظر میں ......

❄ "حجۃ الوداع" کی ادائیگی کے لئے ارادۂ نبوی ﷺ	ذوالقعدہ ۱۰ھ، فروری ۶۳۲ء
❄ خاتم الانبیاء ﷺ کی "حجۃ الوداع" اور سفر حج کے لئے خصوصی ہدایات و خطبہ جمعہ	بروز جمعہ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۰ھ، ۲۱ فروری ۶۳۲ء
❄ حجۃ الوداع کے لئے مدینہ طیبہ سے روانگی،	بروز ہفتہ، ۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ھ، بعد نماز ظہر، ۲۲ فروری ۶۳۲ء
❄ مقام ذوالحلیفہ میں نماز عصر کی ادائیگی۔	// // // //
❄ "ذوالحلیفہ"، قیام کی پہلی منزل،	[illegible]۲ ذوالقعدہ عصر تا ظہر ۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ، ۲۲ تا ۲۳

	فروری ۶۳۲ء،
❄ "حجۃ الوداع" کے لئے احرام اور مکہ معظمہ روانگی،	۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ بعد نماز ظہر، ۲۳ فروری ۶۳۲ء،
❄ مکہ معظمہ میں داخلہ،	۴ ذی الحجہ ۱۰ھ یک شنبہ بوقت صبح، یکم مارچ ۶۳۲ء،
❄ زیارت کعبہ، طواف، حجر اسود کا بوسہ،	یک شنبہ بوقت صبح، یکم مارچ ۶۳۲ء،
❄ "منیٰ" میں قیام،	// // // //
❄ میدان عرفان میں تاریخی "خطبہ حجۃ الوداع"	۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ، ۶ مارچ ۶۳۲ء،
❄ قرآن کریم کی آخری آیت "الیوم اکملتُ لکم دینکم" کا نزول	// // // // (دوران خطبہ حجۃ الوداع)
❄ ظہر وعصر کی نمازوں کی یک وقت (جمع تقدیم) ادائے گی۔	// // // // (بوقت ظہر)
❄ مزدلفہ روانگی،	// // (بوقت غروب آفتاب)
❄ مغرب وعشاء کی یک وقت (جمع تاخیر) ادائے گی،	// // // // (بوقت عشاء، بمقام مزدلفہ)
❄ وقوف مزدلفہ اور دوسرا عظیم الشان خطبہ،	// // (یوم النحر بوقت صبح) // //

❄ بعد از فراغت خطبہ،	،،	،،
مزدلفہ سے منیٰ روانگی اور جمرۂ عقبیٰ کی رمی کی ادائے گی،		
❄ رمی سے فراغت کے بعد "منیٰ" میں تیسرا عظیم الشان خطبہ،	،،	،،
❄ رمی جمرہ اور خطبہ کی ادائیگی کے بعد ۶۳ اونٹوں کی دست مبارک سے قربانی،	،،	،،
❄ قربانی سے فراغت کے بعد سر مبارک کا حلق اور احرام کھول دیا گیا،	،،	،،
❄ حالتِ احرام سے باہر آئے کے بعد (یوم النحر) رسالت مآب ﷺ کی طواف زیارت کی ادائے گی کے لئے مکہ معظمہ روانگی،	،،	،،
❄ طواف رکن کی ادائے گی،	،،	،،
	(بوقت ظہر)	
❄ چاہِ زمزم پر تشریف آوری اور آب نوشی،	(بوقت ظہر) ،،	،،
	،،	،،
❄ "منیٰ" واپسی اور تین دن قیام،	۱۰ ذی الحجہ ۱۰ھ، تا ۱۳ ذی الحجہ ۱۰ھ، بروز اتوار، پیر، منگل، ۷ مارچ تا ۱۰ مارچ ۶۳۲ء،	
❄ "منیٰ" سے مقام محصب تشریف آوری،	۱۳ ذی الحجہ ۱۰ھ، بروز منگل، ۱۰ مارچ ۶۳۲ء،	

❄	طوافِ وداع،	۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ، بروز بدھ، بوقت صبح صادق، ۱۱ مارچ ۶۳۲ء،
❄	مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانگی	۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ، بعد از ادائیگی نماز فجر، ۱۱ مارچ ۶۳۲ء،
❄	مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام "غدیر خم" پر خطبہ غدیر خم در فضیلت سیدنا علی مرتضٰی،	۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ، بعد از نماز ظہر، ۱۱ مارچ ۶۳۲ء،
❄	مدینہ منورہ میں ورود مسعود،	اخیر ذی الحجہ ۱۰ھ، مارچ ۶۳۲ء،

صلی اللہ علیہ وسلم

فرضیتِ حج اور حجۃ الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آ پہنچی، مکہ فتح ہو گیا، لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے۔ کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی، وفود اور قبائل دور دراز سے آ آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے، فرائض نبوت ادا ہو چکے، احکام اسلام کی تعلیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی، ۹ھ میں خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کو امیر الحج کی حیثیت سے بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکل پاک کر دیا گیا۔ (۱)

اب وقت آ گیا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے فرائض کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ اُمت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اوّل سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شرکیہ اور

۱۔ محمد ادریس کاندھلویؒ / سیرت المصطفیٰؐ، مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۹۲ء، (جلد دوم)، ص ۲۳۸۔

☆ غالباً رسول ﷺ کے اس سال خود حج نہ کرنے کی خاص حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو بلکہ از اوّل تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو اور آپ کی دعوت و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو۔ اس طرح گویا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبرؓ کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا پیش خیمہ اور اس سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔ (محمد منظور نعمانی / معارف الحدیث دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۳ء، ۴/ ۲۱۱)

رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا۔(۱)

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ

"حجۃ الوداع" کے تاریخی موقعہ پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ تکمیل دین کے اعلان کے ساتھ ہی صحابہ کرامؓ اور شرکاء حجۃ الوداع کو "الوداع" کہی لہذا یہ حج "حجۃ الوداع" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

"اوجز السیر" کے مطابق یہ نام متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔ "وَدَاع" واو کے فتحہ (زبر) کے ساتھ ہے اور اس کو کسرہ (زیر) کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ اور حاضرین کو اس حج میں رخصت فرمایا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کسی اور موقعہ کا اتفاق نہیں ہوگا نہ اس جیسا عظیم الشان اجتماع میسر ہوگا۔ "اذا جاء نصر اللہ" کی آیات کے نزول سے حقیقت تکمیل دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیائے فانی سے رحلت کی طرف اشارہ تھا۔

علامہ عینی کی رائے کے مطابق اس کو حجۃ الوداع" اس بناء پر کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں صحابہ کرامؓ کو رخصت فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد تم سے نہیں مل سکوں گا۔(۲)

۱۔ ایضاً ۲/ ۲۳۸۔

۲۔ محمد زکریا کاندھلوی (شیخ الحدیث) رحجۃ الوداع وعمرات النبیؐ، مطبوعہ معہد الخلیل الاسلامی کراچی، ص ۱۴۷۔ نیز دیکھئے! محمد ادریس کاندھلوی ر سیرت المصطفیٰ ۲/ ۲۴۰۔

خاتم الانبیاءؐ کے حجوں کی تعداد

ہجرت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حج فرمائے، ''جامع ترمذی'' میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج ادا فرمائے۔ ابن اثیر ''نہایہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حج کیا کرتے تھے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں ہو سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے، بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک حج کیا۔ (۱)

حجۃ الوداع کیلئے خاتم الانبیاءؐ کی روانگی

ذوالقعدہ ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی حج مبرور ''حجۃ الوداع'' کا ارادہ فرمایا اور اطراف و اکناف میں اعلان کرا دیا گیا کہ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں تو مسلمانان عرب انصار و مہاجرین اور اصحاب جاں نثار جوق در جوق پہنچنا شروع ہو گئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا کو اپنے لئے نشان راہ بنائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے۔ چنانچہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۰ھ یوم شنبہ ظہر اور عصر کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ۴ ذی الحجہ یک شنبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (۲)

۱۔ محمد ادریس کاندھلوی / سیرت المصطفیؐ ۲ / ۲۳۸۔

۲۔ زرقانی / شرح مواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریہ، القاہرہ، ۳ / ۳۰۵،

حجۃ الوداع کے واقعات اور دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے! ☆ زرقانی / ایضاً ۳ / ۱۰۴ تا ص ۱۰۷،

☆ ابن قیم الجوزی / زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مطبعۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۷۹، ۲ / ۱۰۲ تا ۱۵۸،

☆ نیز دیکھئے: (مولانا) محمد زکریا کاندھلوی / حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ، معہد الخلیل کراچی،

شرکاء حجۃ الوداع کی تعداد

حجۃ الوداع کے شرکاء کی صحیح تعداد کے متعلق محدثین اور مؤرخین مختلف الآراء ہیں چنانچہ ابن سعد کے مطابق صحابہ کرامؓ کی بے شمار تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ میں آکر ملتی رہی۔ امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا اعلان عام فرمایا تو کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو سوار یا پیدل آنے کی قدرت رکھتا ہو اور نہ آیا ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ "شرح سفر السعادۃ" میں بھی اسی طرح ہے۔

البتہ شرکاء حجۃ الوداع کی تعداد کی تعیین میں اختلاف ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں "لمعات" کے حوالہ سے منقول ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ ان کی تعداد حساب و شمار سے زیادہ تھی اور ان کی تعداد کی تعیین نہیں ہو سکی۔ خاتم الأنبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری غزوہ تبوک کے شرکاء کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچی تھی حجۃ الوداع کا سفر اس کے بعد ہوا یقیناً اس سفر میں مزید تعداد کا اضافہ ہوا ہوگا۔

چنانچہ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار افراد تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ ملا علی قاری نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے شرکاء کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ (۱)

زرقانی کے مطابق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں جو حضرات مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی یہ تعداد ان مسلمانوں کے علاوہ تھی جو مکہ ہی میں رہائش پذیر تھے اور جو یمن سے حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ آئے تھے۔ (۲)

۱۔ محمد زکریا کاندھلوی، حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ ص ۱۷۔ ۱۸۔

۲۔ زرقانی، شرح مواھب اللدنیہ ۳/ ۱۰۵۔

پیغمبرِ آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ کے

حجۃ الوداع کا آنکھوں دیکھا بیان

عن جعفر بن محمد عن ابیه قال دخلنا علی جابر بن عبداللّٰه فسأل عن القوم حتٰی انتهٰی الیّ فقلت! انا محمد بن علی بن حسین فاهویٰ بیده، الی رأسی، فنزع زرِیَ الأ علیٰ ثمّ نزع زرِی الأ سفل ثم وضع کفه بین ثدییّ و انا یومئذ غلام شابّ فقال! مرحبأبك یا بن اخی، سل عمّا شئت، فسألته، وهوا عمٰی، و حضر وقت الصّلٰوة فقام فی نسّاجة ملتحفا بها کلّما وضعها علیٰ منکبیه رجع طرفاها الیه من صغرها، و ردائه علی جنبه علی المشجب ،فصلی بنا، فقلت ! اخبرنی عن حجّة رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم، فقال! بیده فعقد تسعاً فقال ان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم مکث تسع سنین لم یحج، ثمّ اذّن فی النّاس فی العاشرة ان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم حاج، فقدم المدینة بَشرٌ کثیر، کلهم یلتمس ان یأتم برسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم و یعمل مثل عمله، فخرجنا معه حتی اتینا ذا الحلیفة فولدتِ اسماءُ بنت عمیس محمد بن ابی بکر، فارسلت الی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کیف اصنع ؟ قال! اغتسلی، و استثفری بثوب، و احزمی، فصلّی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی المسجد ثمّ رکب القصواءَ، حتی اذا استوت به ناقته علی البیداءِ نظرت الی مدبصری بین

يديه من راكب و ماش و عن يمينه مثل ذالك و عن يساره مثل ذالك و من خلفه مثل ذالك و رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم بين اظهرنا و عليه ينزل القرآن و هو يعرف تاويله و ماعمل من شيئ عملنا به، فاهلّ بالتّوحيد "لبيك الّلهم لبيك، لا شريك لك لبيك" انّ الحمد والنّعمة لك والملك لا شريك لك، و اهل الناس بهذ الذی يهلّون به فلم يردّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم عليهم شيأً منه ولزم رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم تلبيته ......

قال جابرٌ لسنا نموی الّا الح، لسنا نعرف العمرة حتی اذا اتينا البيت معه استلم الرّكن فرمل ثلثاً ومشیٰ اربعاً ثمّ تقدم الی مقام ابراهيم فصلّی فقرأ "و اتّخذ وا من مقام ابراهيم مصلّی" فجعل المقام بينه و بين البيت فكان ابی يقول ولا أعلمه ذكره الّا عن النّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم كان يقرءُ فی الرّ كعتين قل هواللّٰه احد، و قل يا ايّها الكٰفرون، ثمّ رجع الی الرّ كن فاستلمه ثمّ خرج من الباب الی الصّفا فلماّ دنیٰ من الصّفا قرأ "انّ الصّفا والمروة من شعائراللّٰه" ابد أً بما بدأ اللّٰه به. فبدأ بالصفا فرقیٰ عليه حتّی رأی البيت فاستقبل القبلة فوحّد اللّٰه و كبّره، وقال لا اله الّا اللّٰه و حده لا شريك له له الملك وله الحمد و هوعلیٰ كلّ شيئی قدير لااله الّا اللّٰه وحده انجز و عده ونَصر عبده، و هزم الأ حزاب و حده ثمّ دعابين ذٰلك قال مثل هذ اثلاث مرات ثمّ نزل و مشیٰ الی المروة ففعل علی المروة كما فعل علی الصّفا حتّی اذاكان آخر طواف علی المروة نادی وهو علی المروة و النّاس تحته فقال! لوانّی استقبلتُ من امری ما

استدبرتُ لم اسق الهدی و جعلتُها عمرةً فمن کان منکم لیس معه هدی فلیحلّ و لیجعلها عمرة فقام سراقة بن مالك بن جعشم فقال یا رسول اللّٰه صلّی اللّٰه! لعا منا هذا أم للأ بد؟ فشبّك رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم اصابعه واَحدة فی الأ خریٰ و قال! دخلت العمرة فی الحجّ لا بل لأ بدٍ ابدٍ......

وقدم علّی مِن الیمن ببدن النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم (فوجد فاطمة ممّن حل و لبست ثیاباً صبیغاً والتّحلت فانکر ذالك علیها فقالت انّ ابی امرنی بهذا.) فقال له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ما ذاقلت حین فرضت الحجّ، قال قلت اللّٰهّم انی اهلّ بما اهلّ به رسولك، قال فانّ معی الهدی فلا تحلّ، قال! فکان جماعة الهدی الّذی قدم به علیّ من الیمن والّذی اتی! به النّبیّ صلّی اللّٰهعلیه وسلّم مائة، قال فحلّ النّاس کلّهم وقصّروا الّا النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومن کان معه هدی..

فلمّا کان یوم التّر ویة تو جّهوا الیٰ منیٰ فاهلّوا بالحجّ و رکب النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم فصلّی بها الظُّهر، و العصر، والمغرب، و العشاءَ، والفجر، ثمّ مکث قلیلاً حتّٰی طلعت الشّمسُ و امر بقبّة من شعر تضرب له بنمرة، فسار رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم، ولا تشكّ قریش الّا انّه واقف عندالمشعر الحرام..

حتّٰی اذا زاغت الشّمس امر بالقصواءِ فرحلت له فاتیٰ بطن الوادی فخطب النّاس، و قال ان دماءَ کم و اموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا، فی شهر کم هذا، فی بلد کم هذا، الا! کلّ شیی من

امر الجا هليّة تحت قدمی موضوع، و دماءُ الجاهليّة موضوعة، وانّ اوّل دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة ابن الحارث وّ كان مستر ضعاً فی بنی سعد فقتله هذيل، و ربا الجاهلية موضوع و اول رباً اضع من ربا نا ربا عبّاس بن عبد المطّلب، فانّه موضوع كله، فاتّقوالله فی النّساءِ انكم اخذ تموهنّ با مان الله و استحللتم فرو جهنّ بكلمة الله، و لكم عليهنّ ان لا يوطين فرشكم احداً تكر هونه، فان فعلن ذالك فاضر بوهن ضرباً غير مبرح، و لهنّ عليكم رزقهنّ و كسوتهنّ بالمعروف، وقد تركت فيكم مالن تضلو بعده ان اعتصمتم به، كتاب الله و أنتم تسئلون عنّی فما انتم قائلون؟ قالوا! نشهد انّك قد بلّغت و ادّيت و نصحتَ، فقال باصبعه السّبابة يرفعها الی السّماء و ينكثها الی الناس، اللّهمّ اشهد، اللّهمّ اشهد، ثلث مرّات ثمّ اذّن بلال، ثمّ اقام فصلّی الظّهر، ثم اقام فصلّی العصر، و لم يصلّ بينهما شيئًا......

ثم ركب حتی اتی الموقف فجعل بطن ناقته القصواء الی الصّخرات و جعل حبل المشاة بين يديه، و استقبل القبلة فلم يزل وا قفاً حتی غربت الشّمس، و ذهبت الصّفرة قليلاً حتی غاب القرص، و اردف اسامة، و دفع حتّی اتی المزدلفة فصلّی بها المغرب و العشاءَ باذان واحد، و اقامتين، ولم يسبّح بينهما شيئا. ثمّ اضطجع حتّی طلع الفجر، فصلّی الفجر حين تبين له الصّبح. باذان و اقامة ثمّ ركب القصواءَ حتی اتی المشعرالحرام. فاستقبل القبلة فدعاه و كبّره و هلّله ووحّده فلم يزل و اقفا حتی اسفر جداً فدافع قبل ان تطلع الشمس، و

اردف الفضل بن عباس حتی اتی بطن محسّرفحرّك قليلاً ثمّ سلك الطّريق الوسطیٰ التّی تخرج علی الجمرة الکبریٰ حتی اتی الجمرة التیّ عند الشّجرة فرما ھابسبع حصیات یکبّر مع کلّ حصاۃ منھا مثل حصَی الخذف، رمی من بطن الوادی ثمّ انصرف الی المنحر فنحر ثلثاً و ستّین بد نة بیدہ ثمّ اعطیٰ علیاً فنحر ما غبر و اشرکه فی ھدیه ثمّ امرمن کلّ بدنة ببضعة فجعلت فی قدر فطبخت فا کلامن لحمھا و شربامن مرقھا ثمّ رکب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فا فاض الی البیت، فصلّی بکمة الظھر، فأتی علی بنی عبد المطّلب یسقون علیٰ زمزم فقال انزعوابنی عبدالمطّلب فلو لا ان یغلبکم النّاس علی سقا یتکم لنز عت معکم فناولوہ دلواً فشرب منه (۱)

ترجمہ:

جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پرپوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں۔(۲)

ا۔ مسلم بن الحجاج القشیری / صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع کراچی، ا/ ۳۹۴۔۴۰۰، (باب حجۃ النبیؐ)۔

☆ محمد منظور نعمانی / معارف الحدیث، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۳ء، ۴/ ۲۱۳ومابعد،

۲۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب یہ ہے!

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن امیر المومنین سیدنا علیؓ بن ابی طالب ہاشمی، آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور صادق لقب ہے۔

ننھیالی شجرہ یہ ہے!

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہونچے، انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتلایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسینؓ ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے انہوں نے شفقت اور محبت سے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے بعد نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ (کرتے کے اندر لے جاکر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں ان دنوں

امّ فروہ بنت قاسم بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا جعفر صادق ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

آپ اس خانوادۂ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے۔ آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ (۸۰ھ / ۱۵۰) جیسے اکابر امت ان کے شاگرد تھے اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃ ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ گویا اپنے وقت کے امام تھے۔ دیکھئے!

☆ ابن حبان البستی / مشاہیر علماء الامصار، قاہرہ ۱۹۵۹ء، ص ۱۲۷،

☆ الذہبی / سیر اعلام النبلاء، موسستہ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۸ء، ۶/ ۲۵۵،

☆ الذہبی / تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن ۱۳۷۷ھ، ۱/ ۱۶۶،

☆ الذہبی / میزان الاعتدال، تحقیق علی البجاوی قاہرہ ۱۹۶۳ء، ۱/ ۴۱۴۔۴۱۵،

☆ ابن حجر / تہذیب التہذیب، حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ، ۲/ ۱۰۳۔۱۰۵،

☆ الصفدی / الوافی بالوفیات، بیروت ۱۹۸۱ء، ۷/ ۱۲۷،

☆ ابن العماد الحنبلی / شذرات الذھب، قاہرہ ۱۳۵۰ھ، ۱/ ۲۰،

بالکل نوجوان تھا اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا:۔ مرحبا بك يا ابن اخی (مرحبا! اے میرے بھتیجے ۔ میرے بھائی حسین کی یادگار!!) جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہو بے تکلف پوچھو! (امام باقرؒ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو اس کے کنارے اٹھ کے ان کی طرف آجاتے، حالانکہ ان کی ردواء (یعنی بڑی چادر) ان کے قریب ہی لٹکن پر رکھی ہوئی تھی (مگر انہوں نے اس کو اوڑھ کے نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی سی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا کہ :۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات بتایئے؟"

انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو ۹ کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آکر نو ۹ سال تک کوئی حج نہیں کیا، پھر ۱۰ھ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پاکر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آگئے۔ ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلے۔

(حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ : پھر جب روانگی کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ

مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا۔
یہاں پہونچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس (جو ابوبکر صدیق کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ : اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہونچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے (تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ بیداء پر پہونچی) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے حج کا یہ تلبیہ کہا :

"لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا صحابہؓ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انہوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کر کے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی)۔

حضرت جابرؓ نے (حجتہ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت اللہ پر پہونچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چوما، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف شروع کیا) جس میں تین ۳ چکروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار ۴ چکروں میں اپنی عادت کے مطابق

چلے، پھر (طواف کے سات ۷ چکر پورے کر کے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیمؑ کی طرف بڑھے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو)۔ پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقامِ ابراہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی (یعنی دوگانہ طواف ادا کیا)۔ حدیث کے راوی امام جعفر صادقؒ بیان کرتے ہیں کہ: میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو ۲ رکعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت کی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام کیا، پھر ایک دروازے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے اور اس کے بالکل قریب پہونچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"

(بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے۔)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے"۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی چڑھے کہ بیت اللہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی نظر کے سامنے آگیا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر و تمجید میں مصروف ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:۔

"لا اله الاّ اللّٰه وحدهٗ لا شريك له لَهٗ الملك وله الحمد وهو علىٰ كلِّ شئى قدير، لا اله الاّ اللّٰه وحده انجز وعده و نصر عبده و هزم الا حزاب وحده"۔

(اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود و مالک ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمادیا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس تنہا اُسی نے شکست دی)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ۳ دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان میں دعا مانگی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر کے مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم وادی کے نشیب میں پہونچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہونچے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقا صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا۔ تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف و سعی انہوں نے کی اس کو عمرہ بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر سُراقہ بن مالک نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے یہی حکم ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ:

"دخلت العمرة فی الحج لا بل لا بدابد۔"

(عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے)۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے لئے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہونچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے

ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انہوں نے اُن سے اِس روّیہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اُن سے کہا کہ :۔ "تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ" حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ :۔ "مجھے ابا جان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے۔)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ :۔ جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انہوں نے عرض کیا کہ :

"اللهم انی اهل بما اهل به رسولك" (اے اللہ! میں حرام باندھتا ہوں اُس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو)۔

آگے حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی۔ (بعض

روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علیؓ یمن سے لائے تھے۔)

حضرت جابرؓ نے آگے بیان کیا کہ :۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام اُن صحابہ نے احرام ختم کردیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفامروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کے وہ سب حلال ہوگئے اور جو طواف و سعی انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا۔بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ حالتِ احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

....

پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸، ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صفامروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہوگئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہوکر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہونچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور صحابہ کرامؓ نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نمرہ میں نصب کیا جائے (نمرہ

دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کے عرفہ پہونچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمہ میں اُتر گئے۔

یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسنے کا حکم دیا چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر وادی (وادِ عرنہ) کے درمیان آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی پشت ہی پر سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:۔

"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اُسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مُبارک مہینہ میں، اپنے اس مقدس شہر مکہ میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا

اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو)۔

خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں ان کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانۂ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں معاف ہیں۔ (یعنی اب کوئی مسلمان زمانۂ جاہلیت کے کسی خون کا بدلا نہیں لے گا، اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے ان کو قبیلہ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا، (ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانۂ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں، (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں (اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیے گئے۔

اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ

کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اُن کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق اُن پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں۔ لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سدباب کے لئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو) ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو۔ اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پہننے کا بندوبست کرو۔ اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے "کتاب اللہ" اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہونچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہونچا دیے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین ۳ دفعہ فرمایا:

"اَللّٰھمَّ اشھد! اَللّٰھمَّ اشھد!! اَللّٰھمَّ اشھد!!!

یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہونچا دیے اور تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں۔

اس کے بعد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) حضرت بلالؓ نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلالؓ نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔

پھر (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رُخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور اُسامہ بن زیدؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ آ گئے، (جو عرفات سے قریباً تین میل ہے) یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشاء کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت یا نفل

کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کے پاس آئے (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ پھر طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادیٔ محسّر کے درمیان پہونچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اُس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے، پھر اُس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اُس پر پھینک کے مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "خذف کے سنگریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کے مارے، اور اس رمی سے فارغ

ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی۔ پھر جو باقی رہے وہ حضرت علیؓ کے حوالہ فرمادیئے ان سب کی قربانی انہوں نے کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کے پکائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جاکر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کے (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کے لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ: اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے نوش فرمایا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے زیادہ طویل اور مفصل حدیث ہے لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو

دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابرؓ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :

"نحرت ههنا و منىٰ كلها منحر فانحروا في رحالكم و وقفت ههنا و عرفة كلها موقف وو قفت ههنا وجمع كلها موقف" (۱)

"میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منیٰ کا سارا اعلاقہ قربانی کی جگہ ہے اس لئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کرسکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے۔)

۱۔ مسلم، صحیح مسلم ۱/۲۰۱۔

☆ نیز محمد منظور نعمانی، معارف الحدیث ۴/۲۳۷۔

[حجۃ] الوداع کا تاریخی ریکارڈ

صحابہ کرامؓ جیسے ثقہ اور عادل راویوں نے اس مبارک سفر کے نازک سے [نازک] پہلو اور اس کے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا ایسا ریکارڈ ہمارے لئے محفوظ کر [دیا] ہے جس کی مثال نہ سلاطین و امراء کے سفر ناموں میں ملتی ہے نہ علماء و مشائخ کی [سرگ]زشتوں میں، مثلاً ان روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ آپ ﷺ نے احرام [کے] وقت کس قسم کی خوشبو استعمال کی، ہدی کا اشعار کیا، زخم لگایا، تو اس کا نشان کس [جان]ب تھا؟ کس مقام پر پھینکا گیا کس مقام پر آپ ﷺ کو ایک شکار کئے ہوئے گورخر کا [گوشت] پیش کیا گیا، یہاں تک کہ منیٰ کی شب میں اس جم غفیر میں سانپ کے نکلنے اور اس [کے ب]چ کے نکل جانے کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ آپ ﷺ نے جن لوگوں کو اس سفر میں [اپ]نے ساتھ سواری پر سوار کیا (باوجودیکہ ان کی تعداد اڑتیس ۳۸ تک پہنچتی ہے) ان [سب] کے نام حتیٰ کہ اس حجام کا نام بھی مذکور ہے جس نے موئے مبارک بنانے کی [سع]ادت حاصل کی موئے مبارک تقسیم فرمائے تو اس کی تفصیل بھی موجود ہے کہ [دائ]یں طرف کے بال کن لوگوں کو عطا ہوئے اور دائیں جانب کے کن لوگوں کو۔ (۱)

[اہم]یت و عظمت:

حجۃ الوداع، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات [و ہدای]ات اور قولی و عملی تعلیمات میں ایک منفرد قابل ذکر اور تاریخی مقام رکھتا ہے۔ نیز [اس] لحاظ سے یہ منفرد ہے کہ ہزار خطبے، ہزار درس، ہزار کتابیں اور ہزار صحبتیں بھی [اتم]ام نعمت، تکمیل دین اور تعلیم و تزکیہ کا وہ عظیم الشان کام نہ کر سکتی تھیں جو اس

[۱۔] سید ابوالحسن علی ندوی / نبی رحمتؐ ص ۵۰۹۔

نیز محمد زکریا کاندھلوی / حجۃ الوداع و عمرات النبیؐ۔

تاریخی "حجتہ الوداع" کے ذریعہ انجام پزیر ہوا۔ اس حیثیت سے بھی یہ منفرد ہے کہ یہ پورا سفر حج ایک رواں دواں میدان جہاد، ایک متحرک مسجد، ایک چلتا پھرتا مدرسہ بن گیا، جس نے دلوں کو بیدار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑا ان میں شوق و محبت کی چنگاریاں روشن کیں۔ اس نے ایمان کو قوی کیا، اخلاق کو نکھارا، دین کی اساسی تعلیمات کو واضح کیا۔

(اس تاریخی حج کے دوران عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ)

اور یہی حج اس آیت کا جیتا جاگتا اور مجسم نمونہ بن کر نگاہوں کے سامنے نمودار ہو گیا۔ اور اس پہلو سے بھی یہ منفرد کہ یہ جن برگزیدہ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف و اکرام بخشا، ان کے شوق محبت اور شکر و امتنان نے اس بے مثل اور بے نظیر سفر کے ایک ایک لمحہ، ایک ایک واقعہ، ایک ایک ساعت، ایک ایک منزل کا ریکارڈ اتنی تفصیل کے ساتھ محفوظ کر دیا کہ احکام اور تزکیہ، ہدایات و تعلیمات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔

راویانِ خطبۂ حجتہ الوداع اور خطبات کی تعداد

صحیح بخاری (باب الدیّات)، صحیح مسلم (باب حجتہ النبیؐ) سنن ابو داود (باب الاشہر الحرام و حجتہ النبیؐ)، وغیرہ میں خطبۂ حجتہ الوداع حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو امامہ باہلیؓ، حضرت جابرؓ، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ وغیرہ صحابہؓ کی روایتوں سے مذکور ہے۔ ان روایات میں بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض الگ ہیں۔

مغازی اور سیر کی کتب میں کچھ اور باتیں بھی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا ہر ایک راوی کو جو فرامین اور فقرے یاد رہ گئے اس کی انہوں نے روایت کی (تاہم ان تمام روایات میں سب سے زیادہ طویل اور مفصل روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے تاہم پھر بھی بعض واقعات کا ذکر اس میں نہیں ہے)

روایت میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں، بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔

ابن اسحاق نے اسے مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ، ترمذی، اور مسند احمد میں "خطبۂ حجۃ الوداع" کے چند فقرے منقول ہیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، بہر حال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یعنی عرفہ کو، ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو، ان خطبات میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ ﷺ جو پیغام اپنی اُمت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لئے آپ ﷺ نے اپنی تقریر (خطبہ) کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے ہیں۔ (۱)

نیابت خطبہ :

خطبۂ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جملہ پر توقف فرماتے اور اس وقفہ کی تکرار بآواز بلند ربیعہ کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ کو تاکید فرمادی کہ حاضرین کو ان مطالب کے ذہن میں رکھنے کی تاکید فرمادیں۔ بعض جملوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیعہ سے فرماتے کہ وہ حاضرین سے اس کا جواب بھی طلب کریں مثلاً!

هل تدرون ای یوم هذا؟ یعنی "تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟"

حاضرین کے جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۴۰۸ھ، ۲/ ۹۳۔ ۹۴۔

"ان اللّٰہ قد حرم علیکم دماء کم و اموالکم الی ان تلقوا ربکم
کحرمۃ یومکم ھذا"

اے لوگو!

تم پر ایک دوسرے کی جان اور اسی طرح مال ہر ایک تابہ قیامت، حرام
جیسا کہ آج کے دن اور اس مہینہ میں تم کسی قسم کی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔

اس جملہ کے بعد فرمایا!

"اللّٰھم بلغت" (خداوندا) تو سن رہا ہے کہ میں نے فریضۂ تبلیغ ادا کر دیا۔(۱)

خطبۂ حجۃ الوداع کے مطالب اور فرامین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہا
اختصار و جامعیت کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل
کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو
میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت
کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الا کلّ شئیٍ من أمر الجاھلیّۃ تحت قدمی موضوع"

ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگِ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی
تمام قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے، مختلف صورتوں میں قائم رکھا
تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی، ائمہ
مذاہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفاء رذیلوں سے
ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے، آج یہ تمام فرقے،
تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔

۱۔ محمد حسین ہیکل / حیات محمدؐ، مترجم ابویحییٰ / امام خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۱۹۹۶ء، ص ۶۲۰

ایّھاالنّاس الآ انّ ربکم واحد وانّ اباکم واحد، الا لا فضل لعربّی علیٰ عجمیّ ولا لعجمیّ علیٰ عربیّ ولا لاحمر علیٰ اسود، ولا لا سود علیٰ احمر الا بالتّقویٰ، انّ کل مسلم اخوالمسلم و انّ المسلمین اخوۃ، ارقّاء کم ارقّاء کم اطعمو ھم ممّاتا کلون واکسو ھم ممّا تلبسون.

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

(ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور) اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی ذمہ داری وفرض ہو جاتا تھا یہاں تک کہ سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج اس رسم کا خاتمہ میں ربیعہ ابن الحارث کے خون سے کرتا ہوں، (اور اس کے لئے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

ودماء الجاھیلۃ موضوعۃ، وانّ اوّل دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ ابن الحارث.

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربا الجاهلية موضوع و اول رباً اضع رباناً ربا عباس بن عبدالمطلب..

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود (عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں)

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں جو قماربازی میں داؤ پر چڑھائی جاسکتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنفِ لطیف، یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔

فاتقوا الله فى النّساء، انّ لكم على نساء كم حقًّا و لهنّ عليكم حقًّا..

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا چھین لیتا تھا، آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔

انّ دمائكم و اموا لكم عليكم حرام كحرمة يومكم هٰذا فى شهر كم هٰذا فى بلد كم هٰذا الى يوم تلقون ربكم..

تمہارا خون اور تمہارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحبِ شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں، بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ، اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم به کتاب اللّٰہ..

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہو گے وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا:

انّ اللّٰہ عزّوجلّ قد اعطیٰ کلّ ذی حقّ حقّه فلا وصیّة لوارث

خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وارثت) اس کا حق دے دیا اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

الولد للفراش و للعاهرالحجر، وحسابهم علی اللّٰہ

لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، ازنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

من ادّعیٰ الی غیر ابیه و انتمٰی الی غیر موالیه فعلیه لعنة اللّٰہ

جو لڑکا اس باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

الا لایحلّ لا مرأة ان تعطی من مال زوجها شیئًا الّا باذنه الدّین مقضّی والعاریة مودّاة المنحة (مردودة والزّعیم غارم)

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا۔

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟

صحابہؓ نے عرض کی ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔

اللھم اشھد :۔ اے خدا تو گواہ رہنا۔

عین اُس وقت جب آپ ﷺ یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری!

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"..

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ دو عالم ﷺ جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا، اس کے تختِ شاہنشاہی کا مسند و بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔(۱)

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، داہنے بائیں، آگے پیچھے، تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور

۱۔ شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ ۲/ ۹۴۔۹۶۔

بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے زمین سے آسمان تک قبول واعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوانِ قضاء میں انبیائے سابقینؑ کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و دہن میں زمزمہ پرواز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا، اسی بناء پر ارشاد فرمایا۔

"انّ الزّمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللّٰہ السّمٰوٰت والأرض"

ابتداء میں جب اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آگیا۔

ابراہیم خلیل اللہ کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ اس لئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لئے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماعِ عظیم کے اشہر حرام کی تعیین کر دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"النسیٔۃ اثنا عشر شھراً منھا اربعۃٌ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ، و ذوالحجّۃ، و محرّم، و رجب شھر مضر، الّذی بین جمادی و شعبان"

سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں تین تو متواتر مہینے ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

دنیا میں عدل وانصاف اور جور و ستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے خطبہ میں گو اُن کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے۔ لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دُور کرنے کے لئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا!

لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ لوگ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد فرمایا۔ کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے۔ پھر ارشاد ہوا۔ یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا۔ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے۔ پھر پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا۔ کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں بے شک ہے۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن اس مقام میں جنگ اور خون ریزی جائز نہیں، تب فرمایا!

"فإنّ دماء کم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شھر کم ھٰذا فی بلد کم ھٰذا"..

تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیروؤں سے بآواز بلند کہا۔

"الا لا ترجعوا بعدی ضلا لاً یضرب بعضکم رقاب بعض، و ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم"..

ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔

ظلم و ستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہونے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا میں نافذ تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے "لاتزرو ازرۃ وزر اخریٰ" کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی تھی، لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا۔ اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"الا، لا یجنی جان الا علیٰ نفسہ الا، لا یجنی جان علیٰ ولدہ ولا مولود علی والدہ"..

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جوابدہ باپ نہیں۔

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ

اور عار جانتا تھا۔ ارشاد ہوا۔

"ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقود کم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا لہ واطیعوا"۔

اگر کوئی حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الا انّ الشیطان قد ایس ان یعبدفی بلد کم ھٰذا ابداً ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضیٰ بہ"۔

ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے۔

"اعبدوا ربکم فصلّو اخمسکم، وصوموا شھر کم، واطیعوا اذا آمرکم تدخلو اجنّۃ ربکم"۔

اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کے روزے رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔

"الا ھل بلّغت"؟

کیوں میں نے پیغام خداوندی بتادیا۔

سب بول اٹھے، ہاں! فرمایا۔

اللّٰھمّ اشھد

اے خدا تو گواہ رہنا۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"فلیبلغ الشاھد الغائب"

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔

خطبہ کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔(۱)

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ ۲/ ۹۷۔۱۰۰،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ حجۃ الوداع

رحمت عالم، محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر، میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار (۱) جانثاروں اور اپنے سچے جانشینوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے جسے اس کی اہمیت اور اہتمام شان کے باعث حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام اور حجۃ الکمال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۲)

اس خطبۂ عظیم کو مقاصد اسلام و شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ کے سلسلہ میں نہایت ممتاز مقام حاصل ہے، جو امتِ مسلمہ اور عالم انسانیت کے لئے ابد تک ایک مینارۂ نور، امن و سلامتی اور عدل و مساوات کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک عظیم دستورِ حیات ہے۔

اس میں آپ ﷺ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مستحکم فرمایا اور روایات جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، ان تمام محرمات کی حرمت کی توثیق فرمائی جو تمام ادیان میں حرام ہیں۔ یعنی دوسروں کا خون، مال، عزت کا احترام، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، باہمی حقوق کی وصیت اور "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ" کی تاکید فرمائی۔

۱۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ۲۷۸، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔
۲۔ ایضاً، ص ۲۷۸،

جسے پڑھ کر اور سن کر یہ یقین تازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ ﷺ رحمتہ للعالمین اور کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ہیں۔

یہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول امین ﷺ اپنے آخری حج کے موقع پر، حجاج کرام کے ہمراہ، میدان عرفات کے قریب مقام "نمرہ" پر پہنچے، اور خیمہ زن ہوئے، پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی "قصوا" طلب فرمائی، اور کجاوہ نشیں ہو کر میدان عرفات کے متصل مقام "عرفہ"(۱) میں تشریف لائے، اور ناقہ قصواء پر ہی حاضرین سے خطاب فرمایا۔(۲)

کنزالعمال (۳) میں بروایت اُمّ حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا منقول ہے کہ "میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجتہ الوداع میں شریک تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے ہیں، نیز حضرت بلالؓ حضرت رسول اللہ ﷺ کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنا کپڑا تانے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے "جمرۃ العقبہ" میں رمی فرمائی پھر آپ ﷺ لوٹے اور لوگوں کے انتظار میں ٹھہرے، اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی چادر مبارک اپنی بغل کی جانب سے بائیں کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کجاوہ کے دائیں جانب ایک بہت بڑا مجمع ہے، حضرت امّ حصینؓ فرماتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل خطاب فرمایا، آخر میں فرمایا، اَللّٰھُمَّ اشھدُ (اے اللہ تو گواہ رہ) ھل بلغت (کیا میں نے حق رسالت ادا کر دیا؟)

اور زادالمعاد (۴) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

۱۔ ابن قیم الجوزی / زادالمعاد فی ھدی خیر العباد ۲ / ۳۰،
۲۔ مسلم / صحیح مسلم / ۳۹۴،
۳۔ علی متقی الھندی / کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۴، ۵ / ۱۶۶،
۴۔ ابن قیم / زادالمعاد ۳ / ۹۴،

رسول اللہ ﷺ پر سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے جان لیا کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا، پس آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کو طلب فرمایا، چنانچہ اس کو سواری کے لئے تیار کیا گیا، (آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر مقام عرفہ میں تشریف لائے) جب لوگوں کا اجتماع ہو گیا تو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا!

کنز العمال (۱) میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے دوران ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی جدعاء (مقطوع الاذن) پر سوار تھے، پس آپ ﷺ نے دونوں پاؤں رکاب میں داخل فرمائے، تاکہ آپ ﷺ اونچے ہو جائیں اور لوگ بات سن سکیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، الا تسمعون ؟ کیا آپ تمام لوگ سن رہے ہو اور اپنی آواز کو بلند فرمایا اور ارشاد فرمایا! (۲)

"الحمد لِلّٰه نحمده ونستعينه و نستغفره ونتوب اليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدالله فلا مضلّ له، ومن يضلِله فلا هادى له، واشهد ان لّا اله الّا الله وحده لا شريك له، واشهد ان محمداً عبده ورسوله،

أوصيكم عبادالله بتقوى الله، و أحثكم على طاعته و استفتح بالذى هو خير،

امّا بعد: ايهاالنّاس! اسمعوا قولى تعيشوا أبين لكم فانى لا ادرى لعلىّ لا ألقا كم بعد عامى هذا فى موقفى هذا أبداً،

ثم ذكر المسيح الدجال فأطنب فى ذكره، ثمّ قال! ما بعث الله من نبى الا قذأ نذره امّته، لقد انذره نوح امته والنبيون من بعده وانه يخرج فيكم فما خفى عليكم من شأنه فلا يخفى

۱۔ علی متقی الہندی / کنز العمال ۵ / ۱۶۶،

۲۔ مینار دانش / خطبہ حجۃ الوداع، مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی سلسلہ اشاعت نمبر (۹۶۵)

عليكم انه اعور عين اليمنى، كانها عنبة طافية، ألا ماخفى عليكم من شأنه، فلا يخفينّ أن ربكم ليس بأعور، فلايخفيّن ان ربكم ليس بأعور،

ايّهاالنّاس! اى يوم هذا؟ قالوايوم حرام، فقال فأىّ بلدهذا؟ قالو ابلد حرام، قال فاىّ شهر هذا؟ قالو اشهر حرام، قال : فان دماكم، و اموالكم و أعراضكم و أبشار كم و اولادكم حرام عليكم الى ان تلقوار بكم كحرمة يومكم هذا، فى شهر كم هذا، فى بلد كم هذا وانكم ستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، ألا هلا بلّغت؟ قال قالنا: نعم، قال : اللّٰهم اشهد،

فمن كانت عنده امانة فليؤد ها الى من ائتمنه عليها، الدين مقضى، والعارية موداة، والمخةمر دودة، والزّ عيم غارم، الا كلّ شئى من أمرالجا هلية موضوع تحت قدمى، وان كلّ ربا موضوع و لكم رؤس أموا الكم، لا تظلمون ولا تظلمون، قضى اللّٰه انه لا ربا، و ان اوّل رباً ابدأبه ربا عمىّ العباسؓ بن عبدالمطّلب، وان دماء الجاهلية موضوعة وانّ اوّل دم نبدأ به دم عامر بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطّلب، و كان مسترضعاً فى بنى ليث، فقتله هذيل.

الا ان مآثر الجاهلية وان كل دم ؤماء و مال بدعى به كانت فى الجاهلية فهو موضوعة تحت قدمى هاتين غير السّدانة والسّقاية، والعمد قودوشبه العمد ماقتل بالعصٰى و الحجر وفيه مأة بعير، فمن زاد فهو من أهل الجاهليّة، الا هل بلّغت؟ اللّٰهم فاشهد.

يا معشرقريش: لا تجيوا بالدنيا تحملو نها على رقا

بکم ویجیء النّاس بالآ خرة فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئا۔

یا معشر القریش! ان اللّٰه قد اذھب عنکم نخوة الجاھلیّة و تعظمھا بالآ باء،

ایّھاالنّاس ! ربّکم واحدو ان اباکم واحد، کلّکم لآدم و آدم من تراب، (ثم تلا) یا ایّھاالنّاس انّا خلقنکم من ذکر وانثیٰ، وجعلنکم شعو باًوقبائل لتعارفوا، انّ اکرمکم عنداللّٰه اتقاکم، انّ اللّٰہ علیم خبیر، ولیس لعربیّ فضل علی عجمیّ، ولا لعجمیّ فضل علی عربیّ، ولا اسود علی أحمر ولا احمر علی أسود إلا بالتقوی، الا ھل بلّغت؟ اللّٰھم فاشھد، قالو انعم۔

ایّھاالنّاس! قدئیس من الشیطان ان یعبد فی أرضکم ھذہ ابداً، ولکنہ قد رضی ان یطاع فیما سوی ذالك ممّا تحقرّون من اعمالکم فا حذ روہ علی دینکم،

ایّھاالنّاس! انما النّسئی زیادة فی الکفر یضل بہ الذینّ کفروا یحلونہ عاماً و یحرّ مونہ عا مالیو اطؤا عدة ماحرم اللّٰہ فیحلّوا ماحرّم اللّٰہ و یحر مواما احل اللّٰہ، کانو ایحلّون صفرعاماً، و یحرّمو ن المحرّم عاً مافذالك النسئی،

وانّ الزّمان قد استداز کھیئة یوم خلق اللّٰہ السّمٰوٰت والأرض وانّ عدّة الشّھورعند اللّٰہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللّٰہ یوم خلق السّمٰوٰت والارض، منھا اربعة حرم، ثلاثة متوالیات، و واحد فرد: ذوالقعدة وذوالحجة، والمحرّم، و رجب الذی بین جمادی و شعبان، ذالك الدین القیم فلا تظلموا انفسکم، الا ھل بلّغت؟ اللّٰھم فاشھد،

ایّھاالنّاس ! ان النسا ئکم علیکم حقاً ولکم علیھن ان لّا یوطئن فرشکم غیر کم تکرھونہ ولا ید خلن احداً تکرھونہ

بیوتکم الا با ذنکم، ولا یاتین بفا حشة بینه، ولا یعضین فی معروف، فإن خفتم نشوزهن، فان اللّٰه قد اذن لکم ان تعظوهن، و تعضلومن تهجر و هن فی المضاجع و تضر بوهن ضرباً غیر مبرح، نان انتهین، واطعنکم فعلیکم رزقهنّ، وکسوتهنّ بالمعروف،

و انّما النساء عند کم عوان لا یملکن لأ نفسهن شیئاً، وانکم انما اخذ تموهن بأ مانة اللّٰه ، و استحللتم فروجهن بکلمات اللّٰه، فاتقوا اللّٰه فی النّساء، واستو صوا بهنّ خیرا.،

ارقّاء کم ارقّاء کم، اطعموهم مماّ تأکلون، و اکسوهم مما تلبسون، وان جاء و ابذنب لا تریدون ان تغفروه، فبیعوا، عباداللّٰه، ولا تعذّ بوهم، الا هل بلّغت؟ اللّٰهم فاشهد.

یا ایّهاالنّاس! اسمعوا، و اطیعوا وان اُمر علیکم عبد حبشیّ مجدّع اقام فیکم کتاب اللّٰه ،

فا عقلوا ایّهاالنّاس! و اسمعوا قولی فإنی قد بلّغت، و قد ترکت فیکم امراً بیناً ما ان اعتصتم به، فلن تضلوا ابداً، کتاب اللّٰه و سنة نبیّة فا عملوابه،

ایّها النّاس! اسمعوا قولی فانی قد بلّغت و اعقلوه تعلمن ان کلّ مسلم أخوا المسلم و انّ المسلمین اخوة، فلا یحلّ لا مری مال اخیه الا ما أعطاه عن طیب نفس منه، فلا تظلمن انفسکم، الأ لا یحلّ لا مرأة ان تعطی من مال زوجها شیئاً الّا بإذنه، الا هل بلّغت؟ اللّٰهم فاشهد،

الا فلا ترجعّن بعدی کفاراً، یضرب بعضکم رقاب بعض، الا هل بلّغت؟ اللهم فاشهد،

ایّهاالنّاس ان اللّٰه قداذّیٰ الی کلّ ذی حق حقّه و انّ

الله قد قسّمٌ لِكلّ وارث نصيبه من الميراث، ولا يجوزلوارث وصية ولا يجوزفي أكثر من الثلث،

الا وانّ الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله،

الا ومن ادّعي الى غيرابيه اوتولّي غير مواليه رغبة عنهم فعليه لعنة الله و الملآئكة والنّاس اجمعين، لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلا،

الا لا يجني جان الّا على نفسه ألا لا يجن جان على ولده ولا مولود على والده،

ايها النّاس انّه لا نبيّ بعدى ولا أمة بعدكم (وفى مجمع الزوائد) الا كلّ نبيّ قد مضت دعوته الّا دعوتي فاني قد دخرتها عند ربى الى يوم القيامة، فإنّ الأ نبياء مكاثرون فلا تخروني، فاني حابس لكم على باب الحوض،

الا فا عبدوا ربكم، وصلّوا خمسكم، و صوموا شهركم، و ادّوازكاة اموالكم طيبة بها انفسكم (وفي رواية) و تحجون بيت ربّكم، و اطيعوا ولاة امركم تد خلو اجنة ربكم،

قالا و امرنا بالصّدقة فقال تصدّ قوافاني لا أدرى لعّلكم لا تروني بعد عامي هذا،

روقت لأ هل اليمن يلملم ان يهلّوا منها و ذات عرق لأ هل العراق اوقال لأ هل المشرق،

انبئكم من المسلم؟ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، انبئكم من المؤمن؟ المؤمن من أمنه المسلمون على أنفسهم و اموالهم، أنبئكم من المهاجر؟ المهاجر من هجرالسيئات مماحرمّ الله عليه، و المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله،

والمؤمن حرام على المؤمن كحرمة هذا اليوم لحمه عليه حرام ان يأ كله بالغيبة وأذاه عليه حرام أن يؤذيه، وعليه حرام أن يرفعه دفعة تعنية، يفتا به و عرض عليه حرام ان يخرقه، ...... ووجهه عليه حرام ان يلطمه،

لا تالو على الله فإنه من تالى على الله أكذبه الله .،

وانّى مسؤل و انكم مسؤلون، وانتم تسألون عنّى فما أنتم قائلون؟ قالوا: نشهدانّك قد بلّغت، و اديّت، و نصحت، فجزاك الله خيراً، قال الستم تشهدون ان لا اله الّا الله وانّ محمّدا عبده و رسوله، وان جنّة حقّ، و ناره حقّ، و انّ الموت حقّ، و انّ الساعة آتية لا ريب فيها وانّ الله يبعث من فى القبور، قالو انشهد بذلك، فقال باصبعه السّبابة يرفعها الى السّماء، و ينكتها الى النّاس اللّهم اشهد، ثلث مرّات،

ثمّ قال ايّهاالنّاس انى فرطكم و أنتم و اردون على الحوض، حوض عرضه مابين بصرى و صنعاء فيه عد دالنجّوم قد حان من فضة، وانى سائلكم حين تردون علىّ عن الثّقلين فانظروا كيف تخلفونى، فيهما الثقل الأ كبر كتاب الله سبب طرفه بيد الله، وطرف بايد يكم فتمسّكوا به لا تضلو اولا تبدلوا، و عترتى اهل بيتى و انّه قد نبّانى اللّطيف الخبير انهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض،

انّ الصّدقة لا تحلّ لى ولا لأ هل بيتى اخذ و برة من كاهل ناقته فقال لا والله ولا مايساوى هذا و مايزن هذا،

وقال فليبلغ الشّاهدا لغائب فلعلّ بعض من يبلّغه انّ يكون ادعىٰ له من بعض من سمعه، الا هل بلّغت،

والسّلام عليكم ورحمة الله ،

وعن الشعبی قال! نزلت علی النبی صلی اللہ علیه وسلم "الیوم اکملت لکم دینکم، واتممت علیکم نعمتی، و رضیت لکم الإسلام دینا"، قال نزلت وہو واقف بعرفه حین وقف موقف ابراهیم، و اضحل الشرك، وهدمت منار الجاهلیة، ولم یطف بالبیت عریان (۱)

☆☆......۱۔ صبار دانش / خطبہ حجۃ الوداع، مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی، سلسلہ اشاعت نمبر (۹۶۵)

☆ بخاری / صحیح بخاری، طبع دہلی، ۲۳۴/۱۔

☆ مسلم / صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۳۹۴/۱۔۴۰۰۔

☆ ابوداؤد / سنن ابوداؤد، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ۲۶۲/۱۔

☆ ابن ماجہ / سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ص ۱۹۴۔

☆ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاہرۃ، ص ۲۰/۱۔

☆ احمد بن حنبل / المسند، دار المعارف مصر ۱۹۵۱ء، ۶۱۸۶/۹۔

☆ علی متقی الهندی / کنز العمال فی سنن الأقوال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن ۱۹۵۴ء، ۱۵۹/۵۔۱۶۶۔

☆ حافظ ابوبکر الهیثمی / مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت، ص ۲۶۵۔ ص ۲۷۴۔

☆ ابن قیم الجوزی / زاد المعاد فی هدی خیر العباد، مطبعۃ الأزهریۃ مصر، القاهرۃ ۱۳۶۶ھ

☆ ملا علی القاری / مرقاۃ المفاتیح، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۲۹۸/۵۔

☆ ابن هشام / السیرۃ النبویۃ، دار الفکر بیروت، ۲۵۳/۴۔

☆ ابن جریر الطبری / تاریخ الطبری، دار المعارف مصر، ۱۴۸/۳۔

☆ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ، دار الفکر بیروت، ۱۷۲/۲، ۱۳۷۶۔

☆ ابن الأثیر الجزری / تاریخ الکامل، طبع مصر، ۱۴۶/۲۔

☆ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی / بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ، ص ۲۷۸۔

(مزید مراجع و حوالہ جات آئندہ صفحہ پر دیکھئے)

ترجمہ:

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کی جناب میں ہم توبہ کرتے ہیں، اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ جل شانہ، کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور تمہیں آمادہ کرتا ہوں اس کی اطاعت پر اور میں بہتر بات (حمد و ثنا) سے اپنے کلام کا افتتاح کرتا ہوں۔

(حمد و ستائش کے بعد) لوگو! میری بات سنو تمہیں زندگی ملیگی، میں (آج) تم لوگوں سے صاف صاف باتیں کروں گا، اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور آپ لوگ میرے اس سال کے بعد میرے اس مقام پر آئندہ کبھی باہم جمع نہ ہو سکیں گے (یعنی میرا وصال ہو جائے گا)۔

پھر آپ ﷺ نے مسیح دجال کا طویل ذکر فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا، اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا، چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا، اسی طرح ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امت کو اس

☆ الجاحظ / البیان والتبیین، مطبعہ الاستقامۃ القاہرۃ ۱۹۴۷ء، ۲/ ۲۹۔

☆ جلال الدین السیوطی / الاتقان فی علوم القرآن، مصر القاہرۃ ۱۹۵۱ء، ۱/ ۱۷۸۔

☆ احمد زکی صفوت / جمہرۃ خطب العرب، مصر ۱۹۳۲ء، ۱/ ۱۵۷۔

☆ شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ۲/ ۹۳۔۹۴۔

سے خوف دلایا، بلاشبہ وہ تمہارے درمیان نکلے گا، پس تم پر اس کی کوئی حالت مخفی نہ رہے، پس پوشیدہ نہ رہے تم پر یہ بات کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، گویا کہ وہ آنکھ گردش کرنے والا انگور کا دانہ ہے خبردار! تم پر اس کی کوئی حالت مخفی نہ رہے، (اس کے بعد دو مرتبہ تاکید! فرمایا) کہ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔

لوگو! آج کونسا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا یوم محترم، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ سب نے کہا بلد محترم، اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ سب نے کہا کہ یہ ماہ محترم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تمہارے ابدان اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے جواباً عرض کیا، ہاں پہنچا دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔

جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہیئے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دودھ کے لئے ھدیہ کی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے، اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔

خبردار! تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے، اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جو سود میرے چچا

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں، اور عہدِ جاہلیت کے خون بہا ساقط ہیں اور جو قصاص جاہلیت اپنے خاندان کا وصول طلب ہے، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون بہاء سب سے پہلے میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں (ان کے خون کا انتقام نہیں لیا جائے گا) جو کہ قبیلہ ہو لیث میں زیر پرورش تھے، کہ قبیلہ ھذیل کے آدمیوں نے ان کو قتل کر دیا۔

اور تمام آثار جاہلیت، خوں بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں، البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا، اور قتل عمد پر قصاص ہے اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے، اس میں سو اونٹ کی دیت ہے پس جس نے نقدی کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے، سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے جماعت قریش! یہ نہ ہو کہ (قیامت میں) تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھا کر لاؤ اور لوگ (سامان) آخرت لے کر آئیں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

اے قریشیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرورِ نسب سے پاک کر دیا ہے۔

لوگو! رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے سب کے سب آدم علیہ السلام (کی اولاد ہو) اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے (پیدا کیا گیا ہے) (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ و حواؑ) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا

باخبر ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔

لوگو! حقیقت یہ ہے کہ شیطان قطعی مایوس ہو چکا ہے اس بات سے کہ کبھی اس کی تمہاری اس سرزمین عرب میں پرستش کی جائے لیکن وہ اس بات پر راضی ہے کہ عبادت کے سوا دوسرے ان اعمال میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم (گناہ کے اعتبار سے) معمولی خیال کرتے ہو، اپنے دین کے معاملہ میں اس سے چوکنا رہو۔

لوگو! امن کے مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال تو اس (مہینے) کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو دانے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کرلیں، پس اس طرح جسے اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرتے ہیں اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اسے حرام کر لیتے ہیں (چنانچہ) وہ ایک سال ماہ صفر کو حلال کر لیتے ہیں (اور دوسرے سال حرام) اور ماہ محرم کو ایک سال حرام سمجھتے ہیں (اور دوسے سال حلال)۔

زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر کہ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے (جن کا ذکر) کتاب اللہ میں ہے، آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے، ان میں سے چار مہینہ محترم ہیں تین یکے بعد دیگرے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، اور ایک الگ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے، یعنی دین قیم ہے، پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، سنو کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارا فرش تمہارے غیر سے نہ رندوائیں (بالخصوص جن کو تم برا سمجھتے ہو یہ قید اضافی ہے) اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، الا یہ کہ تمہاری اجازت ہو، اور وہ کوئی کھلی بے حیائی کی بات نہ کریں اور کسی امر خیر میں نافرمانی نہ کریں، پس اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا خوف ہو تو اللہ رب العزت کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ ان کو نصیحت کرو، اور مجبور کرو، اور ان کی خوابگاہوں سے علیحدگی اختیار کرلو، اور انہیں مارو، ایسی مار جو شدید نہ ہو، کہ جس سے نشان پڑ جائے، پھر اگر وہ (کسی مرحلہ میں) باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نان ونفقہ کی حقدار ہیں۔

بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، (یعنی محکوم ہیں) اور بلاشبہ تم نے ان کو بامان اللہ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر اللہ کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہٰذا خواتین کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو)۔

آپ (ﷺ) نے (دو مرتبہ تاکیداً ارشاد فرمایا) اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرو، ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو، اگر وہ ایسا گناہ کر بیٹھیں، جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کردو، اور ان کو عذاب نہ دو، سنو کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

لوگو! اپنے امیر کی بات سنو، اور اس کی اطاعت کرو، اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو مقطوع الانف ہو امیر بنا دیا جائے، جبکہ وہ تمہارے

معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرنے

سمجھ سے کام لو، لوگو! اور میری بات سنو میں نے تم لوگوں تک حق تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا، اور میں تمہارے درمیان روشن چیز چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پس تم ان پر عمل پیرا ہو۔

لوگو! بات سنو بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا۔ اسے سمجھو تاکہ تم جان لو، کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دیدے، خبردار! کسی عورت کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دیدے، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

خبردار! میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا، اس طرح کہ تم میں سے بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی گردن کاٹنے لگیں، سنو کیا میں نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے بنی آدم! اللہ جل شانہ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے میراث کا حصہ مقرر فرمایا ہے اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں (یعنی اب کوئی شخص اپنے وارث کے لئے میراث کے معاملہ میں کوئی وصیت نہ کرے، ورثاء کو ان کے مقررہ حصہ شرعی کے مطابق حصہ ملے گا) اور (کسی شخص کے لئے کسی غیر وارث کے حق میں) اپنے تہائی مال کی مقدار سے زائد کی وصیت جائز نہیں۔

خبردار! بچہ اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، اور زانی کے لئے پتھر ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

سنو! جس نے نفرت کے باعث اپنے باپ کے علاوہ کسی اور

شخص کی جانب خود کو منسوب کیا (یعنی قوم نسبت تبدیل کی) یا کسی غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بنایا، اس پر خدائے تعالیٰ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائیں گے۔

غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار! مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت وجود میں آئے گی، سنو! بلاشبہ میری دعوت کے سوا ہر نبی کی دعوت ختم ہو چکی کہ میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لئے جمع فرمادیا ہے (یعنی اب کسی اور کو عطا نہ ہو گی) یہ حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام (قیامت کے دن) کثرتِ تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھ کو (اپنی بداعمالی سے) رسوا مت کرنا، میں حوضِ کوثر کے دروازے پر تمہارے انتظار میں رہوں گا۔

سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، (اور ایک روایت میں ہے) اور اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرو، اور سربراہوں کی اطاعت کرو، اور اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

راوی نے فرمایا کہ (اسی خطبہ میں) آپ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم فرمایا، پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صدقہ کرو اس لئے کہ ...... شاید تم مجھ کو میرے اس سال کے بعد ...... نہ دیکھ سکو (میرے ہی سامنے صدقہ کردو تاکہ میں تمہارا گواہ بن جاؤں)۔

اور آپ ﷺ نے اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا، کہ وہ اس مقام سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ کر چلیں، اور اہل

عراق کے لئے ذات عرق کو میقات قرار دیا، یا اہل مشرق کے لئے، (راوی کو اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ آپ ﷺ نے اہلِ عراق فرمایا، یا اہلِ مشرق)۔

میں تم کو آگاہ کرتا ہوں، مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، میں تم کو خبر دیتا ہوں مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے باب میں مامون رہیں، اور میں تم کو بتاتا ہوں مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ برائیوں کو ترک کر دے، اور مجاھد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔

اور مومن کی ذات (جان و مال) مومن پر حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مومن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے، اور مومن کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو طمانچہ مارے، اور مومن کی ایذا، اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو ایذا دے، اور حرام ہے اس پر کہ وہ مومن کو تکلیف رسانی کے لئے اس کو دھکا دے۔

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ڈال کر قسمیں نہ کھاؤ (مثلاً یہ کہ قسم ہے اللہ کی وہ ضرور فلاں کام کرے گا) اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی اور تم سے میرے (پیغام رسانی کے) بارے میں سوال کیا جائے گا، بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سامعین نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے، کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچا دیے، اور تبلیغ کا (رسالت کا) حق ادا کر دیا۔ اور نصیحت و خیر خواہی کی تکمیل فرما دی، پس آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے (پھر) سوال فرمایا: کیا تم اس

بات کے گواہ نہیں ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم برحق ہے، اور موت برحق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زندہ کرے گا، حاضرین نے جواب دیا کہ ہاں ہم ان باتوں کے گواہ ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں حوضِ کوثر پر تم سے پہلے پہنچنے والا ہوں اور تم بھی اس حوض پر پہنچو گے، وہ ایسا حوض ہے کہ اس کی وسعت بصرہ سے مقام صنعاء کے مابین مسافت کے برابر ہے، اس پر ستاروں کی مقدار کے برابر چاندی کے گلاس ہیں، اور جس وقت تم حوضِ کوثر پر آؤ گے تو میں ثقلین (کتاب و سنت) کے متعلق تم سے سوال کروں گا، پس سوچ لو کہ تم ان دونوں کے باب میں کیسی جانشینی کرو گے، ثقل اکبر، کتاب اللہ ہے اور اس کے ایک کنارہ کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے، پس اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو، راہِ راست سے نہ ہٹو، اور نہ اس کو تبدیل کرو، اور میرے عترت میرے اہل بیت ہیں اور خدائے لطیف و خبیر نے مجھے آگاہ فرمادیا ہے کہ وہ دونوں (کتاب و عترت) کبھی جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر وارد ہوں۔

بلاشبہ صدقہ و (زکوٰۃ) نہ میرے لئے حلال اور نہ میرے اہل بیت کے لئے (اور بطور مثال و تاکید) آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی گردن کے متصل پیٹھ سے ایک بال پکڑا اور فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ اس بال کے برابر ہم وزن زکوٰۃ بھی ان کے لئے جائز نہیں۔

اور ارشاد فرمایا! کہ جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہے ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو، سنو! کیا میں نے خدائے تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟

تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حضرت شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر اس وقت آپ ﷺ کے اسی قیام عرفہ کے دوران یہ آیت نازل ہوئی۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

(آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے بطور طریق زندگی اسلام سے راضی ہو گیا) اس وقت عالم یہ تھا کہ شرک مضمحل ہو چکا تھا، اور کسی شخص نے (زمانہ جاہلیت کی روش پر) پر کعبۃ اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہیں کیا۔
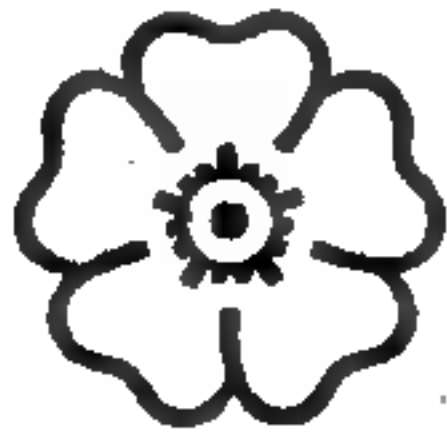
خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت و عظمت

۱۔ تاریخی اور قانونی اہمیت

یورپ کے مشہور مورخ اور فلسفی لارڈ ایکٹن (Lord J.E.D. Acton 1834-1902) ۱۸۳۴ء میں نیپلس میں پیدا ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں ٹیگر نسی میں اس کی وفات ہوئی، یہ ویسٹ جرمنی میں واقع ہے۔ تاریخ اور فلسفہ میں اس نے شہرت حاصل کی۔ وہ سیکولر تاریخ اور نفسیات کے ماہر سمجھے جاتا ہے۔ اس کا ایک غیر دانشمندانہ مقولہ ہے کہ اقتدار آدمی کو بگاڑ تا ہے اور مل اقتدار بالکل ہی بگاڑ دیتا ہے۔ (۱)} نے فرانس کے منشور انسانی حقوق "Declaration of the Rights of Man" کے متعلق کہا تھا

"کاغذ کا یہ ٹکڑا (پرزہ) دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی قشون قاہرہ سے زیادہ پرشکوہ ہے۔"

ایکٹن (Acton) کی یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں، لیکن محسن انسانیت ﷺ کے "خطبہ حجۃ الوداع" کے متعلق یہ کہنا کہ !

آسمان نے روز و شب کی ہزار کروٹیں بدلیں لیکن احترام انسانیت اور حقوق انسانی کے لئے اس سے زیادہ پُردرد اور پُرخلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

عہد حاضر کے نامور غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (جنرل گلپ پاشا) (John Bagot Gloob Pasha) سیرت طیبہ (ﷺ) پر اپنی کتاب (The Life And Timese of Muhammad) میں لکھتا ہے!

☆☆......۱۔ الرسالہ پاکستان، اگست ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۔

"حضور ﷺ کا یہ آخری حج تھا، مارچ ۶۳۲ء کو یہ حج ادا ہوا، یہ حج اپنی نوعیت میں ایک امتیازی نشان لئے ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ بھی اس تاریخی موقعہ پر کہا اس کا اعادہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اس کی اتباع ہمیشہ ہوتی رہے گی، مورخین نے حضور ﷺ کے اس تاریخی خطبہ کو محفوظ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر تاریخی خطبہ دیا اس میں سود کی حرمت، خانگی جائیداد (پر انفرادی) ملکیت کا حق، قبیلہ اور خون کی بنیاد پر ایک دوسرے کا خون نہ بہانا، سال کبیسہ کی منسوخی، قمری مہینوں کا استعمال، عورتوں سے تلطف اور مہربانی کا سلوک، مردوں کو یہ ہدایت کہ بیویاں اللہ کی امانت ہیں اور ان سے سلوک کا حساب اللہ کو دینا ہو گا۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو بھائی سمجھنا، نسلی غرور کی مذمت کے تعلق سے ارشاد فرمایا، اپنے خطبہ کے اختتام پر حضور ﷺ نے سامعین سے سوال کیا!

"کیا میں نے تم کو وہ سب باتیں نہیں کہہ دیں جن پر تم کو عمل پیرا ہونا چاہئے؟ کیا میں نے اپنے فرض کو پورا نہیں کر دیا؟ لوگوں نے بآواز بلند جواب دیا! ہاں خدا آپ ﷺ نے اپنے فرض کو پورا کر دیا۔

حضور ﷺ نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف کیں اور فرمایا!

اے خدا تو گواہ رہنا۔ (۱)

☆☆......۱۔ جان بیگٹ / محمد رسول اللہ (ﷺ)،

The life and Timese of Muhammad

ترجم: حبیب حیدر آبادی، سٹیزن پبلشرز کراچی، ص ۵۸۲

۲۔ دعوتی، تبلیغی اور تربیتی اہمیت :

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ مدینہ منورہ سے اس غرض سے روانہ ہوئے کہ حج بیت اللہ کریں گے، مسلمانوں سے ملیں گے، ان کو دین کی تعلیم دیں گے اور مناسک حج سکھائیں گے، حق کی شہادت دیں گے، ان سے عہد و پیمان لیں گے، جاہلیت کے آخری آثار و نشانات کو مٹائیں گے اور قدموں سے پامال کریں گے۔

"حجۃ الوداع" ہزار وعظ اور ہزار درس و تعلیم کا قائم مقام تھا، یہ دراصل ایک چلتا پھرتا مدرسہ، ایک متحرک مسجد، ایک گشتی چھاؤنی تھی، جہاں ایک جاہل علم سے آراستہ ہوتا، غافل اپنی غفلت سے بیدار ہوتا، ست و کاہل چست اور چالاک اور کمزور طاقتور بنتا، ایک ابر رحمت، سفر و قیام ہر حالت میں اور ہر وقت ان پر سایہ فگن رہتا، یہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی، محبت و شفقت اور آپ ﷺ کی تربیت و نگرانی کا ابر رحمت تھا۔(۱)

رومانیہ کے مشہور غیر مسلم ادیب و سیرت نگار کونسٹن ویژریل جارج "خطبۂ حجۃ الوداع" کی دعوتی و تبلیغی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

> "جب ہم یہ خطبہ پڑھتے ہیں تو باوجود یہ کہ ہم یوروپی ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز ہم نے نہیں سنی اور نہ ہم اس مقام پر اس مجمع میں موجود تھے پھر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو ان لوگوں کا کیا کہنا جو اس روز جبل الرحمۃ میں حضرت محمد ﷺ کی آواز سن رہے تھے اور آپ ﷺ کی طرز ادا کو دیکھ رہے تھے، دراں حال یہ کہ عرب میں کلام کی قدر و قیمت بہت زیادہ تھی اور عربوں کی روح سی ایسی چیز استنباط کرتی تھی کہ شاید ہم آج اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

☆☆......۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت ص ۵۰۹، ص ۵۱۰،

موصوف مزید لکھتے ہیں!

اسلام میں اس خطبہ کا بہت اثر رہا ہے اور آج بھی ہے۔ (۱)

حقوق انسانی کا منشور اعظم

خطبۂ حجتہ الوداع :

آج دنیا میں ہر طرف حقوق انسانی کا چرچا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ تمام باتیں نقاب کی مانند ہیں جس کے نیچے دنیا کے گوشہ گوشہ میں قدر حریت شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔

تہذیب حاضر نے انسانیت پر ظلم وستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں کہ جن کی مثال تاریخ عالم کا کوئی تاریک تاریک صفحہ پیش نہیں کر سکتا۔

جو قومیں حقوق انسانی (Human Rights) کے بلند بانگ دعوے رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔ (۲)

انسانیت کے محسن اعظم، سید عرب و عجم، ہادیٔ عالم حضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی ﷺ کا "خطبۂ حجتہ الوداع" بلا خوف تردید حقوق انسانی کا اوّلین، جا ترین، ہمہ گیر، اور رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کے لئے بلا تفریق رنگ و نسل مذہب وملت مثالی، ابدی اور عالمی منشور ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کا یہ تاریخ ساز خطبہ نہ کسی سیاسی مصلحت کی بنیاد اور نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار۔ یہ حقوق انسانی کے اولین اور مثالی علمبردار انسا

☆☆......۱۔ گونسٹن ویرڈیل جارج ر محمد رسول اللہ (ﷺ)، ترجمہ عبدالصمد ص الازہری مکتبہ معین الادب لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۴۔

۲۔ خلیق احمد نظامی ر احترام انسانیت، سیارہ ڈائجسٹ لاہور، رسول (ﷺ) نمبر ۱ ر ۲۵ نومبر ۱۹۷۳ء۔

کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت کے نام آخری اور دائمی پیغام تھا۔ جس میں "انسانی حقوق" کے بنیادی خطوط کی رہنمائی کرتے ہوئے "انسانی حقوق" کا وہ مثالی، ابدی، جامع اور ہمہ گیر منشور عطا کیا گیا جس پر انسانیت جتنا فخر و ناز کرے کم ہے۔

عہد حاضر کے معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں!

"خطبہ حجتہ الوداع" مسلمانوں کی تاریخ و تمدن میں ایک منشور انسانیت کا کام دیتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے!

ہر شخص کے تین بنیادی حقوق یعنی جان، مال اور آبرو محفوظ اور قابل احترام ہیں......!

☆☆...... امانت اور قرض واپس ادا کئے جائیں۔

☆☆...... زمانہ جاہلیت کا سود ممنوع کیا جاتا ہے اور فی الوقت واجب الادا سود بھی نہیں دلائے جائیں گے، صرف اصل واپس ملے گا۔ خود آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے سود بھی کالعدم کئے جاتے ہیں۔

☆☆...... زمانہ جاہلیت میں کئے ہوئے خون لوگ اب بھول جائیں اور ان کے بدلے اور انتقام کا خیال نہ کریں۔ خود آنحضرت ﷺ اپنے چچا زاد بھتیجے کا خون معاف کرتے ہیں۔

☆☆...... قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا اور شبہ عمد میں سو اونٹ خون بہا دیا جائے گا، سال کبیسہ کی تقویم برخاست کی جاتی ہے اور قمری سن رائج کیا جاتا ہے جس میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

☆☆ — میاں اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ شوہر کا حق یہ ہے کہ بیوی پاک دامن رہے اور ان لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دے جن کو شوہر ناپسند کرتا ہے، بیوی کا حق

یہ ہے کہ شوہر اسے اچھا کھلائے اور پہنائے، عورتیں ایک امانت ہیں ان سے سلوک میں خدا سے ڈرو اور اچھا برتاؤ کرو۔

☆☆...... سب مسلمان باہم بھائی ہیں بلا رضامندی کوئی کسی کا مال نہ لے اور نہ آپس میں لڑائی کرے۔

☆☆...... میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کو تھامے رہو گے تم بھٹکو گے نہیں قرآن اور سنت ہیں، اور میں تمہیں اپنے اہلبیت سے سلوک کے متعلق بھی تاکید کرتا ہوں۔

☆☆...... سب لوگوں کا رب ایک ہے اور سب انسانوں کا باپ بھی ایک ہی ہے۔ تم آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا کے نزدیک تم میں سے محترم ترین وہی ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہو ورنہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔

☆☆...... وراثت کے لئے حصے خدا نے مقرر کر دئے ہیں وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی روا نہیں۔

☆☆...... بچہ فراش (عورت؟) کا ہو گا اور زانی کو پتھر ملیں گے۔

☆☆...... نسب اور ولاء میں جھوٹے دعوے اور کوششیں ایک ملعون فعل ہیں۔(۱)

خطبۂ حجۃ الوداع کے تاریخی نام

۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ / ۶ مارچ ۶۳۲ء کو انسانیت کے محسن اعظم، حضرت محمد ﷺ نے میدان عرفات میں جہاں عرب کے گوشہ گوشہ سے جاں نثاران

☆☆...... ۱۔ محمد حمید اللہ / عہد نبوی (ﷺ) میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۰۔۱۸۱۔

نبوت، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین شرف ہمرکابی اور زیارتِ نبوی ﷺ کے جذبہ لافانی کے تحت امنڈ پڑے تھے۔ تاحدِ نظر انسانوں کا ایک موجیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ انسانی تاریخ کے ان بے مثل پروانوں اور بے نظیر فداکاروں سے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تیس ہزار مقدس نفوس پر مشتمل تھی خاتم الانبیاء ﷺ نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں عظیم الشان اور تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا جو ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے موسوم ہے۔

اور اسے اس کی تاریخی اہمیت، قدر و منزلت اور جلالت شان کے باعث ''حجۃ الاسلام''(۱) حجۃ البلاغ'' (۲) ''حجۃ التمام'' اور ''حجۃ الکمال'' کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۳)

خطبہ حجۃ الوداع کی حقوق انسانی سے متعلق دفعات:

ذیل میں ''خطبہ حجۃ الوداع'' کی ''حقوق انسانی'' سے متعلق دفعات اور تعلیمات کو اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے، اس کے بعد ہر ایک دفعہ پر اس کی آئینی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر عہد جاہلیت (اسلام سے قبل عرب معاشرہ) قدیم تہذیب و تمدن، مذاہب عالم، نیز تہذیب جدید بالخصوص تہذیب مغرب کی تعلیمات کی روشنی میں تاریخی اور تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا، تاکہ ''حقوق انسانی'' کے اس مثالی اور ابدی منشور ''خطبہ حجۃ الوداع'' کی تاریخی اہمیت، حقیقت اور عظمت کا اندازہ کیا جاسکے۔
ذیل میں ''خطبہ حجۃ الوداع'' کی حقوق انسانی سے متعلق دفعات ہدیۂ ناظرین ہیں: بعد حمد و ستائش!

- ...... لوگو! میری بات سنو تمہیں زندگی ملے گی، میں آج تم لوگوں سے صاف صاف باتیں کروں گا۔ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور تم اس

☆☆...... ۱۔ ''حجۃ الوداع'' کو ''حجۃ الاسلام'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرضیت حج کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اس کے علاوہ کوئی حج نہیں فرمایا۔ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ ص ۱۴۷،)

☆...... محمد ادریس کاندھلوی رسیرت المصطفیٰ، ۲ر۲۴۰،

۲۔ ''حجۃ البلاغ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس میں مسائل حج کی قولاً و فعلاً تبلیغ فرمائی۔ (محمد زکریا کاندھلوی رحجۃ الوداع و عمرات النبیؐ، ص ۱۴۷)

۳۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ربذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ۲۷۸،

سال کے بعد اس مقام پر آئندہ کبھی جمع نہ ہو سکیں گے۔ (میرا وصال ہو جائے گا)

❁ ...... لوگو! آج کون سا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا یوم محترم، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں، تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے قابل احترام ہیں۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔ اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن، تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے، بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں بازپرس کرے گا۔
سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا؟ (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے جواب دیا کہ ہاں پہنچادیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اے اللہ گواہ رہ۔

❁ ...... جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہئے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دودھ کے لئے ھدیۃً لی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے۔ اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔

❁ ...... خبردار! تمام امور جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے۔ اور تمہیں اصل پونجی لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جو سود میرے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں تمام کا تمام ختم کرتا ہوں، اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط ہیں اور جو قصاص جاہلیت اپنے خاندان کا وصول طلب ہے یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا، سب سے پہلے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں (ان کے خون کا انتقام نہیں لیا جائے گا)، جو کہ قبیلہ بنولیث میں زیر پرورش تھا کہ قبیلہ ھذیل کے آدمیوں نے اسے قتل کردیا

❁ ...... اور تمام آثار جاہلیت خون بہا، پانی، اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ، سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا۔ اور قتل عمد پر قصاص ہے۔ اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو

اونٹ کی دیت ہے۔ پس جس نے تعدی (زیادتی) کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے

❁ ...... اے گروہ قریش!
بے شک! اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرور و نسب سے پاک کر دیا ہے۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ و حواؑ) سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔

❁ ...... آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ ❁ ...... اے لوگو!
تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے ...... بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، اور بلاشبہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر خدا کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہٰذا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو (ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو)۔

❁ ...... آپ ﷺ نے دو مرتبہ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا!
اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ اگر وہ ایسا گناہ کر بیٹھیں جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کر دو، اور ان کو عذاب نہ دو۔

❁ ...... لوگو! میری بات سنو!
بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فریضہ ادا کر دیا، اسے سمجھو تاکہ تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں، الا یہ کہ وہ خوش دلی سے

اسے کچھ دیدے۔

■ ...... اے بنی آدم! اللہ جل شانہ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے حصہ مقرر فرمادیا ہے۔ ● ...... آگاہ رہو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار کوئی مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو، اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔

میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مؤمن کون ہے؟ مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے باب میں مامون رہیں، اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کردہ برائیوں کو ترک کردے۔ اور مجاھد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔

اور مؤمن کی ذات (جان و مال) مؤمن پر حرام ہے، جیسے اس دن کی حرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مؤمن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے۔ اور مؤمن کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو طمانچہ مارے، اور مؤمن کی ایذاء اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو ایذاء دے، اور حرام ہے اس پر کہ وہ مؤمن کو تکلیف رسانی کے لئے اس کو دھکا دے۔ ● ...... اور ارشاد فرمایا کہ!

جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہیں، ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔ سنو! کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟

تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔(۱)

☆☆ ...... ۱۔ صبار دانش / خطبۂ حجۃ الوداع مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی، سلسلہ اشاعت نمبر (۹۶۵)۔

☆۔ "خطبۂ حجۃ الوداع" کا متن اور مختلف جملے گوناگوں فرامین نبوی ﷺ پر مشتمل اور مختلف راویوں سے مروی ہے اور یہ عظیم الشان خطبۂ سیرت، تاریخ، تذکرہ اور حدیث کی مختلف کتابوں میں منتشر ملتا ہے۔ یہاں محترم صبار دانش کے مرتب کردہ "خطبۂ حجۃ الوداع" پر جو انہوں نے مختلف کتابوں سے مدوّن کیا ہے پر اعتماد کیا گیا ہے۔

بابِ اوّل

اسلام اور انسانی حقوق

باب اول

(الف)

قرآنِ کریم اور انسانی حقوق

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خُدا کا
وہی دوست ہے، خالقِ دوسرا کا خلائق سے ہے جس کو رشتہ وِلا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

انسانی طرزِ عمل انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کیا ہونا چاہئے؟ قرآن کریم اس کے جواب میں زندگی کی پوری اسکیم کا عملی نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

☆...... اس اسکیم کا ایک حصہ ہماری اخلاقی تعلیم و تربیت ہے جس کے مطابق افراد کی سیرت اور ان کے کردار کو ڈھالا جاتا ہے۔

☆...... اس اسکیم کے مطابق ہماری معاشرتی اور سماجی نظام تشکیل پاتا ہے جس میں مختلف قسم کے انسانی تعلقات کو منضبط کیا جاتا ہے۔

☆...... اس اسکیم کا ایک حصہ ہمارے معاشی اور اقتصادی نظام کی شکل میں سامنے آتا ہے جس کے مطابق ہم دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور اس پر لوگوں کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔

☆...... اور اس اسکیم کا ایک جز ہمارا سیاسی نظام ہے جس میں اس اسکیم کو نافذ کرنے کے لئے سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے۔

اس پوری اسکیم کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کے نظام کو معروفات پر قائم کرنا اور منکرات سے پاک کرنا ہے۔ یہ اسکیم سوسائٹی کے پورے نظام کو اس طرز پر ڈھالتی ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ایک ایک بھلائی اپنی پوری پوری اصل صورت میں قائم ہو۔ ہر طرف اس کو پروان چڑھنے میں مدد ملے اور ہر وہ رکاوٹ جو کسی طرح اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے، دور کی جائے۔ اسی طرح فطرت انسانی کے خلاف ایک ایک برائی کو چن چن کر زندگی سے نکالا جائے۔ اس کی پیدائش اور نشوونما کے اسباب دور کئے جائیں۔ جدھر جدھر سے زندگی میں داخل ہو سکتی ہے، اس کا راستہ بند کیا جائے اور اس سارے انتظام کے باوجود اگر وہ سر اٹھا ہی لے تو اسے سختی سے دبا دیا جائے۔

معروف و منکر کے متعلق یہ احکام ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ اسکیم ایک صالح نظام زندگی کا پورا نقشہ دیتی ہے اور اس غرض کے لئے فرائض اور حقوق کا ایک پورا نظام ہے، ایک مکمل نقشہ ہے، ایک پوری اسکیم ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ اعضائے جسمانی کی طرح جڑا ہوا ہے۔

اس اسکیم کا ایک حصہ انسانی حقوق کا چارٹر ہے۔ عرب کے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات پر مبنی یہ چارٹر اس وقت پیش کیا تھا جب نہ کسی اقوام متحدہ کا وجود تھا اور نہ انسان مادی ترقی کی اس معراج پر پہنچا تھا جہاں آج نظر آتا ہے۔

﴿۱﴾ انفرادی حقوق

۱۔ مذہبی آزادی کا حق:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۱)

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

☆☆...... ۱۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۱)

اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں تو تمام اہل زمین ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں؟

یعنی حجت اور دلیل سے ہدایت و ضلالت کا فرق کھول کر رکھ دینے کا جو حق تھا، وہ تو پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ اب رہا جبری ایمان تو یہ اللہ کو منظور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی انسانوں کو ایمان لانے یا نہ لانے اور اطاعت اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد رکھنا چاہتا ہے۔

۲۔ عزت کے تحفظ کا حق:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا، بہت بُری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ (۲)

ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنا، ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے سے بدگمانی در حقیقت ایسے اسباب ہیں جن سے آپس کی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب سے مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے جنم لیتے ہیں۔ اسلام ہر فرد کی بنیادی عزت کا حامی ہے، جس پر حملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

☆☆...... ۱۔ سورۂ یونس آیت نمبر ۹۹۔

۲۔ سورۂ حجرات آیت ۱۱۔

۳۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق :

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو۔(۱)

یعنی لوگوں کے دل نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو، دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو، لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی کھوج کرنا ایک بڑی بد اخلاقی ہے۔ جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں، اس لئے ہر انسان کو اپنی نجی زندگی کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور دوسروں کو اس میں دخل اندازی سے روکا گیا ہے۔

۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق :

تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔(۲)

یہ اشارہ بدری صحابی حضرت حاطب بن بلتعہ کی طرف سے ہے۔ مشرکین مکہ کے نام ان کا ایک خط مکہ معظمہ پر حملہ کی خبر کے بارے میں پکڑا گیا تھا۔ مگر اس سنگین جرم کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھلے عام اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا پورا موقعہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو، صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا دینا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور اسلام نے انسان کے اس بنیادی حق کی پاسبانی نازک سے نازک موقعہ پر بھی کر دکھائی ہے۔

☆☆ ...... ۱۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲،

☆☆ ...... ۲۔ آیت ۱، سورۂ ممتحنہ ،

۵۔ اظہار رائے کی آزادی کا حق

قرآن مجید کی سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں فرمایا کہ وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔ دوسری جگہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۹ اس طرح ہے کہ:

(اے پیغمبر) ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم (مشورے کے نتیجہ میں) کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

﴿۲﴾ سماجی حقوق

ا۔ انسانی مساوات کا حق:

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملہ میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔(۱)

یہ مذکورہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ حضرت زینب کو اپنے نسلی اور خاندانی فخر کے باوجود اس حکم کے سامنے سر جھکانا پڑا اور اس طرح نسلی امتیاز کے بت کو توڑ کر انسانی

☆☆...... ا۔ سورۂ احزاب آیت ۳۶۔

مساوات کا بہترین عملی نمونہ کاشانہ نبوت سے سماج کے سامنے پیش کی گیا۔

۲۔ اجر و ثواب میں مرد و زن کی برابری کا حق :

جو مرد اور عورتیں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔(۱)

یہ اسلام کی وہ بنیادی قدریں ہیں جنہیں ایک فقرے میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ ان قدروں کے لحاظ سے مرد اور عورت کے درمیان دائرہ عمل کا فرق تو ضرور ہے مگر اجر و ثواب میں دونوں مساوی ہیں۔

۳۔ والدین کے لئے حسن سلوک کا حق :

ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔(۲)

انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کی ماں باپ ہیں، صاف ستھرے سماج کے قیام کے لئے یہ ایک اہم جز ہے۔

۴۔ انسانی جان کی حرمت کا حق :

"اور جو اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے"۔(۳)

ایک دوسری جگہ بلا خطا کسی کی جان لینے کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ انسانی جان کی حرمت سماج کے ان بنیادی حقوق میں سے ہے جس کے بغیر کوئی سماج زندہ نہیں رہ سکتا۔

☆☆......۱۔ سورۂ احزاب آیت ۳۵،

۲۔ سورۂ عنکبوت آیت ۸،

۳۔ سورۂ فرقان آیت ۶۸۔

۵۔ ازدواجی زندگی کا حق

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔(۱)

ایک پاکیزہ سماج میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تاکہ بلاوجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلود نہ کر سکے۔ شادی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لئے سکون واطمینان کے ساتھ مودت ورحمت بنیادی چیز ہے جو انسانی نسل کے برقرار رہنے کے علاوہ انسانی تہذیب وتمدن کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے، اس کی بدولت گھر بنتا ہے، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے ہیں اور اس کی بدولت انسانی زندگی میں تمدن کا نشوونما ہوتا ہے۔ اس لئے ازدواجی زندگی ایک سماجی حق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی سنت اور طریقہ قرار دے کر اس کو عبادت کا تقدس بھی بخش دیا ہے۔

﴿۳﴾ سیاسی حقوق

ا۔ اسلام کے سیاسی نظام کی اولین دفعہ :

اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔(۲)

قرآن مجید کی یہ آیت اسلام کے سیاسی نظام کی بنیادی اور اولین دفعہ ہے اسلامی نظام میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت

☆☆......ا۔ سورۂ روم آیت ۲۱۔

۲۔ سورۂ نساء آیت ۵۹۔

اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ رسول ہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک اللہ کے احکام اور فرامین پہنچتے ہیں۔ اولوالامر کی اطاعت اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

۲۔ عمومی اور مقصدی تعلیم :

اسلام کے سیاسی نظام میں عمومی اور مقصدی تعلیم کا ایک بنیادی حق ہے۔ ارشاد ہے :

> ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ سے کچھ لوگ نکل کر آتیاور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ روش سے پرہیز کریں۔(۱)

۳۔ سیاسی ولایت کا حق

اسلام کے سیاسی نظام میں ولایت کا حق صرف ان باشندوں کو ہے جو اسلامی مملکت کی حدود میں ہوں، لیکن اخوت کا رشتہ بدستور ہے اور بین الاقوامی ذمہ داریاں نیز اخلاقی حدود کا پاس رکھتے ہوئے مظلوم کی امداد مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا :

> وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) نہیں آئے، تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے، جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن ایسی کسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم

☆☆......۱۔ سورۂ توبہ آیت ۱۲۲،

کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔(۱)

۴۔ سیاسی سربراہ منتخب کرنے کا حق :

اسلام کے سیاسی نظام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ قوم کے معاملات چلانے کے لئے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو اور وہ اس وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ یہ چیز اَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ (۲) ایک لازمی تقاضا اور سیاسی نظام کی ایک اہم دفعہ ہے۔

۵۔ بے لاگ انصاف کا حصول :

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔(۳)

اسلام کے سیاسی نظام میں بے لاگ اور سب کے لئے یکساں انصاف مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے جس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو سکے۔

۶۔ حقوق کی یکسانیت :

بہترین نظام وہ ہے جس میں ہر ایک کے حقوق یکساں ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر کے کسی کو مراعات و امتیازات سے نوازا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا، پیسا اور لوٹا جائے۔ اسلامی نظام حکومت میں نسل، رنگ، زبان یا طبقات کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ البتہ اصول اور مسلک کے اختلاف کی بنا پر سیاسی حقوق میں یہ فرق ہو جاتا ہے کہ جو اس کے اصولوں کو تسلیم کرے، وہی زمام حکومت سنبھال سکتا ہے۔

☆☆......۱۔ سورۂ انفال آیت ۲۷،
۲۔ سورۂ شوریٰ آیت ۳۸،
۳۔ سورۂ شوریٰ آیت ۱۵،

قرآن مجید میں فرعون کی حکومت کی برائی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا۔(۱)

﴿۴﴾ اقتصادی حقوق

۱۔ قرآن کا معاشی نقطہ نظر :

تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے، رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے، رزق تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔(۲)

قرآن مجید کا معاشی نقطہ نظر جو مذکورہ آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے، یہ ہے کہ رزق اور وسائل رزق میں تفاوت بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے جسے مٹانا اور مصنوعی طور پر ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو۔ صحیح راہ عمل یہ ہے کہ سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین عمل کو اس انداز پر ڈھال دیا جائے کہ معاشی تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے ان بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے، جن کی خاطر ہی دراصل خالق کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔

کھانے والوں کو گھٹانے کی منفی کوشش کے بجائے افزائش رزق کی تعمیری

☆☆......۱۔ سورۂ قصص آیت ۴،

۲۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۰۔۳۱،

کوششوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اے انسان رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین میں بسایا ہے، جس طرح وہ پہلے آنے ولوں کو روزی دیتا رہا ہے بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی، اتنے ہی معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے۔

۲۔ دولت کی گردش :

"تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کراتا رہے۔(۱)

اس آیت میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مال داروں ہی میں گھومتا رہے یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ اسی مقصد کے لئے سود حرام کیا گیا ہے، زکوٰۃ فرض کی گئی، مال غنیمت میں خمس مقرر کیا گیا، صدقات کی تلقین کی گئی، مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھر جائے۔ میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے۔ اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا۔ غرض وہ انتظامات کئے گئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو جائے۔(۲)

☆☆...... ۱۔ سورۂ حشر آیت ۷،

۲۔ سہ ماہی الشریعہ گوجرانوالہ، جنوری ۱۹۹۶ء انسانی حقوق نمبر مفتی فضل الرحمن ہلال عثمانی / انسانی حقوق کا اسلامی تصور۔

﴿ب﴾

پیغمبر اسلام ﷺ اور انسانی حقوق

(تاریخی و تحقیقی جائزہ)

انسانیت کے محسن اعظم، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے انسانیت کی عظمت، احترام اور حقوق پر مبنی نہایت واضح اور ابدی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں "حقوق انسانی" (Human Rights) کے متعلق وہ دائمی تصور حقوق و فرائض عطا فرمایا جسے بلا خوف تردید انسانیت نوازی اور انسانی حقوق پر مبنی انسانی تاریخ کی حتمی اور دائمی دستاویز کی حیثیت رکھتا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی انسانی حقوق سے متعلق تاریخی دستاویزات

یوں تو محسن انسانیت ﷺ کی پوری حیات طیبہ اور سنت و سیرت مطہرہ انسانیت نوازی اور انسانی حقوق کی تعلیمات سے عبارت ہے۔ لیکن بطور خاص ان میں "معاہدۂ حلف الفضول" ذوالقعدہ ۲۷ قبل ہجری / دسمبر ۵۸۶ء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جسے سرزمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور مظلوموں کی دادرسی کا تاریخ ساز معاہدہ قرار دیا گیا ہے۔

معروف محقق اور قانون بین الاقوام کے ماہر ڈاکٹر محمد حمید اللہ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی) میں لکھتے ہیں!

"حلف الفضول میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر

مکہ میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو ان کا حق دلاتے"۔(۱)

انسانی حقوق کے تحفظ، اس کے احیاء، اور عملی نفاذ کے حوالہ سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ میں،

﴿۱﴾...... معاہدۂ الفضول (۳۷ قبل ہجری / دسمبر ۵۸۶ء)

﴿۲﴾...... میثاق مدینہ (۱ھ / ۶۲۳ء)

﴿۳﴾...... خطبۂ فتح مکہ (۱۰ رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء)

﴿۴﴾...... خطبۂ حجۃ الوداع (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۶ مارچ ۶۳۲ء)

کو انسانی حقوق کے لئے عملاً کی جانے والی جدوجہد میں انسانی حقوق کی تاریخ اور جدوجہد کا نقطۂ آغاز و ارتقاء اور مبدأ و منتہا قرار دیا جانا ایک ابدی تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت ہے۔

یہ بھی ایک ابدی اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی پوری حیات طیبہ انسانیت نوازی، انسانی حقوق کی جدوجہد اور اس کے عملی نفاذ سے عبارت ہے۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے تاریخی اور انسانی کردار کا ماحصل آپؐ کا یہ مقدس ارشاد ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے پوری انسانی برادری کے لئے واضح اور دو ٹوٹ الفاظ میں بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا تفریق مذہب و ملت ارشاد فرمایا!

الخلقُ عیالُ اللّٰہ، فاحبُ الخلق إلی اللّٰہ من أحسن إلی عیالہ (۲)

(پوری انسانی) مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں بہتر وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ محسن انسانیت ﷺ کا انسانی حقوق کے حوالہ سے عملی کردار قبل نبوت "معاہدہ حلف الفضول ۵۸۶ بعد" نبوت "میثاق مدینہ ۶۲۳ء" "خطبۂ فتح مکہ ۶۳۰" یہ مثالی اور مؤثر کردار انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں میں بالخصوص عملی اور مربوط بنیادوں پر پوری انسانی تاریخ پر بلاشبہ فوقیت اور اوّلیت رکھتا ہے جسے انسانی حقوق کے حوالہ سے تاریخ انسانی حقوق کا نقطۂ آغاز و ارتقاء کہنا بلاخوف تردید ایک تاریخی اور ابدی حقیقت ہے۔

☆☆......۱۔ محمد حمید اللہ / رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۵۸، (۲)۔ رواہ البیہقی،

﴿۱﴾۔ معاہدۂ حلف الفضول (۵۸۶ء) مظلوموں کی امداد کا پہلا تاریخی منشور اور پیغمبر اسلام ﷺ کا کردار:

معاہدہ حلف الفضول (۱) ذوالقعدہ ۳۷ قبل ہجری / ۵۸۶ء سرزمین عرب

☆☆......۱۔ "حلف الفضول" "حلف" یہ لفظ 'ح' کے زیر اور زبر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور حلف کے معنی قسم کے علاوہ معاملہ کے بھی ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۸/ ۵۱۲)

علامہ فیروز آبادی "معاہدہ حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"وقد سمت قریش هذا الحلف حلف الفضول لأ نهم تحالفوا على أن لا یتر کو اعند أحد فضلاً یظلمه أحداً (ألاّ یتر کون بقیّة حق لمظلومٍ عندظالمه) الا أخذوه له منه"

(الفیروز آبادی / القاموس المحیط، المطبعۃ الحسینیۃ مصر، ۱۹۱۳، ۴/ ۳۱۔)

قریش نے اس حلف کو "حلف الفضول" کے نام سے اس لئے موسوم کیا کہ انہوں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ وہ کسی کے پاس کسی کا حق نہیں چھوڑیں گے کہ وہ کسی پر ظلم کر سکے۔ (یعنی کسی مظلوم کا حق ظالم کے پاس نہیں چھوڑیں گے) لیکن اسے ہر حال میں واگزار کرائیں گے۔

علامہ شبلی نعمانی نے "حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ ب بیان کی ہے!

"اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لئے کہا جاتا ہے، کہ اس معاہدہ کا خیال اول اول جن لوگوں کو آیا ان کے نام میں لفظ 'فضیلت' کا مادہ داخل تھا یعنی! فضیل بن حراث، فضیل بن وداعہ، اور مفضل (شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ، مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ۱/ ۱۱۶)

مولانا ابوالکلام آزاد "حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"حلف الفضول" کے بارے میں ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ عربی میں "حق" کو "فضل" بھی کہتے ہیں جس کی جمع "فضول" ہے۔ اس لئے یہ معاہدہ "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہوا، یعنی "معاہدۂ حقوق" یا معاہدۂ حفظ حقوق۔ (ابوالکلام آزاد / رسول رحمتؐ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۷۰)

بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق، بالخصوص مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کا پہلا تاریخ ساز معاہدہ ہے۔ جس میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر (مکہ) میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو ان کا حق دلاتے۔(۱)

بیشتر مؤرخین اور سیرت نگار معاہدہ حلف الفضول کا محرک عہد جاہلیت کے ایک مخصوص واقعہ کو قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ بوزبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض تجارت لایا، جسے عاص بن وائل نے خرید لیا، لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی، وہ دادرسی کی غرض سے مدعی بن کر قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا۔ مگر عاص بن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک صبح جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے تو اس تاجر نے چند شاکیانہ اور دردمندانہ اشعار پڑھ کر اپنی بے بسی ظاہر کی، جس کے نتیجہ میں معاہدہ "حلف الفضول" عمل میں آیا۔(۲)

جبکہ سید امیر علی نے ایک اور واقعہ کو اس کا سبب قرار دیا ہے! جس میں قبیلہ بنی قیس کا مشہور شاعر حنظلہ اگرچہ ایک ذی مرتبہ قریش عبداللہ بن جدعان کے زیر حمایت مکہ آیا لیکن اس کے باوجود سربازار لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایک اور واقعہ نے ایسی نازک صورتحال اختیار کرلی کہ اس کا تدارک ضروری ہو گیا۔(۳)

چنانچہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک اور کوششوں کے نتیجہ میں بوہاشم، بوعبدالمطلب، اور خاندان زہرہ و تیم نے متحد ہو کر معاہدہ کیا کہ چاہے مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام، مکے کی حدود کے اندر ہر طرح کے ظلم اور ناانصافی سے محفوظ رکھا جائے گا اور ظالموں کے ہاتھوں ان کے نقصانات کی پوری پوری تلافی کرائی جائے گی۔

آنحضرت ﷺ اس انجمن کے رکن اعلیٰ تھے۔ اس کی بدولت کمزوروں اور مظلوموں کو بڑی حد تک امن وامان نصیب ہو گیا۔ اپنے قیام کے پہلے ہی سال

☆☆......۱۔ محمد حمید اللہ / رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۵۸،

۲۔ عمر فروخ / تاریخ الجاهلیة، دارالعلم بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۱۳۲،

۳۔ سید امیر علی / روح اسلام، ص ۸۷،

میں اسے اتنا رعب و داب نصیب ہو گیا کہ اس کی طرف سے کسی معاملہ میں مداخلت کا اشارہ ہی زبردستوں کی بے آئینی روکنے اور زیردستوں کے نقصانات کی تلافی کرانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

یہ انجمن تاریخ اسلام کی پہلی نصف صدی کے اختتام تک پوری قوت سے قائم رہی۔(۱)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں!

مکے والوں کو اس پر جا طور سے فخر ہو سکتا ہے کہ جس زمانہ میں باقی عرب بلکہ باقی دنیا میں لاٹھی راج کا دور دورہ تھا۔ اس وقت انہوں نے رضاکارانہ امداد مظلومین کے لئے اپنی جتھابندی کی اور تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے رات کی بات دن ہوتے ہوتے بھلا نہ دی بلکہ ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کی دہائی سے ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے سرغنہ تھراتے تھے۔ خود آنحضرت ﷺ بھی زمانۂ قبل از اسلام میں ہجرت سے قبل اس میں مؤثر طور پر عملی حصہ لیتے رہے۔(۲)

چنانچہ انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک اور کوششوں کے نتیجہ میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد بن عبدالعزیٰ، بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ عبداللہ بن جدعان جو اپنی قوم کے سردار تھے ان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ "حلف الفضول" طے پایا۔(۳)

☆☆......۱۔ سید امیر علی / روح اسلام ص ۸۷، ۸۸،

۲۔ محمد حمید اللہ / رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۵۹،

۳۔ ابن سعد / الطبقات، دار صادر بیروت، ۱/ ۱۲۸، ۱۲۹، نیز عمر فروخ / تاریخ الجاھلیہ ص ۱۳۲،

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں!

''اس معاہدہ ''حلف الفضول'' میں ایک رضا کار جماعت شریک ہوئی، جس کا مقصد حدود شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا کہ اجنبی مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا تھا جب تک ظالم حق رسائی نہ کرے''۔(۱)

محسن انسانیت ﷺ نے اس تاریخ ساز معاہدہ عدل و انصاف میں بھرپور اور فعال کردار ادا کیا۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ قدر شناس میں اس معاہدہ کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہد نبوت میں ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا!

''اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ بدلتا، اور آج بھی اس معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں شرکت کے لئے تیار ہوں''۔(۲)

انسانی تاریخ کے ''بنیادی انسانی حقوق'' کے تحفظ کے لئے منعقدہ اس تاریخ ساز غیر تحریری معاہدہ کے دیگر ممبران و شرکاء نے قیام امن، انسانی حقوق کے تحفظ اور بقائے باہمی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی لازمی قرار دیا اس کے تحفظ اور اپنی ذمہ داریوں کے تعین نیز اس کے نفاذ کے لئے ہر ممکن اقدامات کا اعلان کیا۔

اس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں!

۱۔ مکہ سے بدامنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

۳۔ مظلوموں کی امداد کی جائے گی، خواہ مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

☆☆

۱۔ حمید اللہ / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ص ۱۴۴،

۲۔ ابن الاثیر الجزری / الکامل فی التاریخ، دار صادر بیروت، ۲/۱۴۱،

۴۔ زبردست کو زیردست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا۔(۱)

"حلف الفضول" کے شرکاء نے جو حلف لیا وہ یہ تھا!

"باللّٰه لنکوننّ یدًا واحدة مع المظلوم علی الظّالم حتّیٰ یؤدّی الیه حقّه، مابلّ بحره صوفةً وما رسی حراء وثبیر مکانهما وعلیٰ التأسی فی المعاش، (۲)

"خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تاآنکہ وہ (ظالم) اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کر دے۔ اور یہ اسوقت تک جب تک کہ سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حراء و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں، اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔(۳)

اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے مؤرخ ساکت ہیں کہ اس کا منشاء کیا تھا، بہر حال یہ تو یقین ہے کہ مدد کو جانے والے جب اپنی جان سے حاضر تھے تو اپنے مال کی کیا پرواکرتے۔(۴)

زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسالتمآب ﷺ کے چچا ہیں اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر اس طرح کیا ہے!

ان الفضول تحالفوا و تعاقدوا ...... ان لاّ یقیم ببطن مکّه ظالم

فضول (فضل بن وداعہ، فضل بن فضالہ اور فضیل بن حارث) نے سب سے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکہ .

☆☆

۱۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ ا / ۱۲۸، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء،

۲۔ سہیلی / روض الأنف ا / ۱۵۷، مکتبہ الکلیات الأزھریۃ القاھرۃ،

۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ / رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی ص ۵۹، ۶۰،

۴۔ ایضاً، ص ۲۶۰،

میں کوئی ظالم نہ رہ سکے گا۔

امر علیه تعاهد وا وتواثقوا ...... فالجار والمعترفیهم سالم

اس پر سب نے پختہ عہد کیا کہ پس مکہ میں پڑوسی اور
آنے والا سب مامون اور محفوظ ہوں۔(۱)

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ ساز معاہدۂ امداد مظلومین (معاہدۂ حلف الفضول) میں بھرپور اور مؤثر کردار ادا کیا، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ قدر شناس میں اس معاہدہ کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہد نبوت میں ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دئے جاتے تو
میں نہ بدلتا اور آج بھی اس معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں
شرکت کے لئے تیار ہوں۔(۲)

معروف سیرت نگار علامہ قاضی سلیمان منصور پوری اس معاہدہ کی تاریخی اہمیت و فادیت اور عظمت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"انگلستان میں "نائٹ ھڈ" کا آرڈر جس کے ممبران قریباً یہی اقرار کیا کرتے تھے اس معاہدہ کے کئی صدیوں بعد قائم ہوا تھا"۔(۳)

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کو اس حیثیت سے انسانی حقوق کے تحفظ، اس کے احیاء اور عملی نفاذ کے سلسلہ کا اولین معمار قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور یہیں سے انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک انسانی حقوق کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا "معاہدہ حلف

☆☆

۱۔ سہیلی / روض الأنف ۱/ ۱۵۷،

۲۔ ابن الأثیر الجزری / الکامل فی التاریخ ۲/ ۱۴۱،

۳۔ قاضی سلیمان منصور پوری / رحمۃ للعالمین، دارالاشاعت کراچی، ۱/ ۴۷،

﴿۲﴾۔میثاق مدینہ ۶۲۳ء ریاستی حقوق کی پہلی تحریری اور تاریخی دستاویز:

نبوت کا تاج زریں پہننے کے بعد محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو انسانیت اور انسانی حقوق کے حوالہ سے انتہائی اہم اور تاریخی کردار کی حامل ہیں ان میں بطور خاص میثاق مدینہ، ۱ھ / ۶۲۳ء، خطبۂ فتح مکہ ۱۰ رمضان ۸ھ / ۶۳۰ء، خطبہ حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۶ مارچ ۶۳۲ء، انسانی حقوق کی وہ دستاویز ہیں جن میں انسانی حقوق کا انتہائی جامع، مثالی اور دائمی نظریہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے تحفظات کے لئے انتہائی واضح، غیر مبہم، حتمی یقینی اور مؤثر تعلیمات و ہدایات جاری فرما کر انہیں نافذ العمل بنا کر اسلامی مملکت کے دستور اور اسلامی ضابطۂ حیات کا جزو لاینفک قرار دیا۔

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حُسن تدبُّر کا مثالی شاہکار:

"میثاق مدینہ" رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، آزادی اور عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔ یہ وہ تاریخی معاہدہ ہے جس کی بدولت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم فرمایا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب کے فلسفہ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پسندی پر آپ گواہ ہیں۔ امن و سلامتی، حریت اور عدل و انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور:

معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق اور دلائل سے

ثابت کیا ہے کہ میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۱)

موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے انگریزی میں ایک کتاب "The First Written Constitution in the World" کے نام سے لکھی جو لاہور سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔

موصوف "عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نظام حکمرانی" میں لکھتے ہیں!

"عام قواعد و قوانین ملک کم و بیش تحریری صورت میں ہر جگہ ملتے ہیں، دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لایا جانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہیں مل سکی۔ یہ اس زمانہ کی قانونی عبارت اور دستاویز نویسی کا ایک انمول نمونہ ہیں"۔(۲)

جملہ دستاویز میثاق مدینہ میں ۵۲ دفعات ہیں، پہلی ۲۳ دفعات انصار و مہاجرین کے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ یہودی قبائل کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے، ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالت مرافعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوگی۔(۳)

"میثاق مدینہ" کے "آئینی حقوق" سے متعلق عدالتی فقرات:

میثاق مدینہ کے عدالتی فقرات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قانون سازی اور اسلامی ریاست کے قیام کے آغاز کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائدانہ کردار اور سیاسی بصیرت و فراست کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں، ذیل میں ان (عدالتی فقرات) کی ترتیب وار تحلیل کی جاتی ہے!

☆☆

۔ محمد حمید اللہ / عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۷۶۔

☆...... محمد حمید اللہ / رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی ص ۲۵۵۔

☆...... محمد حمید اللہ / خطبات بہاولپور ص ۲۳۶۔

۲۔ محمد حمید اللہ / خطبات بہاولپور ص ۷۶، ۳۔ ایضاً ص ۸۴۔

- ...... ہر قبیلہ انصار اپنے افراد کے مالی مواخذہ جات کا اجتماعی طور سے ذمہ دار ہو گا۔ اگر کوئی فرد دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو تو اس قیدی کے قبیلے کے سب افراد مل کر فدیہ ادا کریں گے۔
- ...... اس سلسلہ میں انصار کے قبائل تو معیّن تھے لیکن مہاجرین مکہ سب مل کر ایک قبیلہ تصور کئے جائیں گے۔
- ...... انصاف رسانی متضرر کے ہاتھوں میں نہیں رہے گی بلکہ وہ پوری جماعت مسلمانان کا فریضہ سمجھی جائے گی اور اس میں کسی رشتہ داری اور قرابت کے باعث پاس و لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اور کسی قاتل یا مجرم کو کوئی شخص پناہ نہیں دے سکے گا۔
- ...... کسی مسلمان کا قتل عمد سزائے موت کا مستوجب ہو گا۔
- ...... اسی طرح یہودیوں سے متعلق جو دفعات ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ فدیہ، دیت، ولاء اور جوار کے ادارے حسب سابق برقرار رہیں گے۔
- ...... کوئی شخص قریش اور ان کے مددگاروں کو اپنی پناہ میں لینے کا مجاز نہ ہو گا۔

حکمران و رعایا کے ریاستی حقوق (Civil Rights) کی اوّلین

دستاویز "میثاق مدینہ" کی اہمیت اور اس کے انقلابی اثرات،

"میثاق مدینہ" (اھ / ۶۲۳ء) "ریاستی انسانی حقوق کی اہم دستاویز ہے، جس میں بقول ڈاکٹر حمید اللہ باون جملے یا قانونی الفاظ میں "دفعات" شامل ہیں۔ اس کی اہمیت اسلامی مؤرخوں سے کہیں زیادہ یورپی عیسائیوں نے محسوس کی، ولہاوزن، میولر، گریمے، اشپرنگر، وینسنک، کائتانی، بول وغیرہ کے علاوہ ایک جرمن مؤرخ رانکے (Ranke) نے مختصر تاریخ عالم لکھتے ہوئے بھی اس دستاویز کا ذکر کرنا

ضروری خیال کیا ہے۔(۱)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں!

"میثاق مدینہ" میں حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض اور دیگر تفصیلات کا ذکر ہے۔(۲)

اس دستور نے ایک نہایت اہم اور عرب کے لئے انقلابی اصلاح یہ کی کہ لوگ اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسانی کو ایک مرکزی اور پبلک ادارہ بنا دیں۔.....اس دستور کی رو سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے لائے ہوئے احکام اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دئے اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ (ضمان) کے مقدمات کا تصور ان نظائر کی موجودگی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے "King Can Do Not Wrong" "بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا" کو عملاً مسترد کر دیا۔ مملکت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی دارو گیر سے محفوظ نہ رہ سکے تو دیگر عہدیدار اور عام افراد بھی تعمیل زیادہ توجہ اور مساویانہ تصور کے ساتھ کریں گے۔(۳)

"میثاق مدینہ" انسانی حقوق کے حوالہ سے اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں۔ امن، سلامتی، آزادی، انصاف و مساوات، اور حکمران و رعایا کے حقوق و فرائض کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

(۳)۔ خطبہ فتح مکہ ۶۳۰ء بنیادی انسانی حقوق کا پہلا منشور

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ کی قولی اور عملی تعلیمات میں انسانیت کے تحفظ اور "انسانی حقوق" کے حوالہ سے خطبہ فتح مکہ ۱۰ رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ☆☆

۱۔ محمد حمید اللہ، عہد نبوی (ﷺ) میں نظام حکمرانی ص ۷۷۔

۲۔ ایضاً، ص ۷۴، ۳۔ محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۸۲، ۸۳۔

"فتح مکہ" کا واقعہ اسلامی حکومت کی تاسیس، امن، آزادی، رواداری، عدل وانصاف اور انسانی مساوات کی حقیقی تاریخ کو ظاہر کرتا ہے۔

اس روز محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر "بنیادی انسانی حقوق" (Fundamental Human Rights) سے متعلق تین تاریخ ساز اعلان کئے جن کا آوازہ عہد حاضر کی مہذب یورپی دنیا کے ملک فرانس کے یوم انقلاب ۱۸۵۲ء کے موقعہ پر ٹھیک انسانی تاریخ کے اس بے نظیر اور تاریخ ساز دستور بنیادی حقوق "خطبۂ فتح مکہ" کے ۱۲۲۲ برس بعد سنا گیا۔ (۲)

جبکہ انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی انسانی حقوق کے اس تاریخ ساز چارٹر کا اعلان ۶۳۰ء میں فرمادیا تھا۔ نیز اقوام متحدہ کا نام نہاد انسانی حقوق کا منشور مجریہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء جسے مغربی دنیا میں انسانی حقوق کی تحریک کا نقطۂ ارتقاء اور میگنا کارٹا (Magna Carta) مجریہ ۱۲۱۵ء نقطۂ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ محسن انسانیت کے اس منشور انسانیت کے صدیوں بعد رسمی طور پر متعارف کرایا گیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مجریہ جنوری ۶۳۰ء بنیادی انسانی حقوق کے اس اولین تاریخی چارٹر "خطبۂ فتح مکہ" کی اہم دفعات درج ذیل ہیں!

﴿۱﴾......اعلان امن۔ ﴿۲﴾......اعلان آزادی۔

﴿۳﴾......اعلان مساوات انسانی۔ (۱)

﴿۴﴾ خطبہ حجۃ الوداع (۶۳۲ء) انسانی حقوق کا عالمی اور دائمی منشور :

انسانی تاریخ میں "حقوق انسانی" کی تحریک کے آغاز و ارتقاء کا سہرا انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے سر ہے۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انسانی حقوق کے حوالہ سے انتہائی اہم، عملی اور مؤثر کردار "خطبۂ حجۃ الوداع" مجریہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۶ مارچ ۶۳۲ء میں نظر آتا ہے۔

رسالتمآب (ﷺ) کا یہ تاریخی خطبہ بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین، مثالی، ☆☆

۲۔ حامد الانصاری غازی / اسلام کا نظام حکومت، مکتبۂ عالیہ لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۷،

۱۔ ابن ھشام / السیرۃ النبویۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۵ء، ۴/ ۳۵۔ ۳۶،

ابدی اور عالمی منشور اعظم ہے۔

یہ انسانی تاریخ میں انسانیت کی صلاح و فلاح، حقوق انسانی کی جدوجہد میں آغاز و لاانتہاء کے حوالہ سے تمام انسانی حقوق کے نام نہاد مغربی منشوروں اور دستاویزات حقوق پر دائمی فوقیت اور تاریخی اولیت رکھتا ہے، جو ایک تاریخی شہادت اور ناقابل تردید حقیقت ہے۔

"خطبہ حجۃ الوداع" انسانی حقوق کی تاریخ کا مبدأ و منتہیٰ ہے۔ یورپ کے مؤرخ لارڈ ایکٹن (Lord Acton) نے فرانس کے منشور انسانی حقوق (Declaration of the Rights of Man) کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ پرزہ دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کے قشون قاہرہ سے زیادہ پرشکوہ ہے۔

ایکٹن کی یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں بلکہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے "خطبہ حجۃ الوداع" کے متعلق یہ کلمات کہ:

"آسمان نے روز و شب کی ہزار کروٹیں بدلیں لیکن احترام انسانیت اور حقوق انسانی کے لئے اس سے زیادہ پردرد اور پرخلوص آواز نہیں سنی"

تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا "خطبہ حجۃ الوداع" بلاخوف تردید حقوق انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو نہ کسی سیاسی مصلحت کی بنیاد تھا اور نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ حقوق انسانی کے اولین علمبردار محسن انسانیت ﷺ کا انسانیت کے نام آخری اور دائمی پیغام تھا۔ جس میں انسانی حقوق کے بنیادی خطوط کی رہنمائی کرتے ہوئے انسانی حقوق کا وہ مثالی اور ابدی منشور عطا کیا گیا، جس پر انسانیت جتنا فخر کرے کم ہے، جتنا ناز کرے بجا ہے۔

فصاحت و بلاغت کی معراج، انسانیت کی شان، انسانی حقوق کا دائمی نشان یہ عظیم الشان تاریخ ساز خطبہ انسانیت کی عظمت، جلالت شان، اور تاریخی اہمیت کے

باعث "حجۃ الاسلام" "حجۃ البلاغ" "حجۃ التمام" اور "حجۃ الکمال" کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۱)

محسن انسانیت ﷺ کے "منشور انسانی حقوق" (خطبۂ حجۃ الوداع) کی اہمیت اور انسانی حقوق کے حوالہ سے آپ ﷺ کے تاریخی اور مرکزی کردار کی اہمیت جاننے کے لئے ضروری ہے، کہ اس مثالی منشور انسانیت کی جو کہ مکمل طور پر انسانیت کا منشور اعظم ہے۔ تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس میں عطا کردہ حقوق انسانی پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے!

"خطبۂ حجۃ الوداع" میں فراہم کردہ حقوق میں چند درج ذیل ہیں!

﴿۱﴾...... جان، مال، عزت و آبرو، اور اولاد کے تحفظ کا حق،

﴿۲﴾...... امانت کی ادائیگی، قرض کی وصولیابی، اور جائیداد کے تحفظ کا حق

﴿۳﴾...... سود کے خاتمہ کا تاریخی اعلان، انسانیت پر احسان عظیم،

﴿۴﴾...... پرامن زندگی، اور بقائے باہمی کا حق،

(Harmonius Coexistence) کا حق،

﴿۵﴾...... ملکیت، عزت نفس، اور منصب کے تحفظ کا حق،

﴿۶﴾...... انسانی جان کے تحفظ، اور قصاص و دیت (Relating to Retaliation And Blood Money) میں مساوات کا قانونی حق،

﴿۷﴾...... انسانی مساوات کا حق اور انسانی تفاخر و طبقاتی تقسیم کے خاتمہ کا تاریخی اعلان،

﴿۸﴾...... عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان،

﴿۹﴾...... غلاموں کے حقوق کا انقلابی اور عملی اعلان،

﴿۱۰﴾...... عالمگیر مساوات انسانی اور مواخات (Confraternity) کا حق

﴿۱۱﴾...... انسانیت کے منشور اعظم "خطبۂ حجۃ الوداع" کے تحفظ اور اس

☆☆

ا۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ربذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، ص ۲۷۸،

کے نافذ العمل بنانے کا اعلان۔

دیگر تفصیلات "باب سوم" اور "باب چہارم" میں "خطبۂ حجۃ الوداع" کی دفعات پر "تہذیب اقوام، قدیم و جدید اور مذاہب عالم کے ساتھ تاریخی، تقابلی اور تحقیقی، و تنقیدی جائزہ میں پیش کر دی گئی ہیں۔

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے "خطبۂ حجۃ الوداع" مجریہ ۶۳۲ء کی طرف دیکھئے اس میں انسانیت کے لئے تمام انسانی حقوق آئینی دفعات اور اس کے نافذ العمل بنانے کے حتمی، ابدی و تاریخی اعلان کے ساتھ فراہم کر دیئے گئے ہیں، اور اتنی واضح تعلیمات اور ہدایات دی گئی ہیں کہ جن کی من مانی تشریح اور خود ساختہ مفہوم اخذ کرنے کے لئے بھی کسی قسم کے تکلفات کی گنجائش نہیں رہتی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے انسانی حقوق کے حوالہ سے کئے گئے تمام اقدامات، اعلانات اور ہدایات کو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی آپ ﷺ کے قائم کردہ مدنی معاشرہ میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے زریں اصول پر عملاً نافذ العمل اور آئینی شکل میں اسلامی دستور اور نظام حیات کا جزو لازم بنادیا گیا تھا۔ بالخصوص عہد نبوی کے مدنی معاشرہ، عہد خلافت راشدہ کے فلاحی معاشرہ (۱۱ھ تا ۴۰ھ / ۶۳۲ء تا ۶۶۱ء) اور بعد کے اسی نہج پر قائم اسلامی ادوار میں جس طرح نافذ العمل بنایا گیا، اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق اس کے گواہ ہیں۔

بابِ دوم

خطبہ حجۃ الوداع اور مغرب کے نظریہ انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ

باب دوم

خطبہ حجۃ الوداع اور مغرب کے

نظریہ انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ

"خطبہ حجۃ الوداع" انسانی حقوق کا وہ بے مثل و دائمی اور ہمہ گیر منشور ہے جو انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ ۶/مارچ ۶۳۲ء کو اپنے ہی قائم کردہ مثالی فلاحی مدنی معاشرہ میں نافذ کیا، حیات و دوام جس سے نصیب ہوا۔

اسے بلا خوف و تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے پہلا "منشور انسانی حقوق" (Declaration of the Rights of Man) ہونے کا شرف حاصل ہے۔

"خطبہ حجۃ الوداع" کو اگر دفعات کی شکل میں دیکھا جائے تو کم از کم ۴۰ دفعات نکلتی ہیں۔ اس میں تمام تر دفعات مثبت اقدامات پر مبنی، تعمیری افکار پر مشتمل ہیں یہ تمام دنیائے انسانیت کی صلاح و فلاح کی ضامن اور حقوق و فرائض کا ابدی، اور تاریخی منشور حیات ہے۔ اس میں انسانیت کے محسن اعظم سید عرب و عجم حضرت

علیہ کی کوئی ذاتی غرض، کوئی نسلی، قومی، جماعتی مفاد، کسی گروہ کی حمایت، کسی قسم کے منصب واقتدار، جاہ وحشمت، اور تفاخر کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ منشور انسانیت دفعات محض، منصوبہ، کاغذی دستاویز، مصنوعی اور ناقابل عمل چارٹر، تخیلاتی یا تصوراتی پروگرام یا خواہشات و توقعات (Expcetation) یا صرف تجاویز یا سفارشات پر مبنی نہیں تھیں، نہ کوئی کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ، نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، نہ کسی طبقہ یا گروہ کے دباؤ، دھونس دھاندلی سے متاثر ہو کر جاری نہیں کی گئی تھیں۔ نہ کسی زمان و مکان یا وقت و حالات کے تابع تھیں، نہ کسی معاہدہ کی تکمیل۔

یہ منشورِ انسانی حقوق دراصل حقوق انسانی کے اوّلین اور مثالی علمبردار، انسانیت کے تاجدار، محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کا پوری انسانی دنیا کی صلاح و فلاح اور حقوق و فرائض کا، سرمدی، حتمی اور عملی منشور، حقیقتاً مظلوم، سسکتی اور دم توڑتی، طبقاتی اور نسلی و نسبی عصبیتوں کی غیر انسانی اور ظالمانہ تقسیم کی شکار مظلوم انسانیت کے نام تاریخی اور انقلابی فرمان اور مژدۂ جانفزا تھا۔

اس کی بدولت حقوق و فرائض کا ہمہ گیر اور عالمی انقلاب رونما ہوا جس نے عرب و عجم کی دنیائے انسانیت کو حیات و بقاء کا راستہ دکھا کر بنی نوانسانی کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا۔ اور تمام عالم انسانیت کے لئے تا ابد شرف آدمیت و احترام انسانیت کے چراغ روشن کر گیا۔

عہد حاضر کے نام نہاد حقوق انسانی کے علمبردار جنہیں انسانی حقوق کی تاریخ آغاز و ارتقاء کی تعیین اور صحیح سمت کا بھی علم نہیں، یا قصداً تعصب کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے اس تاریخی حقیقت اور ابدی منشور انسانیت کو عمداً فراموش کرتے ہوئے حقوق انسانی کے علمبردار اور ترجمان بنے نظر آتے ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت اور ناقابل تردید شہادت ہے کہ تاریخ انسانی حقوق کے آغاز و ارتقاء اور اس کے عملی نفاذ کا سہرا انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے سر ہے جنہوں نے ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ۶ مارچ ۶۳۲ء میں جبکہ انسانی دنیا میں "حقوق و فرائض" اور "انسانی حقوق" کا صحیح تصور تک نہ تھا۔

اس حقیقت کے جاننے کے لئے عہد حاضر کی نام نہاد مغربی مہذب دنیا کے علمبرداروں کی حقوق انسانی کی تاریخ آغاز وارتقاء۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ مغربی دنیا میں انسانی حقوق کی تاریخ آغاز وارتقاء پر طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے!

"اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں اور پھر پانچویں صدی عیسوی کے زوال پزیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا ناتہ جوڑتے ہوئے وہ ایک ہی زقند میں گیارہویں صدی عیسوی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی سے دسویں صدی عیسوی تک کا پانچ سالہ طویل عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہے، آخر کیوں؟ شاید (غالباً) اس لئے کہ یہ اسلام کا عہد ہے۔(۱)

مغرب میں بنیادی انسانی حقوق کی جدوجہد کا حقیقتاً اصل آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ میں ہوا، جہاں ۱۰۳۷ء میں شاہ کانریڈ ثانی (Conrad II) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کئے۔

۱۱۷۸ء میں شاہ الفانسو نہم (Alfonso IX) سے حبس بے جا (Habeas Corpus) کا اصول تسلیم کرایا گیا۔

۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا (Magna Carta) جاری ہوا، جسے وولٹیر نے منشور آزادی قرار دیا۔ (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)، میگنا کارٹا سے بنیادی انسانی حقوق کا مفہوم بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت امراء (Barons) اور شاہ جان (King John) کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی، جس میں امراء کے مفادات کے تحفظ کے علاوہ امراء کی حیثیت کی تعین تھی، عوام اور عام انسانوں کے حقوق سے اسکا کوئی قطعاً تعلق نہ تھا (جسے مغربی دنیا انسانی حقوق کی اہم اور تاریخی دستاویز قرار دیتی ہے)۔

☆☆۱۔ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ص ۴۲، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۸ء،

ہنری مارش (Henry Marsh) کہتا ہے!

"بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے 'میگنا کارٹا' کی توثیق کرتے ہوئے "قانون چارہ جوئی" (Due Process of Law) کا قانون منظور کیا۔

چودھویں سے سولھویں صدی عیسوی تک یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا۔ جس نے آمریت کو استحکام بخشا، حکمرانوں کے ہاتھ مضبوط کئے اور حصول اقتدار کو حاصل زندگی بنادیا۔

سترھویں صدی عیسوی میں انسان کے "فطری حقوق" (Natural Rights) کا نظریہ ابھرا۔ ۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے "حبس بے جا" کا قانون منظور کیا۔

۱۶۸۴ء میں انقلابی فوج نے برطانوی پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کی حدود متعین کر دیں۔ ۱۶۸۹ء میں پارلیمنٹ نے برطانیہ کی دستوری تاریخ کی اہم دستاویز "قانون حقوق" (Bil of Rights) منظور کیا، بقول لارڈ ایکٹن (Lord Acton) یہ انگریز قوم کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس بل کو برطانیہ کی تحریک آزادی میں بنیادی اہمیت اور تکمیل قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ "بنیادی حقوق" کا تعین کر دیا گیا۔ (یہ گویا مغربی دنیا میں "بنیادی انسانی حقوق" کا نقطۂ آغاز ہے۔)

۱۲ جون ۱۷۷۶ء کو امریکی ریاست ورجینیا (Virginia) سے جارج میسن (George Mason) کا تحریر کردہ "منشور حقوق" جاری ہوا، جس میں صحافت، مذہب کی آزادی، اور عدالتی چارہ جوئی کے حق کی ضمانت دی گئی۔

۱۲ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکہ کا اعلان آزادی جاری ہوا، جس میں "فطری قانون" (Law of Nature) کے حوالہ سے فطری انسانی حقوق کی تعیین کی گئی۔

۱۷۸۹ء میں امریکی کانگریس نے اس میں دس ترمیمات کیں، جو "قانون

حقوق" (Declaration of the Rights of Man) منظور کیا۔

۱۷۹۲ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے اپنا مشہور کتابچہ "حقوق انسانی" (The Rights of Man) شائع کیا۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاستوں کے دساتیر میں "بنیادی انسانی حقوق" شامل کیے گئے۔

۱۹۴۰ء میں مشہور مغربی ادیب (H.G. Wells) نے اپنی کتاب "دنیا کا نیا نظام" (New World Order) میں "منشور انسانی حقوق" کے اجراء کی تجویز پیش کی۔

جنوری ۱۹۴۱ء میں صدر روزویلٹ (Roose Velt) نے کانگریس سے چار آزادیوں کی حمایت کرنے کی اپیل کی۔

اگست ۱۹۴۱ء میں منشور اوقیانوس (Atlantic Charter) پر دستخط ہوئے، جس کا مقصد بقول چرچل! "انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا"

دوسری جنگ عظیم کے بعد تحریری دساتیر میں "بنیادی انسانی حقوق" کی شمولیت مزید نمایاں ہوئی، فرانس نے اپنے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو شامل کیا، اسی سال جاپان نے بنیادی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا، ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کی ضمانت دی۔

مغرب میں ان کوششوں کے بعد بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو "اقوام متحدہ" کا "منشور انسانی حقوق" جاری ہوا، جس میں وہ تمام حقوق سمو دیے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں شامل تھے۔ یا انسانی ذہن میں آسکتے تھے۔(۱)

یہ تھا مغربی دنیا میں "انسانی حقوق" کی تحریک کے آغاز و ارتقاء کا تاریخی سفر، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مغرب کی انسانی حقوق کی علمبردار دنیا کا "بنیادی

☆☆

۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔

انسانی حقوق کا سفر گیارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے ۱۰۳۷ء میں شروع ہوا، اور ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جانب سے جاری کردہ "منشور انسانی حقوق" پر ختم ہوا۔ گویا گیارہویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر بیسویں صدی عیسوی میں ارتقاء پزیر ہوا۔

مغربی دنیا میں "انسانی حقوق" کی تحریک کے آغاز و ارتقاء کے اس مختصر جائزہ کے بعد مغربی دنیا کے ان نام نہاد عطا کردہ "حقوق انسانی" پر خود مغربی مفکرین اور ماہرین قانون کا ناقدانہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے!

اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کے متعلق خود کمیشن برائے انسانی حقوق نے منشور کے نفاذ سے متعلق ایک رپورٹ منظور کی، جس سے مغربی دنیا کے سب سے بڑے محافظ اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار اقوام متحدہ کی بے بسی، اور بے چارگی اور خود "منشور انسانی حقوق" کی آئینی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے!

منشور کے نفاذ سے متعلق کمیشن کی رپورٹ ملاحظہ کیجئے!

"کمیشن تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق کے متعلق شکایات کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں رکھتا۔(۱)

ماہر قانون ہنز کیلسن (Hans Kelson) کا تبصرہ دیکھئے!

"خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں۔(۲)

☆☆

1- Gaius E.Zejiofor /Protection of Human Rights Under the Law. P.80 - 1964.

2- Hans Kelson/ The Law of United Nations. London 1950. P.29.

ڈاکٹر رافیل (Raphael) کا بے لاگ تبصرہ پڑھیے وہ کہتا ہے!

"یہ نام نہاد معاشی اور سماجی حقوق کوئی بین الاقوامی فرض عائد نہیں کرتے۔(۱)

یہ ہے اقوام متحدہ کے "حقوق انسانی کے عالمی منشور" کی حقیقت جسے انسانی حقوق کے حوالہ سے اہم قدم، عظیم تحفہ اور انسانیت کی معراج قرار دیا جاتا ہے۔

مغربی مفکرین اور ماہرین قانون کی آراء کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس نام نہاد "منشور انسانی حقوق" کے اوپر کوئی قوت نافذہ نہیں، جو اخلاقی اور قانونی طور پر اس کے عدم نفاذ کی صورت میں اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی یا مؤثر اقدامات کرسکے۔ نیز منشور میں ایسی کوئی تعبیر اور تصریح نہیں جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں فراہم کرنے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔

اقوام متحدہ کے "منشور انسانی حقوق" کی اخلاقی اور قانونی پوزیشن واضح ہو جانے کے بعد مغربی دنیا میں ۷ ۱۰۳اء برطانیہ سے "انسانی حقوق" کی تحریکوں کے آغاز وارتقاء اور ان کی قانی واخلاقی حیثیت پر نظر ڈالی جاتی ہے!

"مغرب میں حقوق (Rights) مستقل اقدار Permenent (Vaues) کی حیثیت نہیں رکھتے، تمام ماخذ یا تو تصوراتی ہیں یا پھر "قانون جس ـ جا، میگنا کارٹا، قانون حقوق، فرانس کے منشور انسانی حقوق، اور امریکی آئین کی در ترمیمات کی طرح وہ دستاویزات ہیں جن کی نوعیت علاقائی ہے اور جو برطانیہ فرانس، امریکہ کے مخصوص سیاسی و معاشرتی حالات کی پیداوار ہیں، وہاں بنیادی انسانی حقوق کا تصور انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ابھرا ہے۔...... ان حقوق

۱- Raphael. D. D. /Political theory and the Rights of Man. P. 96.

(حوالہ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق ص ۹۳،)

کی حیثیت محض مطالبات اور خواہشات کی تھی۔ مزید یہ کہ ان کی پشت پر کوئی قوتِ نافذہ (Sanction) موجود نہیں تھی، ان میں سے ہر حق اس وقت حق قرار پایا جب مملکت کے مروّجہ قانون اور دستور نے اسے تسلیم کر کے سند جواز مہیا کی۔ اہل مغرب یوں تو پوری نبی نوع انسان کے لئے "بنیادی انسانی حقوق" کی علمبرداری کے دعویدار ہیں، لیکن تاریخی تناظر میں ان کا طرز عمل ہمیشہ برعکس رہا۔ ان کا تصور حقوق ان کے نظریہ قومیت اور نسلی امتیاز پر مبنی ہے وہ اپنی قوم، سفید نسل کے لئے جن بنیادی حقوق کی ضمانت چاہتے ہیں، دوسری قوموں اور نسلوں کو ان کا مستحق نہیں سمجھتے۔(۱) چنانچہ مغربی دنیا کی پوری تاریخ ماضی اور حال اس حقیقت کی گواہ ہے کہ ان کی دستاویزات، معاہدات اور نام نہاد منشوروں کو انسانی حقوق کے بجائے حقوق عصبیت، حقوق وطنیت اور حقوق قومیت کا نام دینا زیادہ مناسب ہے۔

فرانس کے "منشور انسانی حقوق" کو جب آئین میں شامل کیا گیا تو ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی گئی کہ!

> "اگرچہ کالونیاں، ایشیاء، افریقہ اور امریکہ میں فرانسیسی مقبوضات سلطنت فرانس کا حصہ ہیں لیکن اس آئین کا اطلاق ان پر نہ ہوگا۔(۲)

مغرب کے "نظریہ انسانی حقوق" میں یہ امر قدر مشترک ہے کہ وہ جن حقوق کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں انہیں نہ صرف دوسری اقوام تک وسعت دینے کے قائل نہیں بلکہ مقدور بھر کوشش صرف کر کے اس میں مصروف کار رہتے ہیں کہ ان کے سوا یہ حقوق کسی اور کو نہ ملنے پائیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع کی مغربی دنیا کے انسانی حقوق کے منشوروں اور دستاویزات پر اوّلیت اور تاریخی فوقیت

انسانیت کے محسن اعظم ہادیٔ عالم حضرت محمد ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع مجریہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ / ۶ مارچ ۶۳۲ء کی اہمیت و عظمت اور انسانی حقوق کے حوالہ سے حقوق انسانی کے سب سے بڑے علمبردار ﷺ کے کردار کو ملاحظہ فرمائیں

۱۔ ایضاً ص ۵۳ ۲۔ حوالہ بالا ص ۵۴

کہ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان کو منشور حقوق انسانی "خطبہ حجۃ الوداع" ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں عطا فرمایا، اور مغرب کا نظریہ "انسانی حقوق" میگنا کارٹا (Magna carta) کی دستاویز مجریہ ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو عالم وجود میں آیا ہے، اس طرح مغربی دنیا کا "انسانی حقوق" کا سفر تاریخی حوالہ سے تیرہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ مغربی دنیا کے نظریہ انسانی حقوق کے پیچھے کسی قسم کی قوت نافذہ (Sanction) کا کوئی تصور نہیں، جیسا کہ ہم تنقیدی جائزہ میں بیان کر چکے ہیں کہ مغرب کا "تصور انسانی حقوق" علاقائیت، وطنیت، قومیت اور رنگ و نسل کے متعصبانہ نظریہ پر مبنی ہے جو کہ سراسر انسانی اخوت اور انسانیت کے یکسر منافی ہے۔

"انسانی حقوق" پر مشتمل تاریخ ساز دفعات جو پیغمبر اسلام ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کی ہمہ گیر دستاویز انسانی حقوق میں انسانیت کے احترام اور حقوق کے تحفظ و تضاد کے سلسلہ میں جاری فرمائیں وہ مغربی دنیا کے "انسانی حقوق" کے آغاز وارتقاء تک تمام "انسانی حقوق" کے منشور اور دستاویز پر فوقیت رکھتی ہے۔

اس مثالی اور تاریخ ساز خطبہ میں انسانیت کے نام "منشور انسانی حقوق" کے محض رسمی فرمان اور اجراء پر آپ ﷺ نے اکتفاء نہیں فرمایا! بلکہ اس کے تحفظ اور عملی نفاذ کے لئے مؤثر و مربوط عملی اقدامات فرما کر اپنی حیات طیبہ ہی میں اپنے قائم کردہ مدنی معاشرے میں نافذ العمل فرمادیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے "خطبہ حجۃ الوداع" کو اس لحاظ سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ آپ ﷺ کا عطا کردہ منشور انسانیت دائمی اور عالمگیر حیثیت کا حامل ہے، پیغمبر اسلام ﷺ عربوں کے پیغمبر نہ تھے، وہ پیغمبر عالم بن کر دنیا کی ہدایت اور انسانیت کی رہنمائی کے لئے عالمگیر دین اسلام اور ابدی تعلیمات لے کر عالم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

آپ ﷺ نے بنی نوع انسانی کو "حقوق و فرائض" کا جو مثالی اور ہمہ گیر منشور عطا فرمایا ہے وہ عالمگیر اور پوری دنیا کی انسانیت کے لئے ہے، وہ مغرب کے نظریہ حقوق کی طرح محض تصورات اور قیاس و افکار پر مرتبہ دستور نہیں بلکہ خالق

انسانیت کا انسانیت کی فلاح وصلاح کا ضامن منشور انسانیت ہے۔

اور نہ مغرب کے تصور حقوق کی طرح علاقائیت، وطنیت، قومیت او
مخصوص اقوام کے تحفظ حقوق کا دستور ہے نہ اس میں محض ایک خطہ، علاقہ
مخصوص رنگ و نسل کی قوم کو حقوق عطا کر کے ان کے مفادات کا تحفظ کیا گیا ہو۔

یہ تاریخی اور تقابلی جائزہ، اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اظہار ہے
کہ انسانیت کے محسن اعظم سید عرب و عجم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منشور
انسانیت "خطبہ حجۃ الوداع" اوّلیت، ومانع ہے اور عالمگیر ہونے کے اعتبار سے، ہر معیار
کے لحاظ سے، نام نہاد دساتیر حقوق اور انسانی حقوق کے منشوروں پر ابدی فوقیت اور
تاریخی اوّلیت رکھتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ حقوق انسانی کا اوّلین،
جامع، مؤثر ترین مثالی اور بے نظیر نافذ العمل منشور ہے۔ مزید برآں محسن انسانیت
صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ شرف آدمیت وانسانیت بلند تر کرنے اور انسانوں کے
حیثیت انسان حقوق کی حفاظت وپاسداری سے عبارت ہے۔

"خطبہ حجۃ الوداع" کی عظمت اور تاریخی اہمیت اور انسانی حقوق کے تحفظ اس
کے عملی نفاذ پر اور اس امر پر جو بنی نوع انسان کو پہلی مرتبہ جو اتنا جامع، مثالی اور
ابدی منشور عطا کیا گیا اس کی دفعات پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کی
اہمیت و عظمت سامنے آسکے۔

خطبہ حجۃ الوداع کی انفرادیت و جامعیت

اور اس میں عطا کردہ انسانی حقوق

(۱)...... انسانی جان، مال، عزت و آبرو اور اولاد کے تحفظ کا حق۔
(۲)...... امانت کی ادائیگی، قرض کی واپسی، اور جائیداد کے تحفظ کا حق۔
(۳)...... سود کے خاتمہ کا تاریخی اعلان، انسانیت پر احسان عظیم۔
(۴)...... پرامن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔
(۵)...... ملکیت، عزت نفس، اور منصب کے تحفظ کا حق۔
(۶)...... انسانی جان کے تحفظ اور قصاص ودیت۔ (قانونی) مساوات کا حق۔

(Relating to Retaliation and Blood Money)

(۷)...... انسانی مساوات کا حق اور نسلی تفاخر و طبقاتی تقسیم کے خاتمہ کا تاریخی اعلان۔
(۸)...... عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان۔ (۹)...... غلاموں کے حقوق کا انقلابی اور عملی اعلان۔ (۱۰)...... عالمگیر انسانی مساوات اور مواخات کا حق۔
(۱۱)...... انسانیت کے منشور اعظم "خطبۂ حجۃ الوداع" کے تحفظ اور اس کے نافذ العمل بنانے کا اعلان عام۔

"خطبۂ حجۃ الوداع" میں عطا کردہ انسانی حقوق کی اس فہرست کو غور سے دیکھئے ایسا جامع ہمہ گیر اور مثالی منشور انسانیت پوری انسانی تاریخ کا واحد منشور اعظم ہے۔ جس میں اتنی وضاحت کے ساتھ حقوق و فرائض کی تعیین کی گئی کہ پوری دنیا میں انسانی حقوق کے حوالہ سے ایسا منشور انسانیت پیش نہیں کیا گیا۔

محسن انسانیت علیہ کا "خطبۂ حجۃ الوداع" اس لحاظ سے بھی امتیازی مقام اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس تاریخ ساز خطبہ میں کئے گئے تمام اعلانات، ہدایات اور تعلیمات کو آپ علیہ کی حیات طیبہ ہی میں عمل کیا گیا۔ مثالی مدنی معاشرہ میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے اصولوں پر عملاً نافذ العمل اور آئینی شکل میں اسلامی دستور کا جزو لاینفک بنادیا گیا تھا۔

بالخصوص عہد نبوی علیہ کے مدنی معاشرہ اور عہد خلافت راشدہ کے فلاحی عہد (۱ھ تا ۴۰ھ / ۶۳۲ء تا ۶۶۱ء) اور بعد کے مثالی اسلامی ادوار میں جس طرح عمل کیا گیا، اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق اس پر گواہ ہیں۔

اقوام متحدہ کے "منشور انسانی حقوق" مجریہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء جس پر اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی نام نہاد مغربی دنیا نازاں ہے، اس میں عطا کردہ انسانی حقوق تمام کے تمام جو انسانیت نوازی اور انسان دوستی سے عبارت ہے۔ من و عن تمام کے تمام محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خطبۂ حجۃ الوداع" مجریہ ۶ مارچ ۶۳۲ء میں پہلے سے موجود ہیں۔ جو اقوام متحدہ کے "منشور انسانی حقوق" سے صدیوں پیشتر نہ صرف رسمی طور پر عطا کئے گئے بلکہ انہیں نافذ کرے۔ اسلامی مملکت اور دستور کا جزو لاینفک قرار پائے دیا گیا۔

اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق اور انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ حجۃ الوداع کے متن کے تقابل سے یہ ناقابل تردید حقیقت و افادیت سامنے آجائے گی۔

بابِ سوم

مغربی دنیا اور انسانی حقوق

(تاریخی اور تنقیدی جائزہ)

باب سوم

مغربی دنیا اور انسانی حقوق

﴿تاریخی اور تنقیدی جائزہ﴾

جیساکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام، محسن انسانیت ﷺ نے بنی نو انسان کو انسانی حقوق کا انتہائی جامع، مثالی، تاریخی اور عالمگیر اہمیت کا حامل "نظریہ انسانی حقوق" عطا فرما کر مغربی دنیا کے نظریہ انسانی حقوق کی طرح مبہم، نا قابل نفاذ، نا قابل عمل نظریہ انسانی حقوق جاری کر کے محض اس کے رسمی اعلان و فرمان پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے انسانی حقوق کا انتہائی جامع، ہمہ گیر اور بے نظیر منشور انسانیت عطا فرما دیا اور اسے دوام و استحکام بخشنے کے لئے اپنے قائم کردہ مد معاشرہ میں نافذ العمل بنایا اور اسے اسلامی دستور حیات کا لازمی حصہ قرار دیا۔

منصب نبوت سے پہلے معاہدۂ حلف الفضول ۵۸۶ء، اور منصب رسالت کے بعد میثاق مدینہ (۶۲۳ء)، خطبۂ فتح مکہ ۶۳۰ء، اور خطبۂ حجۃ الوداع (۶۳۲ء)، او بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ انسانی حقوق اور حقوق اللہ کی جدوجہد اور اس کے نفاذ سے عبارت ہے۔ (حقوق العباد کی اہمیت اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے)۔

رسالتمآب ﷺ کی اقوال و اعمال، تعلیمات و ہدایات جو انسانی حقوق سے متعلق ہیں، ان میں "معاہدۂ حلف الفضول" حقوق انسانی کی تحریک میں مبدأ آغاز او خطبۂ حجۃ الوداع کو منتہائے ارتقاء ہونے کا تاریخی شرف حاصل ہے، اور اس طرح بنی نوع انسان اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ "انسانی حقوق" کے نظریہ سے متعارف اور حقوق و فرائض کی تعلیمات سے آگاہ ہوا۔

آغاز وارتقاء ...... تاریخی اور تعارفی جائزہ

ان ابتدائی اور تمہیدی کلمات کے بعد مغربی دنیا میں انسانی حقوق کے آغاز و ارتقاء کا مختصر تاریخی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مغرب میں انسانی حقوق کی جدوجہد کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے کیا جاتا ہے جہاں ۱۰۳۷ء میں شاہ کانریڈ دوم (Conrad-II) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کئے۔

۱۱۸۸ء میں شاہ الفانسو نہم (Al Fonso IX) سے حبس بے جا کا اصول تسلیم کرایا گیا۔

۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا (1215 Magna Carta) جاری ہوا جسے وولٹیر نے منشور آزادی قرار دیا۔(۱)

میگنا کارٹا ﴿منشور اعظم ۱۲۱۵ء﴾

انگلستان کا شاہ جان (King John) جو ۱۱۹۹ء سے ۱۲۱۶ء میں اپنی معزولی تک برطانیہ کا حکمراں رہا نہایت ظالم و جابر حکمراں تھا، اسی لئے تاریخ میں اسے (John The Tyrant) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امراء (Barons) کے دباؤ کے تحت اس نے ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو اس منشور پر دستخط کر دیئے جو تاریخ میں "منشور اعظم" کے نام سے مشہور ہے اور جسے انگلستان کے دستوری ارتقاء میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

اس منشور میں حکمرانی کے بنیادی اور مسلّمہ اصول کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کی پابندی بادشاہ اور امراء ہر دو پر لازم تھی۔ اس میں انفرادی آزادی کی ہر وہ دفعہ شامل ہے کہ کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر سزا نہیں دی جا سکتی اور عوام کو جو آزادیاں حاصل ہیں برقرار رہیں گی۔ نیز امراء کے مشورہ کے بغیر بادشاہ کو من مانے طریقہ پر

☆☆

۱۔ محمد صلاح الدین ربنیادی حقوق، ص ۴۲،

رقم خرچ کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہ منشور گویا انگلستان کے عوام کی آزادی کا پروانہ تھا اور انگلستان کی جمہوریت کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔

چنانچہ ۱۲۱۵ء میں جب انگلستان کی پارلیمنٹ رسمی طور پر معرض وجود میں آئی تو اس منشور کی بنیاد پر دستوری قانون منظور ہوا جسے اسٹاچیوٹ آف ویسٹ منسٹر (Statute of West Minister) کہا جاتا ہے۔

یہ انگلستان کے امراء (Barons) کی اسی مجلس اعلیٰ کی ترقی یافتہ شکل تھی، جو ویسٹن (Wistan) یعنی عقلمندوں اور داناؤں کی مجلس کہلاتی تھی اور پارلیمنٹ کے وجود میں آنے سے پہلے بادشاہوں کے لئے اس کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابندی لازمی تھی، جس کے اوپر منشور اعظم کے ذریعہ تصدیق ثبت کردی گئی۔(۱)

منشور اعظم میگنا کارٹا کی تاریخی حقیقت اور آئینی حیثیت :

اس میں شک نہیں کہ "میگنا کارٹا" برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم اور تاریخی دستاویز ہے لیکن اس کا یہ مفہوم بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے۔

اس کے اجراء کے وقت اس کی حیثیت محض امراء (Barons) اور شاہ جان (King John) کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی جس میں امراء کے حقوق کا تحفظ کیا گیا تھا۔ عوام کے حقوق سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔(۲)

مغربی دنیا کے نام نہاد منشور اعظم میگنا کارٹا مجریہ ۱۲۱۵ء کی حقیقت و حیثیت جسے مغربی دنیا کی تاریخ انسانی حقوق کا اہم قدم، اور نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے خود مغربی دانشور محقق ہنری مارش (Hanry Marsh) کے تبصرہ کی روشنی واضح ہو جاتی ہے۔

☆☆......۱۔ ول ڈیورنٹ، آرئیل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، مترجم محمد بن علی باوہاب، یونائیٹڈ بک کارپوریشن کراچی ۱۹۹۶ء، ص ۱۷۴۔

۲۔ محمد صلاح الدین / بنیادی حقوق ص ۴۲۔

وہ کہتا ہے!

"متمول جاگیر داروں کے ایک محض منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی"(۱)

قانون چارہ جوئی ۱۳۵۵ء :

۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے "میگنا کارٹا" کی توثیق کرتے ہوئے قانون چارہ جوئی (Dueprocess of Law) منظور کیا جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی چارہ جوئی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اسے سزائے موت دی جاسکتی تھی۔

چودھویں سے سولہویں صدی عیسوی تک یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا، جس نے آمریت کو استحکام بخشا۔

سترھویں صدی عیسوی میں انسان کے فطری حقوق کا نظریہ قوت سے ابھرا۔

قانون حبس بے جا ۱۶۷۹ء :

۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ذریعہ حبس بے جا (Habeas Corpus) کا قانون منظور ہوا جس نے عام شہریوں کو بلا جواز گرفتاری سے تحفظ فراہم کردیا۔

فطری قانون (Law of Nature)

امریکہ کا اعلان آزادی ۱۷۷۶ء

۱۲ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکہ کا اعلان آزادی جاری ہوا، اس کا مسودہ تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson) کا تحریر کردہ تھا، اس اعلان کے ابتدائیہ

☆☆.....۱۔ Hanry Marsh / Documents of Liberty. England. 1971. P.51.

میں "فطری قانون" (Law of Nature) کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ تمام انسان یکساں پیدا کئے گئے ہیں، انہیں ان کے خالق نے غیر منفک حقوق عطا کئے ہیں، جن میں تحفظ زندگی، آزادی اور تلاش مسرت کے حقوق شامل ہیں۔

۱۷۸۹ء میں امریکی کانگریس نے آئین کے نفاذ کے تین سال بعد اس میں دس ترمیمات منظور کیں، جو قانون حقوق کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی سال فرانس نے منشور انسانی حقوق (Declaration of The Rights of Man) منظور کیا۔

۱۷۹۲ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے مشہور کتابچہ "حقوق انسانی" (The Rights of Man) شائع کیا، جس نے مغرب میں انسانی حقوق کی جدوجہد کو آگے بڑھایا۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاستوں کے دساتیر میں "بنیادی حقوق" (Fundamental Human Rights) کی شمولیت ایک عام روایت بن گئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد نئے یورپی ممالک کے دساتیر میں "بنیادی حقوق" شامل کئے گئے۔

۱۹۴۰ء میں مشہور ادیب ایچ۔جی۔ویلز (H.G. Wells) نے اپنی کتاب "دنیا کا نیا نظام" (New World Order) میں منشور انسانی حقوق کے اجراء کی تجویز پیش کی۔

اگست ۱۹۴۱ء میں منشور اوقیانوس (Atlantic Charter) پر دستخط ہوئے جس کا مقصد بقول چرچل انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد تحریری دساتیر میں بنیادی حقوق کی شمولیت مزید عام ہو گئی، فرانس نے اپنے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو شامل کیا، اسی سال جاپان نے بنیادی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا، ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کی ضمانت دی۔(۱)

☆☆......۱۔ محمد صلاح الدین / بنیادی حقوق ص ۴۵۔

اقوام متحدہ کا حقوق انسانی کا منشور ۱۹۴۸ء :

مغربی دنیا میں انسانی حقوق کی ان کوششوں کے نتیجہ میں جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حقوق انسانی سے متعلق عالمی اعلان منظور کیا جس کے تحت حقوق انسانی کے تحفظ اور حصول کی ذمہ داری بین الأقوامی برادری نے قبول کی۔

یہ اعلان ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے اور ان دفعات کا براہ راست تعلق شہری، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے ہے۔

اعلان کی دفعات تین سے اکیس تک جن شہری اور سیاسی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے ان میں!

زندہ رہنے کا حق، فرد کی آزادی اور سلامتی، غلامی اور تابعداری سے آزادی، ظلم و تشدد، توہین آمیز برتاؤ یا سزا سے نجات، قانون کے تحت مادی تحفظ، عدالت کے ذریعہ شکایت کا ازالہ، غیر قانونی گرفتاری، نظر بندی یا جلاوطنی سے نجات، ایک آزاد اور غیر جانبدار ٹریبونل کے ذریعہ الزامات کی منصفانہ اور کھلی عدالت میں سماعت، اس وقت تک بے قصور تصوّر کیے جانے کا حق جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے۔

خلوت، خاندانی امور گھریلو معاملات یا خط و کتابت کی بے قاعدہ اور ناجائز طریقہ پر روک تھام سے آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، سیاسی پناہ لینے کا حق، حقوق شہریت حاصل کرنے کا حق، شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق، جائیداد کی ملکیت کا حق، خیالات، ضمیر اور مذہب کی آزادی، رائے اور خیالات کے اظہار کی آزادی، میل جول اور جماعت سازی کی آزادی، حکومت میں شریک ہونے کی آزادی اور سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق شامل ہے۔

دفعات ۲۲ تا ۲۷ کا تعلق اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق سے ہے۔ اعلان کی آخری دفعات ۲۸ تا ۳۰ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر شخص ایسے سماجی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں ان حقوق اور آزادی کو من و عن تسلیم کیا گیا ہے۔(۱)

☆☆...... ۱۔ اقوام متحدہ کے متعلق بنیادی حقائق، مطبوعہ دفتر اطلاعات عامہ اقوام متحدہ اسلام آباد ۱۹۷۳ء، ص ۸۸۔۸۹،

Universal Declaration of Human Rights

On December 10, 1940, the general Assembly of the United Nations adopted and proclaimed the universal Declaration of Human Rights, the full text of which is reproduced as under:

PREAMBLE

Whereas recognition of the inherent dignity and of the equal and inalienable rights of all members of the human family is the foundation of freedom, justice and peace in the world.

Whereas disregard and contempt for human rights have resulted in barbarous acts which have outraged the conscience of mankind, and the advent of a world in which human beings shall enjory freedom of speech and belief and freedom from fear and want has been proclaimed as the highest aspiration of the common people.

Whereas it is essential, if man is not to be compelled to have recourse, as a last resort, to rebellion against tyranny and oppression, that human rights should be pro-

tected by the rule of law.

Whereas it is essential to promote the development of friendly relations between nations.

whereas the peoples of the United Nations have in the Charter reaffirmed their faith in fundamental human rights, in the dignity and worth of the human person and in the equal rights of men and women and have determined to promote social progress and better standards of Life with larger freedom,

whereas Member States have pledged themselves to achieve, in co-operation with the United Nations, the promotion of universal respect for and observance of human rights and fundamental freedoms.

whereas a common understanding of these rights and freedoms is of the greatest importance for the full realization of this pledge,

Now Therefore,

THE GENERAL ASSEMBLY

proclaimis.

THIS UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS as a common standard of achievement for all peoples and all nations, to the end that every individual, and every organ of society, keeping this Declaration constantly in mind, shall strive by teaching and education to promote respect for these rights and freedoms and by progressive measures, national and inter-national, to secure their universal and effective recognition and observance, both among the peoples of Member States themselves and among the peoples of territories under their jurisdiction.

Article 1. All human beings are born free and equal in dignity and rights, They are endowed with reason and conscience and should act towards one another in a spirit of brotherhood.

Article 2. Everyone is entitled to all the rights and freedoms set forth in this Declaration, without distinction of any kind, such as race, colour, sex, language, religion, political or other opinion, national or social origin, property, birth or other status.

Furthermore, no distinction shall be made on the basis of the political, jurisdictional or international status of the country or territory to which a person belongs. Whether it be independent, thust, non-self governing or under any other limitation of sovereignty.

Article 3. Everyone has the right to life, liberty and security of person.

Article 4. No one shall be held in slavery or servitude; slavery and the slave trade shall be prohibited in all their forms.

Article 5. No one shall be subjected to torture or to cruel, inhuman or degrading treatment or punishment.

Article 6. Everyone has the right to recognition everywhere as a person before the law.

Article 7. All are equal before the law and are entitled without any discrimination to equal protection of the law. All are entitled to equal protection against any discrimination in violation of this Decleration and against any incitement to such discrimination.

Article 8. Everyone has the right to an effective remedy by the competent national tribunals for acts violating the fundamental rights granted him by the constitution or by law.

Article 9. No one shall be subjected to arbitrary arrest, detention or exile.

Article 10. Everyone is entitled in full equality to a fair and public hearing by an independent and inpartial tribunal, in the determination of his rights and obligations and of any criminal charge against him.

Article 11. (1) Everyone charged with a penal offence has the right to be presumed innocent until proved guilty according to law in a public trial at which he has had all the guarantees necessary for his defence.

(2) No one shall be held guilty of any penal offence on account of any act or omission which did not constitute a penal offence, under national or international law, at the time when it was committed. Nor shall a heavier penalty be imposed than the one that was applicable at the time the penal offence was committed.

Article 12. No one shall be subjected to arbitrary interference with his privacy, family, home or correspondence, nor to attacks upon his honour and reputation. Everyone has the right to the protection of the law against such interference or attacks.

Article 13. (1) Everyone has the right to freedom of movement and residence within the borders of each state.

(2) Ever yone has the right to leave any country, including his own, and to return to his country.

Article 14. (1) Everyone has the right to seek and to enjoy in other countries asylum from persecution.

(2) This right may not be invoked in the case of prosecutions genuinely arising from non-political crimes or from acts contrary to the purpoacs and principles of the United Nations.

Article 15. (1) Everyone has the right to a nationality.

(2) No one shall be arbitrarily deprived of his nationality nor denied the right to change his nationality.

Article 16. (1) Men and Women of full age, without any limitation due to race, nationality or religion, have the right to marry and to found a family. They are entitled to equal rights as to marriage, during marriage and at its dissolution.

(2) Marriage shall be entered into only with the free and full consent of the intending spouses.

(3) The family is the natural and fundamental group unit of society and is entitled to protection by society and the State.

Article 17. (1) Everyone has the right to own property alone as well as in association with others.

(2) No one shall be arbitrarily deprived of his property.

Article 18. (1) Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion, this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.

Article 19. (1) Everyone has the right to freedom of opinion and expression; this right includes freedom to hold opinions without interference and to seek, receive and impart information and ideas through any media and regardless of frontiers.

Article 20. (1) Everyone has the right to freedom of peaceful assembly and association.

(2) No one may be compelled to belong to an association.

Article 21. (1) Everyone has the right to take part in the government of his country, directly or through freely chosen representatives.

(2) Everyone has the right of equal access to public service in his country.

(3) The will of the people shall be the basis of the authority of government; this will shall be expressed in periodic and genuine elections which shall be by universal and equal suffrage and shall be held by secret vote or by equivalent free voting procedures.

Article 22. (1) Everyone as a member of society, has the right to social security and is entitled to realization, through national effort and international co-operation and in accordance with the organization and resources of

each State, of the economic, social and cultural rights indispensable for his dignity and the free development of his personality.

Article 23. (1) Everyone has the right to work, to free choice of employment. to just and favourable conditions of work and to protection against unemployment.

(2) Everyone, without any discrimination, has the right to equal pay for equal work.

(3) Everyone, who works has the right to just and favourable remuneration ensuring for himself and his family an existence worthy of human dignity, and supplemented, if necessary, by other means of social protection.

(4) Everyone, has the right to form and to join trade unions for the protection of his interests.

Article 24. (1) Everyone has the right to rest and leisure, including reasonable limitation of working hours and periodic holidays with pay.

Article 25. (1) Everyone has the right to a standard of living adequate for the health and well-being of himself and of his family, including food. clothing,housing and medical care and necessary social services, and the right to security in the event of unemployment, sickness, disability, widowhood, old age or other lack of livelihood in circumstances beyond his control.

(2) Motherhood and childhood are entitled to special care and assistance. All childern, whether born in or out of wedlock, shall enjoy the same social protec-

tion.

Article 26. (1) Everyone has the right to education. Education shall be free, at least in the elementary and fundamental stages. Elementary education shall be compulsory. Technical and professional education shall be made generally available and higher education shall be equally accessible to all on the basis of merit.

(2) Education shall be directed to the full development of the human personality and to the strengthening of respect for human rights and fundamental freedoms. It shall promote understanding, tolerance and friendship among all nations, racial or religious groups, and shall further the activities of the United Nations for the maintenance of peace.

(3) Parents have a prior right to choose the kindg of education that shall be given to their children.

Article 27. (1) Everyone has the right freely to participate in the cultural life of the community, to enjoy the arts and to share in scientific advancement and its benefits.

(2) Everyone has the right to the protection of the moral and material interests resulting from any scientific, literary or artistic prodution of which he is the author.

Article 28. (1) Everyone is entitled to a social and international order in which the rights and freedoms set forth in this Declaration can be fully relized.

Article 29. (1) Everyone has duties to the community in which alone the free and full development of his personality is possible.

(2) In the exercise of his rights and freedoms, everyone shall be subject only to such limitations as are determined by law solely for the purpose of securing due recognition and respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the general welfare in a democratic society.

(3) These rights and freedoms may in no case be exercised contrary to the purposes and priniciples of the United Nations.

Article 30. (1) Nothing in this Declaration may be interpreted as implying for any State, group or person any right to engagne in any activity or to perform any act aimed at the destruction of any of the rights and freedoms set forth herein. (1)

---

1)- Justice V.R. Krishna Lyer / Human Rights And the Law, Vedpal Law House, India. 1986.P. 333-338.

انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ

﴿اقوام متحدہ کا عالمی منشور انسانی حقوق﴾

تمہید

ہر گاہ کہ نوع انسانی کے جملہ افراد کی فطری تکریم اور ان کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہیں۔

ہر گاہ کہ انسانی حقوق کو نظر انداز کرنے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کا نتیجہ ایسے وحشیانہ اعمال کی صورت میں نکلا ہے، جنہوں نے انسانیت کے ضمیر کو روند ڈالا، اور یہ کہ اب باقاعدہ طور پر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ ایک عام آدمی کی سب سے بڑی تمنا ایک ایسی دنیا کی تخلیق ہے جس میں تمام انسان آزادی رائے، عقیدہ سے اور خوف اور محتاجی سے آزاد زندگی سے لطف اندوز ہوں۔

ہر گاہ کہ اگر آخری چارۂ کار کے طور پر جبر اور استبداد کے خلاف انسان کو بغاوت پر اترنے کے لئے مجبور نہیں کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ قانون کی حکومت کے ذریعے انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

ہر گاہ کہ یہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

ہر گاہ کہ اقوام متحدہ کی اقوام نے منشور میں بنیادی انسانی حقوق پر، انسان کی تکریم و قدر و قیمت پر اور مردوں و عورتوں کے مساوی حقوق پر اپنے ایمان کی توثیق کی ہے اور تہیہ کیا ہے کہ سماجی ترقی اور بہتر معیار زندگی کو وسیع تر آزادی کے

ساتھ فروغ دیا جائے۔

ہرگاہ کہ رکن ریاستوں نے باہم عہد کیا ہے کہ اقوام متحدہ سے تعاون کرتے ہوئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا عالمگیر طور پر احترام اور ان کی پابندی کے عمل کو فروغ دیں گی۔

ہرگاہ کہ ان حقوق اور آزادیوں کے بارے میں عام مفاہمت انتہائی اہم تاکہ اس عہد کو مکمل طور پر پورا کیا جائے۔

لہٰذا اب جنرل اسمبلی تمام اقوام کے لئے حصول کے عام معیار کے طور انسانی حقوق کے اس عالمگیر اعلامیہ کا اعلان کرتی ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کے لئے احترام کو فروغ دینے کے لئے بتدریج اقدامات کے ذریعے قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہر فرد اور معاشرے کا ہر عضو، اس اعلامیہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھتے ہوئے تعلیم و تعلم کے ذریعے جدوجہد کرے گا تاکہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مابین ان کے زیر تسلط علاقوں میں بھی، ان کو عالمگیر طور پر اور مؤثر طریقے سے تسلیم کیا جائے اور ان کی پابندی کی جائے۔

﴿۱﴾

تمام انسان آزاد اور تکریم و حقوق کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں پیدائشی طور پر عقل اور ضمیر عطا کیا جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا چاہیے۔

﴿۲﴾

ہر شخص کسی بھی قسم کے امتیاز جیسے نسل، رنگ، جنس، مذہب، سیاسی یا دیگر رائے، قومی یا معاشرتی اصل، جائیداد، پیدائشی یا کسی دیگر حیثیت کے بغیر، اس اعلامیہ میں مذکور تمام حقوق اور آزادیوں کا مستحق ہے۔

مزید برآں اگر کوئی ملک یا علاقہ حاکمانہ اختیار رکھتا ہو یا کسی اور بین الاقوامی حیثیت کا مالک ہو، خواہ یہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا اقوام متحدہ کے زیر انتداب ہو یا

حکومت خود اختیاری میں ہو یا محدود اخود مختار ہو، تو ان سب سے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

﴿۳﴾

ہر شخص زندگی، آزادی اور اپنی ذات کے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

﴿۴﴾

کسی شخص کو غلام کی حیثیت سے یا غلامی میں نہیں رکھا جائے گا، غلامی اور غلامی کی تجارت اپنی تمام صورتوں میں ممنوع ہوگی۔

﴿۵﴾

کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا، یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی۔

﴿۶﴾

ہر شخص ہر جگہ قانون کے سامنے ایک فرد کی حیثیت سے پہچانے جانے کا حق رکھتا ہے۔

﴿۷﴾

قانون کی نظر میں سب مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی امتیاز کے بغیر مساوی قانونی تحفظ کا حق رکھتے ہیں، ان کو اس اعلامیہ کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی امتیاز کے بغیر تحفظ حاصل ہے اور اس امتیاز پر اشتعال پیدا کرنے کی صورت میں بھی۔

﴿۸﴾

دستور یا قانون نے جو بنیادی حقوق عطا کیے ہوں، ان کے خلاف ورزی کرنے پر متاثرہ شخص کو مجاز قومی عدالتوں سے مؤثر دادرسی حاصل کرنے کا حق ہے۔

﴿۹﴾

کسی شخص کو من مانے طور پر محبوس یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

﴿۱۰﴾

ہر شخص مکمل مساوات کے ساتھ اس امر کا مستحق ہے کہ آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں اس کے حقوق اور فرائض کے تعین میں اور اس کے خلاف فوجداری جرم میں منصفانہ اور کھلے بندوں سماعت کی جائے۔

﴿۱۱﴾

(۱)...... ہر شخص، جس پر کسی تعزیری جرم کا الزام لگایا جائے، اس امر کا حق رکھتا ہے کہ اسے اس وقت تک بے گناہ سمجھا جائے، جب تک کھلی عدالت میں قانون کے مطابق وہ قصوروار ثابت نہ ہو جائے، جب کہ اس عدالت میں دفاع کے لئے اسے ضروری سہولتوں کی ضمانت میسّر ہو۔

(۲)...... کسی شخص کو ایسے فعل یا ترک فعل کی وجہ سے تعزیری جرم کا مجرم قرار نہیں دیا جائے گا، جو ایسے جرم کے ارتکاب کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کی رو سے تعزیری جرم کی حیثیت نہیں رکھتا تھا، نہ ہی اس سے شدید سزا دی جائے گی، جو ارتکاب جرم کے وقت اطلاق پذیر تھی۔

﴿۱۲﴾

من مانے طور پر کسی شخص کی خلوت، خاندان، گھر یا خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی اس کی عزت اور شہرت پر کوئی حملہ کیا جائے گا۔ ہر شخص کو ایسی مداخلت یا حملے کے خلاف قانون کے تحفظ کا حق حاصل ہو گا۔

﴿۱۳﴾

(۱)...... ہر شخص کو اس کے ملک کے حدود میں نقل و حرکت اور رہائش کی آزادی کا حق ہو گا۔

(۲)...... ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ بشمول اپنے ملک کے کسی ملک کو چھوڑ سکتا ہے۔ اور اپنے ملک میں واپس آسکتا ہے۔

﴿۱۴﴾

(۱)...... ہر شخص ایذا رسانی سے بچنے کے لئے دوسرے ملکوں میں پناہ لے سکتا ہے اور اس پناہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔

(۲)...... یہ حق اس صورت میں استعمال نہیں ہو سکے گا جب غیر سیاسی جرائم کے نتیجے میں دی جانے والی اذیت جائز طور پر دی جائے یا اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف افعال کے ارتکاب کے نتیجے میں دی جانے والی اذیت جائز طور پر دی جائے۔

﴿۱۵﴾

(۱)...... ہر شخص کو کوئی قومیت اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲)...... کسی شخص کو اس کی قومیت سے من مانے طور پر محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کی قومیت تبدیل کرنے کے حق سے انکار کیا جائے گا۔

﴿۱۶﴾ ×

(۱)...... پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر، باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے۔ شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلے میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

(۲)...... شادی کے خواہش مند جوڑوں کی آزاد اور پوری مرضی سے ہی شادی کی جاسکے گی۔

(۳)...... خاندان معاشرے کا قدرتی اور بنیادی اکائی گروپ ہے اور معاشرے اور ریاست کی طرف سے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

﴿۱۸﴾

ہر شخص آزادی خیال، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس

حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی اور اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل، اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے۔

﴿۱۹﴾

ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔

﴿۲۰﴾

(۱)...... ہر شخص کو پرامن اجتماع اور جماعت سازی کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

(۲)...... کسی شخص کو کسی جماعت سے ملحق ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

﴿۲۱﴾

(۱)...... ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا آزادی سے منتخب رہنماؤں کے ذریعے اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لے۔

(۲)...... ہر شخص کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مساوی رسائی کا حق حاصل ہے۔

(۳)...... عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقفہ وقفہ سے اور ایسے صحیح انتخابات کے ذریعہ ظاہر کی جائے گی جو عالمگیر اور مساوی رائے دہندگی پر مبنی ہوں اور خفیہ یکساں آزاد رائے دہی کے طریقہ پر عمل میں آئے گی۔

﴿۲۲﴾

معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل

ہے اور قومی کوششوں اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعے اور ہر ریاست کی تنظیم اور ذرائع کے مطابق ایسے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق، جو اس کی شخصیت کی تکریم اور آزاد نشوونما کے لئے ضروری ہوں، حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

﴿۲۳﴾

(۱)...... ہر شخص کو کام، ملازمت کا آزادانہ انتخاب، کام کے منصفانہ اور موافق حالات اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲)...... ہر وہ شخص کو بلاامتیاز مساوی تنخواہ اور مساوی کام کا حق حاصل ہے۔

(۳)...... ہر شخص جو کام کرتا ہے، ایسے منصفانہ اور موافق معاوضے کا حق رکھتا ہے جو اس کو اور اس کے خاندان کو زندہ رکھے، اسے انسانی تکریم کے قابل بنائے اور اگر ضروری ہو، معاشرتی تحفظ کے دیگر ذرائع سے اس میں اضافہ کرے۔

(۴)...... ہر شخص اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مزید یونین بنانے اور اس میں شامل ہونے کا حق رکھتا ہے۔

﴿۲۴﴾

ہر شخص آرام و تفریح کا حق رکھتا ہے، اس حق میں اوقات کار اور با تنخواہ موقت تعطیل کے بارے میں تحدید کا حق شامل ہے۔

﴿۲۵﴾

(۱)...... ہر شخص کو ایسے معیار زندگی کا حق حاصل ہے جو اس کی اور اس کے خاندان کی صحت اور بہبود، بشمول غذا، لباس، رہائش، طبی دیکھ بھال اور ضروری سماجی خدمات کے حصول کے لئے کافی ہو، اور وہ بے روزگاری، بیماری، معذوری، بندگی، پیرانہ سالی یا اس کے اختیار سے باہر کے حالات میں واقع ہونے والی عدم روزگار کی دیگر صورت حال میں تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

(۲)...... ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے۔ تمام

بچّے، خواہ وہ شادی کے نتیجہ میں پیدا ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں، یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

﴿۲۶﴾

(۱)...... ہر شخص کو تعلیم کے حصول کا حق حاصل ہے۔ تعلیم مفت ہو گی، کم از کم ابتدائی اور بنیادی سطح پر۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہو گی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم عمومی طور پر میسّر کی جائے گی اور اعلیٰ تعلیم تک اہلیت کے مطابق یکساں طور پر ہر شخص کی رسائی ہو گی۔

(۲)...... تعلیم کا مقصد انسانی شخصیّت کی مکمل نشو و نما اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کی پختگی کا حصول ہو گا۔ تعلیم تمام اقوام، نسلی اور مذہبی گروہوں میں مفاہمت، رواداری اور دوستی کو فروغ دے گی اور قیام امن کے لئے اقوامِ متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(۳)...... والدین کو اپنے بچّوں کو دی جانے والی تعلیم کے انتخاب کا ترجیحی حق حاصل ہو گا۔

﴿۲۷﴾

(۱)...... ہر شخص کو آزادانہ طور پر معاشرے کی ثقافتی زندگی میں حصہ لینے، فنونِ لطیفہ سے حظ اٹھانے اور سائنسی ترقی اور اس کے فوائد سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے۔

(۲)...... ہر شخص سائنسی، ادبی اور فنونِ لطیفہ کی تخلیقات، جس کا کہ وہ شخص خالق ہو، کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اخلاقی اور مادّی فوائد کے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

﴿۲۸﴾

ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظم کا حق رکھتا ہے جس میں اس اعلامیہ میں مندرج حقوق اور آزادیوں کو پورے طور پر حاصل کیا جا سکے۔

﴿۲۹﴾

(۱)...... ہر شخص ایسے معاشرے کے قیام کا ذمہ دار ہے جس میں اس کی شخصیت کی آزاد اور مکمل نشوونما ممکن ہو۔

(۲)...... اپنے حقوق اور آزادیوں سے استفادہ کرتے ہوئے ہر شخص صرف ایسی پابندیوں کی متابعت کرے گا جو قانون کے ذریعے مقرر کی جائیں گی اور ان قوانین کا صرف یہ مقصد ہوگا کہ دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو تسلیم کرایا جائے اور ایک جمہوری معاشرے میں اخلاق، نظم عامہ اور بہبودی عامہ کے منصفانہ تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

(۳)...... ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف کاموں میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔

﴿۳۰﴾

اس اعلامیہ میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہیں کی جائے گی جس سے کسی ریاست، گروہ یا فرد کو یہ حق ملے کہ وہ اس میں شامل حقوق اور آزادیوں کو تباہ کرنے کے مقصد سے کوئی سرگرمی یا فعل انجام دے سکے۔(۱)

اس منشور میں جن حقوق اور آزادیوں کا اعلان کیا گیا ہے انہیں بعد میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک فہرست میں معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو یکجا کر دیا گیا اور دوسری فہرست میں شہری اور ریاستی حقوق کو۔ جنرل اسمبلی نے ۱۹۶۶ء میں ان دو عہد ناموں (Covenants) کی منظوری دی اور رکن ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ جو ملک رضاکارانہ طور پر ان حقوق کو تسلیم کرتا ہو وہ ان عہد ناموں پر دستخط کر دے۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس سلسلہ میں مزید کچھ کام کیا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں اس نے بچوں کے حقوق سے متعلق اور ۱۹۶۳ء میں نسلی

☆☆...... ۱۔ ماہنامہ نوائے قانون اسلام آباد، دسمبر، جنوری ۱۹۹۶ء

امتیاز کے انسداد کے لئے ایک اعلان جاری کیا۔ جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کی روک تھام کے لئے، ۱۹۵۱ء میں مہاجرین اور جلاوطن لوگوں کے تحفظ کے لئے، ۱۹۵۲ء میں خواتین کے سیاسی حقوق کے لئے، ۱۹۵۷ء میں شادی شدہ عورتوں کی قومیت کے تعین کے لئے، ۱۹۵۱ء میں غلامی کے مکمل انسداد اور خاتمہ کے لئے، اور ۱۹۶۵ء میں جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کی مذمت کے لئے مختلف عہد نامے اور قراردادیں منظور کیں۔

اقوام متحدہ کے خصوصی اداروں مثلاً بین الاقوامی ادارہ محنت (I.L.O) یونیسکو بین الاقوامی ادارہ مہاجرین (I.R.O.) اور ہائی کمشنر برائے مہاجرین نے بھی اپنے اپنے دائرۂ عمل میں انسانی حقوق کے تعین و تحفظ کے لئے کام کیا۔(۱)

☆☆......۱۔ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق ص ۹۰،

تنقیدی جائزہ

﴿۱﴾ تاریخی اور قانونی نقطۂ نظر

مغرب میں خود چونکہ انسان کی حقیقت اور حیثیت کے بارے میں کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے اس لئے اس کی زندگی سے متعلق تمام بنیادی مسائل میں زبردست فکری الجھاؤ ہے، دوسرے مسائل کی طرح "بنیادی انسانی حقوق" کے تعین کا مسئلہ بھی اسی فساد فکر و نظر کا شکار رہا ہے۔

مغرب میں حقوق مستقل اقدار (Permenent Vaues) کی حیثیت نہیں رکھتے، ان کا کوئی دائمی اور آفاقی مآخذ و معیار بھی نہیں ہے۔

تمام مآخذ یا تو تصوراتی ہیں یا پھر قانون حبس بے جا، میگنا کارٹا، قانون حقوق، فرانس کے منشور انسانی حقوق اور امریکی آئین کی دس ترمیمات کی طرح وہ دستاویزات ہیں جن کی نوعیت خالصتاً علاقائی ہے۔

اور جو برطانیہ، فرانس اور امریکہ کے مخصوص سیاسی معاشرتی حالات کی پیداوار ہیں، وہاں "بنیادی حقوق" کا تصور انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ابھرا ہے اور ان حقوق نے عوام اور بادشاہ یا حکمرانوں کے درمیان تقسیم اختیارات کی طویل کشمکش جوں جوں آگے بڑھتی گئی حقوق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، گویا آج جنہیں بنیادی انسانی حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ کل تک بنیادی انسانی حقوق نہ تھے اور اگر تھے تو ان کی حیثیت گویا ایک آرزو اور خواہش کی سی تھی۔ جس کی پشت پر کوئی قوت نافذہ (Sanction) موجود نہیں تھی۔

ان میں سے ہر حق اس وقت قرار پایا، جب ملک کے مروّجہ قانون ودستور نے اسے تسلیم کر کے سند جواز مہیا کی۔

اب مغرب کے تصوّر (نظریہ) حقوق کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیجئے!

اہل مغرب یوں تو پوری بنی نوع انسان کے لئے "بنیادی حقوق" کی علمبرداری کے دعویدار ہیں، لیکن تاریخی تناظر میں ان کا طرز عمل اس کے برعکس نظر آتا ہے۔

مغرب کا تصوّر حقوق ان کے نظریہ قومیت اور نسلی امتیاز پر مبنی ہے۔

وہ اپنی قوم یا سفید نسل کے لئے جن بنیادی حقوق کی ضمانت چاہتے ہیں، دوسری قوموں اور نسلوں کو ان کا مستحق نہیں سمجھتے۔

فرانس کے منشور انسانی حقوق کو جب آئین میں شامل کیا گیا تو ساتھ ہی صراحت بھی کر دی گئی کہ!

> "اگرچہ کالونیاں اور ایشیا اور افریقہ میں فرانسیسی مقبوضات سلطنت فرانس کا حصہ ہیں لیکن اس آئین کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا۔(۱)

یہی حال پوری مغربی دنیا کا ہے۔ ان کے ہاں حقوق، اور انسانی حقوق سے متعلق تمام دستاویزات محض ان کے اپنے ممالک اور علاقوں کے باشندوں تک محدود رہے۔ انہیں انسانی حقوق کی دستاویزی قرار دینا سراسر مغالطہ آرائی اور تاریخی حقیقت کی من مانی تردید ہے۔

مغربی ممالک کا تصور حقوق انسانی نہیں، بلکہ نسلی، علاقائی، قومی نظریاتی اور رنگ و نسل کے امتیازات اور تعصبات سے آلودہ ہے۔ وہ جن حقوق کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں انہیں نہ صرف دوسری اقوام تک وسعت دینے کے قائل نہیں بلکہ انہوں نے پوری قوت صرف کر کے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان کے سوا یہ حقوق کسی اور کو نہ ملنے پائیں۔

☆☆

۱۔ محمد صلاح الدین / بنیادی حقوق ص ۵۳۔۵۴۔

اقوامِ متحدہ کے ”منشور انسانی حقوق“ کی حقیقت اور آئینی حیثیت

مغربی مفکرین اور مقننین کا اعترافِ حقیقت

﴿تنقیدی جائزہ﴾

اقوام متحدہ کے ”منشور انسانی حقوق“ کی حقیقت، آئینی حیثیت، نیز اقوام متحدہ کی اپنے جاری کردہ منشور انسانی حقوق کی عملی سطح پر عدم نفاذ کی صورت میں اس کی بے بسی اور بے چارگی کا حال خود اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹ کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے!

”کمیشن برائے انسانی حقوق نے منشور کے نفاذ سے متعلق ایک قرارداد منظور کی جس میں اس امر کی صراحت کر دی گئی کہ!
کمیشن تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق سے متعلق شکایات کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں رکھتا۔(۱)
نیز اقوام متحدہ کے تحت ریاستیں جنہیں منشور انسانی حقوق کے نفاذ کا پابند کیا گیا ہے اگر وہ اس کو نافذ نہیں کرتیں اور ان کے ہاں کھلے عام انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے اور انسانی حقوق تو کجا انسانیت کی بھی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں تو یہ اقوام متحدہ جس نے حقوق انسانی کا عالمی نام نہاد منشور جاری کیا ہے یہ قانونی حق رکھتا ہے کہ کسی ملک میں اس کے عدم نفاذ کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کر سکے یا قانونی طور پر ریاستیں اور اقوام متحدہ کے رکن ممالک انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے پابند ہیں؟

☆☆

1-Gaius Ezejiofor / Protection of Human Rights Under the Law. P.80.

اس سلسلہ میں مغربی مقنن، ہینز کیلسن (Hans Kelson) کا منصفانہ اور بے لاگ تبصرہ دیکھئے!

"خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں۔ منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں فراہم کرنے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔(1)

اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کی اصل حیثیت اس وقت سامنے آتی ہے جب اقوام متحدہ کے رکن ممالک اور ریاستیں اپنے علاقوں اور ممالک میں انسانی حقوق کی اور انسانیت کے خلاف انسانیتؐ سوز مظالم اور بھیانک جرائم کو اپنے ممالک کا داخلی معاملہ دے کر اقوام متحدہ اور اس کے نام نہاد "منشور انسانی حقوق" کو منہ چڑاتی اور اس کے جھنڈے تلے، اس کے نام نہاد منشور انسانی حقوق کی کھلی مخالفت کر کے منشور کی دھجیاں اڑاتی ہیں اس طرح اقوام متحدہ بے بس اور بے اقتدار نظر آتی ہے۔

اس کی چند مثالیں فلسطین، کشمیر، بوسنیا، روانڈا، اور اس طرح متعدد رکن ممالک میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جہاں اقوام متحدہ بے بس رہی اور انسانیت جس کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کا وجود رکھا گیا تھا آہوں سسکیوں اور فریادوں کے ساتھ دم توڑتی رہی۔

"بین الاقوامی عدالت انصاف" جو اقوام متحدہ کا سب سے بڑا عدالتی ادارہ ہے وہ کسی فرد کو یہ حق فراہم نہیں کرتا کہ وہ اقوام متحدہ کے "منشور انسانی حقوق" میں فراہم حقوق کے سلب ہونے پر بین الاقوامی عدالت انصاف سے اپیل کر سکے۔

کارل منہائم (Karl Mannheim) کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے!

☆☆

1. Hans Kelson / The law of United Nations. P.29

وہ لکھتا ہے!

منشور نے کسی فرد کو یہ قانونی حقوق نہیں دیا کہ وہ منشور کردہ حقوق اور آزادیوں میں سے کسی ایک کے سلب ہونے پر بین الاقوامی عدالت انصاف (InternationalCourt of Jus-tice) سے اپیل کر سکے۔(۱)

گویا ریاست کے افراد انسانی حقوق کی پامالی پر اس اقوام متحدہ کی عدالت کا دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹا سکتے، جسے اقوام متحدہ (جس نے انسانیت کو نام نہاد منشور انسانی حقوق عطا کیا ہے) کا سب سے بڑا قانونی عضو تصور کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اقوام متحدہ کی بین الاقوامی عدالت انصاف کا دائرہ اختیار بھی محدود ہے، چنانچہ بین الاقوامی عدالت انصاف عدالت کے دائرہ اختیار (Competence of the Court) کی دفعہ ۳۴۔(۱) میں صراحت کے ساتھ درج ہے کہ عدالت کے روبرو مقدمات کی فریق صرف ممالک اور ریاستیں ہی ہو سکتی ہیں۔(۲)

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ "اقوام متحدہ" کوئی مقتدر ریاست نہیں جس کے فیصلے اور احکامات لازمی طور پر رکن ممالک اور ریاستوں پر نافذ العمل اور واجب ہوں، بلکہ ریاستوں کو ان کے انکار کا حق حاصل ہے۔

ڈاکٹر رافیل (Raphael) کا بے لاگ اور حقیقت پسندانہ تبصرہ ملاحظہ کیجئے!

"یہ نام نہاد معاشی اور سماجی حقوق کوئی بین الاقوامی فرض اور ذمہ داری عائد نہیں کرتے۔(۳)

☆☆

1-Karl Mannheim / Diagonosis of ourt ime.London 1947. P.15

۲۔ اقوام متحدہ کے متعلق بنیادی حقائق ص ۱۷، (شائع کردہ دفتر اطلاعات اقوام متحدہ اسلام آباد ۱۹۷۳ء)

3-Raphael. D.D/ Political Theory and the Right of Man. P.96

☆...... حوالہ محمد صلاح الدین / بنیادی حقوق ص ۹۳۔

﴿۲﴾ دینی اور اسلامی نقطۂ نظر

انسانی حقوق آج کی دنیا میں سب سے زیادہ زیرِ بحث آنے والا موضوع ہے اور یہ مغرب کے ہاتھ میں ایک ایسا فکری ہتھیار ہے، جس کے ذریعے وہ مسلم ممالک اور تیسری دنیا پر مسلسل حملہ آور ہے۔ مغرب نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے چارٹر کو مسلّمہ معیار کا درجہ دے کر کسی بھی معاملہ میں اس سے الگ رویہ رکھنے والے تیسری دنیا اور عالم اسلام کے ممالک کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کی مہم شروع کر رکھی ہے، جس میں اسے عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام اور تیسری دنیا میں اپنی ہم نوا لابیوں کا بھرپور تعاون حاصل ہے اور اس نظریاتی و فکری یلغار میں ملت اسلامیہ کے عقائد و احکام اور روایات و اقدار سب سے زیادہ مغربی دانشوروں، لابیوں اور ذرائع ابلاغ کے حملوں کی زد میں ہیں۔

اس کشمکش میں جب ہم اسلام کے عقائد و احکام پر مغربی دانشوروں کے حملوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ یلغار عقائد و احکام اور معاشرت کے تمام شعبوں پر محیط نظر آتی ہے اور اگر آپ گزشتہ ایک دہائی کے دوران پیش آنے والے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے حالات کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو صورت حال کا نقشہ کچھ یوں نظر آئے گا۔

(۱)...... سلمان رشدی کو مغربی ممالک اور ذرائع ابلاغ نے صرف اس "کارنامے" پر آزادیٔ رائے کا ہیرو بنا کے پیش کیا ہے کہ اس نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مسلمانوں کے بے پایاں عشق و محبت پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور ملت اسلامیہ کے اس اجماعی عقیدہ کا دائرہ توڑنا چاہا کہ جناب رسالتمآب ﷺ ہر قسم کے اختلاف، اعراض اور تنقید سے بالاتر اور غیر مشروط اطاعت کا مرکز ہیں۔

۞...... تسلیمہ نسرین صرف اس "جرأت رندانہ" پر مغرب کی آنکھوں کا تارا بن گئی ہے کہ اس نے قرآن کریم کے ناقابل تغیر و تبدل ہونے کے عقیدہ پر یہ کہہ

کر ضرب لگانے کی کوشش کی کہ آج کے حالات کی روشنی میں قرآن کریم میں ترامیم کی ضرورت ہے۔

⊛ ...... معاشرتی جرائم کی اسلامی سزاؤں، ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے اور کوڑے مارنے کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے، پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی گردانا گیا ہے اور پاکستان میں برائے نام نافذ چند اسلامی تعزیراتی قوانین کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کی طرف سے مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

⊛ ...... توہین رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سزا کے قانون کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے اور اس قانون کے خاتمہ کے لئے دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں کی طرف سے توہین رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتکب افراد کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کا سلسلہ جاری ہے۔

⊛ ...... قادیانیت کو اسلام سے الگ مذہب قرار دینے اور قادیانیوں کو اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مذہبی شعائر کے استعمال سے روکنے کے قانونی و آئینی اقدامات کو بھی انسانی حقوق کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے اور قادیانیوں کو مظلوم قرار دے کر امریکہ کی طرف سے ان کے خلاف مذکورہ اقدامات واپس لینے پر زور دیا جا رہا ہے۔

⊛ ...... اسلام کے معاشرتی اور خاندانی نظام کو معاشرت کے موجودہ عالمی نظام کے منافی قرار دیا جا رہا ہے اور خاندانی زندگی کے بارے میں بیشتر مسلم ممالک میں مروّجہ قوانین کو عالمی معیار کے مطابق بدل دینے کی تلقین کی جا رہی ہے، جس میں شادی کے لئے مذہب کی شرط کو ختم کرنے، آزادانہ جنسی تعلقات کے بھرپور مواقع کی فراہمی، ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے اور بن بیاہی ماؤں اور ناجائز بچوں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے کے تقاضے بھی شامل ہیں۔

⊛ ...... سلام کے عقائد واحکام کے ساتھ مسلمانوں کی غیر مشروط اور وفادارانہ

وابستگی کو "بنیاد پرستی" قرار دیا جارہا ہے اور ایسی دینی تحریکات پر "دہشت گردی" کا لیبل چسپاں کر کے انہیں عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مسلسل کردار کشی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو متعدد مسلم ممالک میں اسلامی عقائد و احکام کے ساتھ وابستگی کی بناء پر ریاستی تشدد کا نشانہ بننے کی وجہ سے اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئی ہیں۔ یا غیر مسلم ممالک میں موجود مسلم اقلیتوں کی آزادی اور ان کے اسلامی تشخص کے تحفظ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔

یہ ہے ایک سرسری خاکہ، مغرب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سامنے آنے والے اعتراضات اور تقاضوں کا جو گزشتہ ایک عشرہ کے دوران منظم مہم اور مربوط نظریاتی جنگ کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور جن کے سامنے مسلم ممالک کی بیشتر حکومتیں "سپر انداز" ہوتی چلی جارہی ہیں۔

اس نظریاتی معرکہ اور فکری جنگ میں بنیادی حیثیت اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا انسانی حقوق کمیشن کے فیصلوں اور قراردادوں کو حاصل ہے۔ "انسانی حقوق کا چارٹر" متن ہے اور جنیوا کنونشن کے فیصلے اور قراردادیں اس کی شرح ہیں جو اس نظریاتی جنگ میں مغرب کے ہاتھ میں ایک مضبوط ہتھیار کا کام دے رہی ہیں۔ مغرب کا کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے والے تمام ممالک نے انسانی حقوق کے اس چارٹر پر دستخط کر کے اسے تسلیم کر لیا ہے، اس لئے وہ اس کے پابند ہیں اور جن ممالک میں اس چارٹر کے منافی قوانین نافذ ہیں وہ اس بین الاقوامی معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ممالک خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اس عالمی معاہدہ کی پابندی کریں اور اپنے اپنے ملک میں رائج قوانین میں ترامیم کر کے انہیں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

یہ چارٹر دراصل مغربی فلسفۂ حیات اور ویسٹرن سولائزیشن کا نقطۂ عروج ہے، جس کے پیچھے یہ سوچ کارفرما ہے کہ مذہب کا تعلق صرف عقیدہ، عبادات اور اخلاقیات سے ہے جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ عقیدہ عبادات اور اخلاقیات میں جو رجحان چاہے اختیار کرے اور یہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے، جس سے ریاست یا کوئی

اتھارٹی کسی قسم کا تعرض نہ کرے، البتہ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات مثلاً
ست، قانون، ایڈمنسٹریشن، تجارت، زراعت اور معیشت کے ساتھ مذہب کا کوئی
بطہ نہیں ہے اور ان امور میں ہر قوم اپنے اجتماعی یا اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی
ی نظام اختیار کر سکتی ہے اور وہ نظام مذہب کی کسی بھی قید یا چھاپ سے آزاد ہو گا اسے
طلاحی طور پر سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی سیکولرازم کو قبول کرنے کا ہم
ے تقاضہ کیا جا رہا ہے۔

اقوامِ متّحدہ کے منشور انسانی حُقوق کی اسلام سے متصادم اور اسلامی عقائد و نظریات کے منافی دفعات

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کی پہلی دفعہ میں تمام انسانوں کو
ادی اور حقوق کے ساتھ ساتھ تکریم میں بھی برابر قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اسلام تمام
نانوں کو تکریم کا یکساں مستحق تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا اصول "ان اکرمکم عند
لله اتقکم" ہے کہ جو اچھے کردار کا حامل ہے وہ تکریم کا مستحق ہے اور جس کا کردار
سانی اخلاق کے مطابق نہیں ہے وہ تکریم کا حق دار نہیں ہے۔ اس پس منظر میں چارٹر
ادفعہ ۵ کا جائزہ لیا جائے تو جرائم کی اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے کی وجہ بھی
بجھ میں آجاتی ہے۔ دفعہ ۵ کا عنوان ہے "تشدد کا خاتمہ" اور اس میں کہا گیا ہے کہ

> "کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں منایا جائے گا اور کسی شخص
> کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا یا ایسی
> سزا نہیں دی جائے گی"

گویا اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق کسی مجرم کو دی جانے والی سزا کا تشدد
ور تذلیل کی آمیزش سے خالی ہونا ضروری ہے اور جس سزا میں ان میں سے کوئی عنصر

موجود ہو گا وہ انسانی حقوق کے منافی قرار پائے گی، اسی بنا پر ہاتھ کاٹنے، کوڑے مار
اور سنگسار کرنے کی سزاؤں کو انسانی حقوق کے خلاف ورزی سے تعبیر کیا جا چکا
جبکہ اسلام میں جرائم پر سخت سزاؤں کا مقصد ہی یہ ہے کہ مجرم کو نصیحت ہو اور د
والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اس کے بعد چارٹر کی دفعہ ۱۶ پر ایک نظر ڈال لیجے
میں کہا گیا ہے کہ :

"پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے، شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں۔"

اس دفعہ میں اسلامی تعلیمات کی رو سے چند باتیں غور طلب ہیں، پہلی بات
کہ پوری عمر سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اسلامی احکام میں شادی کے لئے عمر کی کوئی
نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ "مذہب کی کسی تحدید کے بغیر" کا مطلب واضح
کوئی مسلمان مرد کسی بھی غیر مسلم عورت سے اور کوئی مسلمان عورت کسی بھی
مسلم مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ جبکہ یہ اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی ہے۔ تیس
بات یہ کہ شادی کی تنسیخ کے سلسلہ میں دونوں کے مساوی حقوق کا تصور بھی اسلا
احکام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام نے طلاق کے بارے میں واضح ترجیحات قائم کی
اور دونوں کو یکساں حقوق بہر حال نہیں دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ چارٹر کی دفعہ ۲۵
شق ۲ کو بھی شامل کر لیں، جس میں کہا گیا ہے کہ :

"ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں، یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔"

اور ان دونوں دفعات کے ساتھ گزشتہ برس قاہرہ میں منعقد ہونے
اقوام متحدہ کی بہبود آبادی کانفرنس کی سفارشات کو بھی سامنے رکھیں جن میں
ممالک سے تقاضہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عوام کو آزادانہ جنسی اختلاط کے مواقع فر

کریں، اسقاط حمل کی سہولتوں کو سماجی تحفظ سے بہرہ ور کریں اور ہم جنسی کو قانونی جواز کی سند دے دیں۔

اب آپ ان تمام امور کے اشتراک کے ساتھ خاندانی زندگی سے متعلقہ قوانین کے بارے میں اس "عالمی معیار" کو سمجھنے کی کوشش کریں، جسے اپنانے کی تمام ممالک کو تلقین کی جارہی ہے اور یہ تقاضا کیا جارہا ہے کہ اگر کسی ملک میں اس معیار کے خلاف عائلی قوانین نافذ ہیں تو وہ ان میں ترامیم کر کے انہیں اس عالمی معیار کے مطابق ڈھال لے۔

کم و بیش یہی صورت حال آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ عقیدہ، آزادیٔ رائے اور آزادیٔ اظہار کے حوالہ سے انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی تصریحات کی بھی ہے، جو چارٹر کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں :

> "ہر شخص کو آزادیٔ خیال، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا حق حاصل ہے، اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل کرنے، اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے۔"
>
> "ہر شخص کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔"

ان دونوں دفعات پر ایک بار پھر غور کر لیجئے اور سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، پاکستان کے چند مسیحی گستاخان رسول اور قادیانیوں سمیت ان تمام طبقوں اور گروہوں کے مبینہ حقوق کا جائزہ لیجئے جن کی پامالی کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغرب کی حکومتیں

اور ذرائع ابلاغ انسانی حقوق کے حوالہ سے مسلمانوں کے طرز عمل کو مسلسل ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔(۱)

اقوامِ متّحدہ کے منشورِ انسانی حقوق اور خطبۂ حجۃ الوداع کا

﴿تقابلی جائزہ﴾

اقوام متحدہ کے "منشور انسانی حقوق" پر خود مغربی مصنفین اور مفکرین کے منصفانہ تجزیوں اور ان کی قانونی مبصرانہ آراء کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسان کی اجتماعی کوششیں بھی اس کے لئے پرُ وقار اور آبرومندانہ زندگی کی کوئی ضمانت مہیا نہیں کر سکیں۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں حکومتوں کی قہرمانی کے سامنے جتنا بے بس و بے اختیار پہلے تھا اتنا ہی آج بھی ہے۔ بلکہ حکومتوں کے دائرۂ کار اور اس کے اختیارات میں مسلسل وسعت و اضافے نے بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کو بالکل بے معنی بنا دیا ہے۔

منشور انسانی حقوق کی حیثیت ایک خوشنما دستاویز سے کچھ زیادہ نہیں، اس میں حقوق کی ایک فہرست تو مرتب کر دی گئی ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک حق بھی اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا۔ یہ نہ ریاستوں پر قانونی پابندی عائد کر کے انہیں بنیادی حقوق سلب کر لینے سے باز رکھنے کا کوئی اہتمام کرتا ہے اور نہ کسی فرد کے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے کسی قانونی چارہ جوئی کا کوئی نظام مہیا کرتا ہے۔

اس طرح یہ منشور تحفظ انسانی حقوق کے معاملہ میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے۔ اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں۔ اس کے بالمقابل انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے

☆☆

۱۔ سہ ماہی الشریعہ گوجرانوالہ، (مولانا زاہد الراشدی، مضمون، اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات)، جنوری ۱۹۹۶ء

عطا کردہ انسانی حقوق اپنے پیچھے مؤثر مربوط منظم قوتِ نافذہ رکھتے ہیں۔ انسانی حقوق اسلام کے نظریۂ حیات کا لازمی اور دائمی حصہ ہیں، جنہیں حقوق العباد کے زمرے میں احکامات، تعلیمات اور انتہائی تاکیدی ہدایات کے ساتھ عملی نفاذ اور تحفظ کی یقینی اور حتمی ضمانت فراہم کر دی گئی ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کا فراہم کردہ تصور و نظریہ انسانی حقوق جس کی انتہائی واضح اور عملی صورت ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کی صورت میں پوری اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے ایک جامع، ہمہ گیر اور دائمی ''منشور انسانیت'' ہے جو محض اقوام متحدہ کے نام نہاد ''منشور انسانی حقوق'' کی طرح فرد یا افراد کو مملکت یا حکمرانوں کے حوالہ نہیں کرتی، بلکہ معمولی سے معمولی حق کی سلبی پر بھی حکمراں عام انسانوں کے سامنے جواب دہ ہے اور حکمراں کے سامنے انتہائی قوت و اقتدار اور حکمرانوں کے حکمراں خالق کائنات رب السمٰوات والأرض، مقتدرِ اعلیٰ کی ذات موجود ہے۔ جس کے سامنے نہ صرف وہ بلکہ پوری انسانیت جواب دہ ہے۔

انسانی تاریخ کے بے نظیر اور مثالی مسلم حکمراں مُرادِ رسول (ﷺ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد خلافت ۱۴ھ تا ۲۴ھ / ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء، جن کی مملکت کا کل رقبہ ۲۲۵۰۳۰ مربع میل تھا۔ جو شام، مصر، عراق، جزیرہ، خزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان، مکران (جس میں بلوچستان بھی شامل تھا) اس اقلیم سلطنت کے بلا شرکت غیرے حکمراں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ کا دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوت، رعایا اور حکمراں یا فرد اور ریاست کی حیثیت کی تعیین اور حکمراں خلیفۃ المسلمین کا عوام اور عام مسلمانوں کے سامنے جواب دہ ہونے کی انسانی تاریخ کی روشن دلیل ہے!

> ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعہ پر عوام کی قوت احتساب کی آزمائش کے لئے دوران خطبہ کہا کہ میں معاملات میں ڈھیل اختیار کروں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت بشیر بن سعدؓ نے تلوار سونت کر کہا کہ ہم تمہیں سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوش ہو کر کہا کہ الحمد للہ! قوم میں ایسے افراد موجود ہیں کہ میں ٹیڑھا چلوں تو سیدھا کر دیں گے۔" (۱)

اسی بات کا اثر تھا کہ ایک موقعہ پر جبکہ آپ کسی مسئلے پر تقریر کر رہے تھے ایک معمولی سا شخص دوران تقریر کھڑا ہو کر تلخ و کرخت لہجے میں یوں گویا ہوا!

"اتق اللّٰہ یا عمر! اے عمر! اللہ سے ڈرو"

ایک ہی تقریر میں ایک ہی شخص نے یہ مداخلت بار بار کی تو تمام حاضرین اس بے محابا انداز تنقید پر چراغ پا ہو گئے اور چاہا کہ اس کا منہ کر دیں، عرب و عجم کا عادل منصف وہ حکمراں جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کے دل دہل جاتے تھے، وہ بندۂ مومن کمال صبر سے بر سر منبر یہ زہری چھوکے مسلسل سہہ رہا تھا اور اُف تک نہیں کر رہا تھا لوگوں کے اشتعال پر خفا ہو گیا نہیں نہیں۔ خوف و خشیت میں، ڈوبی ہوئی آواز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے تابانہ نکلی نہیں۔ کہنے دو، اگر یہ لوگ نہیں کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ سنیں تو، ہمارا مصرف کوئی نہیں۔ (۲)

بازنطینی دربار سے وابستہ ابتدائی عہد کے مسلمان سفیر حضرت معاذ بن جبل نے ان الفاظ میں اسلام کا جمہوری تصور پیش کیا!

"ہمارا خلیفہ ہمیں میں سے ایک ہے۔ جب تک وہ ہماری کتاب (قرآن) پر عمل کرے گا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلے گا ہم اسے اپنا خلیفہ مانیں گے۔ ورنہ ہم اسے الگ کر دیں گے، اگر وہ چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اگر وہ زنا کرے گا ہم اسے سنگسار کر کے ہلاک کر دیں گے۔ اگر وہ کسی کو برا بھلا کہے گا تو اسے بھی برا بھلا کہا جائے گا۔ اگر وہ کسی کو ضرر پہنچائے گا تو اسے معاوضہ دینا پڑے گا اس کی حیثیت ہم میں سے ہر ایک کی مانند ہے۔ (۳)

☆☆

۱۔ شبلی نعمانی / الفاروق، مطبوعہ نامی پریس کانپور انڈیا ۱۸۹۸ء (طبع قدیم)، ص ۵۱۱،

۲۔ قاضی ابو یوسف / کتاب الخراج، طبع بولاق ۱۳۰۲ھ، بالجزیرۃ الرسمیہ اللبنانیہ، ص ۷،

۳۔ بحوالہ نور احمد / مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، فیروز سنز کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۲۱۳،

پیغمبر اسلام ﷺ کے عطاکردہ انسانی حقوق اسلامی دستور حیات کا جزو لاینفک ہیں اور اس کے نفاذ کی ذمہ داری دین اسلام نے مسلم حکمرانوں اور اولوالامر افراد پر عائد کی ہے، یہ نظریہ و دستور حقوق اقوام متحدہ کے نام نہاد "منشور انسانی حقوق" کی طرح محض رسمی اور علامتی دستاویز حقوق نہیں اور نہ ہی قوت نافذہ کی عدم موجودگی کا مضحکہ خیز مسئلہ یہاں نظر آتا ہے بلکہ یہ ایک ایسے انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کا عطاکردہ منشور اعظم ہے، جو صرف خطۂ عرب کے لئے، یا عرب قوم و مخصوص عہد کے لئے نہیں، بلکہ اسلام کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بناکر بھیجے گئے اور یوں آپ ﷺ کا عطاکردہ منشور انسانی حقوق بلا تفریق پوری انسانی دنیا کے لئے ہے اور آپ ﷺ نے ان حقوق کی ذمہ داری اور نفاذ کے لئے مسلم حکمرانوں کو پابند فرمایا ہے۔

اس طرح یہ کہنا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے نظریۂ حیات اور انسانی حقوق کے پس پردہ اور اس کے اوپر قوت نافذہ موجود ہے اور اس کے نفاذ کی ذمہ داری ان پر عائد کی گئی ہے۔

جانشین پیمبر خلیفۂ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بمطابق ۷ جون ۶۳۲ء بیعت عامہ کے بعد مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر تاریخی خطبہ خلافت دیا۔ جس کے بارے میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس خطبہ میں آپ نے عام انسانوں کے حقوق کے پیچھے نافذہ حکمراں کی شکل میں ہوگی اور حکمراں عام انسانوں اور رعیت کے حقوق کے نفاذ کا پابند اور جواب دہ ہے اس اسلامی فلسفہ کی حقیقت کی وضاحت صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے خالق کائنات کی حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد فرمایا!

امّابعد! ایّھاالنّاس! فانّی ولیت علیکم ولست نجیرکم فان احسنتُ فاعینونی، وان اساتُ فقوّمونی، الصّدق أمانة، والکذب خیانة، والضّعیف منکم قویّ

عندی حتّٰی أریح علّة، انشاء اللّٰه، والقوىّ فیکم ضعیف حتّٰی آخذ منه الحق انشاء اللّٰه ......
اطیعونی ما أطعت اللّٰه ورسوله، فإذا عصیت اللّٰه ورسوله فلاطاعة لی علیکم ، (۱)

"لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو، اگر برا کام کروں تو مجھ کو سیدھا کر دو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے۔ چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کر دوں گا، اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، چنانچہ اس سے حق لوں گا (طاقت ور کی زور آوری، زور دستی اور کمزور و مظلوم کے حقوق کا استحصال کرنے والوں کے خلاف گویا اعلان جہاد ہے۔)...... جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔"

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تاریخی خطبۂ خلافت کے یہ اقتباسات انتہائی فصاحت وبلاغت اور جامعیت کے ساتھ اس حقیقت کی ترجمانی کر رہے ہیں کہ اسلامی ریاست کا مقتدر اعلیٰ جو حکمراں کی صورت میں عوام کے اوپر حاکم ہے وہ بھی عام انسانوں کے سامنے جواب دہ اور انسانی حقوق کی پامالی اور عدم نفاذ کی صورت میں قابل احتساب ہے، نیز رعایا اور عام انسانوں کے بنیادی حقوق کی ذمہ داری اور قوت نافذہ اس کے ذمہ ہے۔

☆☆

ا۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، مطبعۃ السعادۃ مصر القاہرۃ ۱۳۵۸ھ، ۵/۲۴۸۔

بابِ چہارم

خطبہ حجۃ الوداع

حقوق انسانی کا مثالی اور ابدی منشور

باب چہارم

خُطبۂ حجۃ الوداع، حُقوقِ انسانی کا مثالی اور ابدی منشور

﴿تاریخی اور تحقیقی جائزہ﴾

"خطبۂ حجۃ الوداع" اور مغرب کے نظریۂ انسانی حقوق کے تقابلی اور تنقیدی جائزہ کے بعد (خطبۂ حجۃ الوداع" کے انسانی حقوق سے متعلق دفعات اور تعلیمات کا جاہلی دور کی تہذیب (اسلام سے قبل عرب معاشرہ) اور مذاہب عالم کی تاریخ کی روشنی میں ~~تحقیقی اور تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ~~ انسانی حقوق کے اس دائمی اور عالمی منشور "خطبۂ حجۃ الوداع" کی تاریخی اہمیت اور محسن انسانیت ﷺ کے کردار اور انسانیت پر احسان عظیم کی عظمت واضح ہو سکے۔

ذیل میں حقوق انسانی کے نبوی منشور "خطبۂ حجۃ الوداع" کی دفعات سے ترتیب وار بحث کی جاتی ہے۔)

محسن انسانیت ﷺ کے عطا کردہ حقوق کا تہذیب

اقوام اور مذاہبِ عالم سے تاریخی اور تقابلی جائزہ

جان، مال، عزت و آبرو اور اولاد کے تحفظ کا حق:

أیها الناس ...... انّ ذماء کم وأموالکم و أعراضکم وابشارکم و أولادکم حرام علیکم(۱)

"اے لوگو! بلاشبہ تمہارے خون، اور تمہارے مال، تمہاری

۱۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۲ / ۶۰۳، ابن سعد / الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۲ / ۱۸۴، ۱۸۶، ابن عبدالبر / الدرنی اختصار المغازی والسیر، دار المعارف، ۱۴۰۳ھ، ص ۲۲۳۔

عزتیں، تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے
لئے قابل احترام ہیں"

جان، مال، عزت و آبرو اور اولاد کے تحفظ کے حق کے اس اعلان سے قبل عہد جاہلیت (اسلام سے قبل عرب معاشرہ) کی تاریخ و تہذیب کا مطالعہ کیجئے، جہاں نہ کسی انسانی جان کے تحفظ کی ضمانت تھی، نہ جائیداد، آل اولاد، اور عزتِ نفس کے تحفظ کا کوئی تصور موجود تھا۔

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کو سب سے پہلے جان کے تحفظ کا حق، مال کے تحفظ کا حق، عزتِ نفس کے تحفظ کا حق، خاندان کے تحفظ کا حق اور اجتماعی طور پر پورے انسانی معاشرے کے تحفظ کے حقوق کا نہ صرف رسمی اعلان کیا بلکہ یقینی طور پر اس کے عملی تحفظ اور نفاذ کی یقینی اور حتمی ضمانت فراہم کر کے جبر و استبداد اور استحصالی معاشرہ میں انسانیت کو انسانی حقوق و فرائض کی ابدی تعلیمات سے متعارف فرمایا۔ ذیل میں ان کا ترتیب وار تاریخی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کے قائم کردہ مثالی معاشرہ سے قبل عہد جاہلیت میں عرب قبائل کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، معمولی سی اشتعال انگیزی سے جنگ شروع ہوتی اور نسل در نسل جاری رہتی، اور انسان دشمن وحشیانہ جنگوں میں سیکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے۔ قتل و سفاکی و درندگی اور انسانیت کے خلاف سنگین جرائم کا ارتکاب ان کے موروثی اخلاق بن چکے تھے۔

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی اہل و عیال پر بھی ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گزر نہیں سکتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا۔ اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔ (۱)

اسلام کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے اس منشور انسانیت کو امت مسلمہ کے لئے قابل عمل بنایا، اور غیر مسلم اہل ذمہ بھی نبی رحمت کے اس اعلان کے فیض سے محروم نہ رہ سکے۔

۱۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی ﷺ، ۲/ ۱۵۵۔

جانشین پیمبر خلیفۂ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سونپتے یا کسی عہدہ پر اس کا تقرر فرماتے تو اس کے متعلقہ فرائض ایک ایک کر کے بتاتے اور اس سے عہد لیتے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو گا۔

حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی قیادت میں آپ ﷺ نے لشکر (ربیع الاوّل ۱۱ھ / جون ۶۳۲ء) عرب و شام کی سرحد پر روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اس کو روکا۔ اور فرمایا!

لوگو!...... ذرا ٹھہرو! میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں تم انہیں یاد رکھو، ۱۔ خیانت نہ کرنا، ۲۔ سرکشی نہ کرنا، ۳۔ دشمنوں کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، ۴۔ چھوٹے بچے، ۵۔ بوڑھے اور ۶۔ عورت کو قتل نہ کرنا، ہاں تم ایسے لوگوں سے دوچار ہو گے جنہوں نے اپنی زندگی عبادت خانوں کے لئے وقف کر دی ہے، تم ان لوگوں کو کچھ نہ کہنا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ (۱)

خلیفۂ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس ۱۶ھ / ۶۳۷ء کو وہاں کے عیسائی اہل ذمہ سے جو معاہدہ کیا جو حسب ذیل ہے!

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندہ امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلہ کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ (۲)

عہد فاروقی (۱۳ھ۔ ۲۳ھ / ۶۳۴ء۔ ۶۴۵ء) میں غیر مسلم ذمیوں کی

۱۔ ابن جریر طبری / تاریخ طبری، (تاریخ الامم والملوک) مطبعۃ حسینیہ مصر (س۔ن)، ۲ / ۴۶۳۔ ۲۔ شبلی نعمانی / الفاروق، الائیڈ بک کمپنی جامعہ کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۲ / ۱۲۹،

عزت و آبرو کا اتنا ہی تحفظ کیا جاتا تھا جتنا قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا۔

عمیر بن سعدؓ جو حمص کے گورنر تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدیداران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی (اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری) کی شان میں یہ لفظ نکل گیا "أخزاک اللہ" اللہ تجھے رسوا کرے، اس پر انہیں اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستعفی ہو گئے۔(۱)

امانت کی ادائیگی اور ملکیت کے تحفظ کا حق

★ فمن كانت عنده أمانة فليؤدها الى من ائتمنه عليها، الدّين مقضيّ، و العَارِيَة مؤدّة، والمنحة مردودة، والزّعيم غارم (۲)

"جس کے پاس کسی کی امانت ہو اسے چاہئے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، اور دودھ کے لئے ہدیہ لی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے، اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔"

مندرجہ بالا فرمان کے ذریعہ انسانوں کے مال و جائیداد، ملکیت کے تحفظ کی یقینی، غیر مشروط ضمانت کی فراہمی کے ساتھ "انسانی حقوق" کے اہم رکن "حق ملکیت" کا اعلان کیا گیا، جسے انسانی حقوق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

امانت، قرض اور عاریت کی ادائیگی کی واضح تعلیمات دے کر رسالتمآب ﷺ نے "حق ملکیت" کی اہمیت کی وضاحت، اس کے تحفظ کی ضمانت اور واپسی کو یقینی بنانے کے لئے مزید ارشاد فرمایا!

"ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔"

۱۔ شبلی نعمانی / الفاروق، ص ۲ / ۱۸۵،

۲۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ ۲ / ۶۰۳،

سُود کے خاتمہ کا اعلان - انسانیت پر احسانِ عظیم

الا كلّ شئی من أمر الجاهلية موضوع تحت قدمی، وانّ كلّ ربا موضوع، ولكم رؤوس اموالكم، لا تظلمون ولا تظلمون، قضی الله انّه لا ربا، وانّ اوّل ربا ابدا ابه رباعمّی العبّاسؓ بن عبد المطلب، (۱)

''آگاہ رہو!

''تمام امورِ جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جو سود میرے چچا عباسؓ بن عبد المطلب کا وصول طلب ہے، سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں''۔

زمانۂ جاہلیت کے انسان دشمن ظالمانہ اور استبدادانہ قوانین اور رسوم میں ''سود'' ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا، اور جاہلیت کے سودی نظام، اس کی بقاء اور تحفظ کے لئے عملاً اقدامات کئے جاتے رہے، اس طرح امیر امیر تر اور غریب و مفلوک الحال غریب تر ہوتا گیا۔

ارتکاز کا یہ ظالمانہ انسان دشمن نظام انسانیت پر ظلم عظیم اور اس کے معاشی قتل سے کم نہ تھا۔ معاشی عدم توازن اور بدحالی کی بناء پر سود کے ظالمانہ نظام کو ہمیشہ تحفظ حاصل رہا۔

عہدِ جاہلیت، لغوی مفہوم:

جہل، جہالت اور جاہلیت کے لغوی معنی بے علمی، بے دینی حماقت اور نادانی

۱۔ علی بن ابی بکر الہیثمی / مجمع الزوائد، دار الکتاب بیروت ۱۹۶۷ء، ۳/ ۲۶۷، بخاری / الجامع الصحیح ۱/ ۲۳۴، (مطبوعہ دہلی)

کے ہیں، مشہور عرب جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے!

الا لا یجهلنّ أحد علینا فنجهل فوق الجهل الجاهلینا

خبردار ہم پر کوئی جہالت کا مظاہرہ نہ کرے...... ورنہ ہم جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔(۱)

"تاریخ الجاہلیہ" کے مؤلف ڈاکٹر عمر فروخ لکھتے ہیں!

"یہاں جاہلیت سے مراد وہ جاہلیت ہے جو جہل سے مشتق ہے اور "حلم" کی ضد ہے، لہٰذا اہل جاہلیت سے مراد وہ عرب معاشرہ ہے جو اسلام سے قبل جاہلی ثقافت اور تہذیب کا آئینہ دار تھا۔ موصوف نے یہ مفہوم قرآن کریم میں جاہلیت کی مخصوص اصطلاح کے استعمال سورۂ آل عمران ۳/ ۱۵۴، سورۂ مائدہ ۵/ ۴۹، ۵۰، سورۂ احزاب ۳۳/ ۳۳، سورۂ فتح ۴۸/ ۲۶ کی بنیاد پر اخذ کیا ہے۔(۲)

اصطلاحی مفہوم

جبکہ اصطلاح میں "جاہلیت" اس مخصوص عہد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی شریعت، صاحب وحی نبی اور الہامی کتاب نازل نہ ہوئی ہو، عربوں کا دور جاہلیت دو نبیوں کا درمیانی زمانہ یا دور فترت کہلاتا ہے۔ یہ زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات اور رسالتمآب ﷺ کی بعثت کا درمیانی زمانہ ہے جس میں کوئی شریعت عرب میں باقی نہ رہی تھی۔

محمود شکری آلوسی کے مطابق "عہد جاہلیت" سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں جاہلوں کی کثرت تھی اور یہ زمانہ قبل از اسلام ہے۔ بعض کی رائے میں جاہلیت کا زمانہ فترت کا زمانہ ہے، یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان ہے۔(۳)

☆☆۱۔ ابو عبداللہ زوزنی/ شرح المعلقات السبع، مصطفیٰ البابی الحلبی القاہرہ ۱۹۷۹ء، ص ۱۳۶۔

۲۔ عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیہ، دارالعلم بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۵۲۔۵۳۔

۳۔ محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب، مترجم: پیر محمد حسن مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء، ۱/ ۲۹۔

عہد جاہلیت کے ادوار :

۱۔..... جاہلیت اولیٰ جو عرب بائدہ اور عرب عاربہ و مستعربہ کے حالات پر مشتمل ہے۔

۲۔..... جاہلیت ثانیہ وہ عہد جو فتح مکہ پر اختتام پذیر ہوا۔(۱)

زمانۂ جاہلیت کے سودی نظام کی کیفیت :

زمانۂ جاہلیت کے ظالمانہ سودی نظام کی کیفیت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لئے روپیہ قرض دیتا جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ قرضدار سے کہہ دیتا کہ یا تو میرا روپیہ ادا کردو یا اصل کو بڑھادو، یعنی سود کو اصل میں شامل کردو، کہ آئندہ اس پر بھی سود لگتا رہے۔ اگر قرضدار روپیہ ادا نہ کر سکتا تو اس وقت تک کا تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا اور جب تک قرضدار یکبارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود چڑھتا رہتا۔(۲)

انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے "خطبۂ حجۃ الوداع" کے تاریخ ساز موقعہ پر اس ظالمانہ نظام پر ضرب کاری لگائی کہ اس کے خاتمہ کا اعلان عام فرمایا کر انسانیت پر احسان عظیم کیا بلکہ مزید مژدۂ جانفزا یہ سنایا کہ جاہلیت کے تمام

☆☆

۱۔ جرجی زیدان / تاریخ التمدن الاسلامی، دار الھلال القاھرہ، ۱/ ۳۲۔

☆..... محمد عبدالحلیم چشتی / دور جاہلی میں عربوں کے کتب خانے، سہ ماہی فکر و نظر جولائی ۱۹۹۵ء، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

☆..... صلاح الدین ثانی / عہد جاہلیت، مجلہ آگہی کراچی جنوری فروری ۱۹۹۷ء،

۲۔ نجم الدین سیوہاروی / رسوم جاہلیت، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۶۸،

محمد شفیع (مفتی) / مسئلہ سود، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۹ء، ص ۳۰،

سودی معاملات کو کالعدم قرار دیا اور محض رسمی اعلان پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ تمام معاملات یکسر ختم کر کے ہمیشہ کے لئے سودی نظام کا سلسلہ ختم دفن کر دیا گیا۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب جو قریش کے سردار اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ان کا تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا تھا اور اس تعلق سے سودی معاملات میں نہایت شہرت رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں سود کے باطل کئے جانے اعلان فرمایا تو سب سے پہلے انہی کے سود کو باطل قرار دیا۔(۱)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت خالدؓ بن ولید کا شرکت میں کاروبار تھا، اور ان کا لین دین طائف میں بنو ثقیف کے ساتھ بھی تھا۔ حضرت عباسؓ کی ایک بھاری رقم ثقیف کے ذمہ واجب الأدا تھی، انہوں نے اپنی سابقہ رقم کا جب ثقیف سے مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق انہیں سود کی رقم چھوڑنے کا حکم دے دیا، اور اس فیصلہ کا اعلان ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ میں تفصیل کے ساتھ کیا۔(۲)

اس طرح انسانیت کو ایک طویل عرصہ کے بعد اس ظالمانہ اور استبدادانہ سرمایہ داری نظام کی لعنت سے آزاد ہوئی، مگر افسوس ہے عہد حاضر میں غیر اسلامی دنیا اسے معاشی استحکام کی بنیاد قرار دے رکھا ہے اور وہ سرمایہ داری کے تحفظ اور ارتکاز کے غیر منصفانہ نظام کے تحفظ کے لئے برابر کوشاں ہے۔

اس کی واضح مثال I.M.F اور دیگر عالمی بنکوں کا نظام اور ان کا کردار ہے۔

☆☆

۱۔ شبلی نعمانی رسیرت النبی ﷺ، ج۲، ۱۸۳۔

۲۔ مفتی محمد شفیع رمسئلہ سود، (حوالہ سابقہ حوالہ تفسیر مظہری، درمنثور در ذیل آیت: وذروا ما بقی من الربوا) ص ۳۰۔

پر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق:

وانّ دماء الجاهلیّة موضوعة، و اوّل دم نبدأبه دم عامر بن ربیعة بن الحارث عبد المُطّلب، و کان مُسترضعاً فی بنی لیث، فقتله هُزیل، (۱)

''اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط اور کالعدم ہیں، اور جو قصاص جاہلیت (جو اپنے خاندان کا وصول طلب ہے) اس سے ہم ابتداء کرتے ہیں، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون بہا، سب سے پہلے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں، (ان کے خون کا انتقام قبیلہ ہزیل سے نہیں لیا جائے گا)۔''

زمانۂ جاہلیت میں انتقام کی یہ رسم پیدا کر دی تھی۔ یہ رسم ایسی سخت اور شدید الأثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے بدلہ میں قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے۔ جو یوں درج رجسٹر ہوتے کہ بچہ کی زبان پر رہتے تھے۔ جو بچہ پیدا ہوتا وہ ہوش سنبھالتے ہی ''ثار'' کا لفظ سنتا، یعنی خاندان میں فلاں شخص کا قتل کیا گیا تھا اور اس کا انتقام اب تک باقی ہے۔ اس لئے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی ''ثار'' انتقام لینا ہوتا تھا۔ (۲)

ذرا ذرا سی بات پر لڑ مرنا اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار تھا، ہر بچہ اپنے آباء و اعزاء کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا اور جوان ہو کر اس فرض کو انجام دیتا تھا، اس طرح طویل اور غیر

☆☆

۱۔ علی بن ابی بکر الہیثمی / مجمع الزوائد ۳ / ۲۶۷، ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ ۲ / ۶۰۳، بخاری / الجامع الصحیح ۱ / ۲۳۴، ابوداؤد / السنن، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۲۶۲،

۲۔ شبلی نعمانی / سیرت النبی ﷺ، ۴/ ۱۷۶،

میعادی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا۔ ان جنگوں اور خونریزیوں کو مؤرخین "ایام العرب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔

میدانی نیشاپوری المتوفی ۵۱۸ھ نے "کتاب الأمثال" میں ان میں سے ۱۳۲ جنگوں کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے!

"یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا، اس لئے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس پر میں نے قناعت کی"۔(۱)

عرب جاہلیت میں انتقام کی ہلاکت خیزیوں اور اس کے تباہ کن اثرات کی ترجمانی عہد جاہلیت ہی کے ایک شاعر کی زبانی سنئے!

فادر کنا الثار منهم و لمّا

ینج من الحیین إلاّ الأ قلّ

"ہم نے ان سے خون کا بدلہ لے لیا اور دونوں قبیلوں میں چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ بچا۔(۲)

مزید یہ کہ صرف انتقام خون پر ہی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ انتقامی جذبات بہیمانہ غیظ و غضب کی آگ اور کو اس طرح ٹھنڈا کیا جاتا کہ مقتول کا مُثلہ (جسم کے ٹکڑے ٹکڑے) کیا جاتا اور اس کے جسمانی اعضاء، ناک، کان وغیرہ کاٹے جاتے۔

معروف عرب شاعر امرؤالقیس نے اپنے باپ کے قتل کے انتقام میں قاتلوں کے ناک کان کاٹ ڈالے، اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلاخیں پھروادیں، زرہوں کو آگ میں تپا کر انہیں پہنادیا۔(۳)

عہد جاہلیت کے انسانیت کے خلاف ان سفاکانہ قوانین اور انتقامی جذبات پر

☆☆

۱۔ شبلی نعمانی رسیرت النبی ﷺ، ۲ر ۱۴۸۔

۲۔ محمود شکری آلوسی ربلوغ الارب فی احوال العرب، ۲ر ۹۰ ۲۔

۳۔ ایضاً ۲/ ۲۹۱۔

مبنی دستور کی تنسیخ انسانیت پر احسان عظیم سے کم نہیں۔

محسن انسانیت ﷺ نے ''حقوق انسانی کے اولین اور ابدی منشور خطبۂ حجۃ الوداع'' میں انسانیت کو جہاں ان کے ''حقوق و فرائض'' سے آگاہ فرمایا وہیں آپ ﷺ نے جاہلیت کے انتقامی ''نظریۂ ثار'' کے خاتمہ کا اعلان بھی عملی شکل میں اس طرح کیا تھا سودی نظام کے خاتمہ جس طرح اپنے ہی خاندان کے مقتول ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا جو تاحال ''ثار'' کی شکل میں واجب الأداء تھا، اس کے خاتمہ کا اعلان کیا پھر ارشاد فرمایا!

''اور جاہلیت کے خون بہا، ساقط (کالعدم) ہیں اور جو قصاص جاہلیت (اپنے خاندان کا وصول طلب ہے) ہم اس سے ابتداء کرتے ہیں اور ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون بہا، سے پہلے میں دستبردار ہوتا ہوں، جو قبیلہ لیث میں زیر پرورش ہے کہ (قبیلہ) ھزیل کے آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا۔''

پرامن بقائے باہمی کے حق پر مبنی یہ تاریخی اعلان جاہلیت کے ''نظریۂ ثار'' کے تناظر میں انسانیت پر احسان عظیم سے کم نہیں، اس طرح پیغمبر امن ﷺ نے عرب کے معاشرہ میں خون کے بدلہ خون کی بنیاد پر قتل و خونریزی کا طویل سلسلہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا کے خاتمہ کا اعلان فرما کر انسانیت کو پرامن بقائے باہمی کے حق سے متعارف فرمایا۔

ملکیت، عزتِ نفس اور منصب کے تحفظ کا حق:

الا! ان مآثر الجاهلية و انّ كل دمٍ و ماءٍ و مال يدّعىٰ به كانت فى الجاهلية فهو موضوعة تحت قدمى هاتين غير السّدانةِ والسّقاية(۱)

''اور تمام آثار جاہلیت خون بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا

☆☆

ا۔ احمد زکی صفوت / جمہرۃ خطب العرب، قاہرہ ۱۹۳۲ء، ۱/۱۵۶۔

دعویٰ، سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔
البتہ بیت اللہ شریف کی تولیّت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی
خدمت کا منصب برقرار رہے گا"۔

"حجۃ الوداع" کے اس تاریخی موقعہ پر آپ ﷺ نے آثار جاہلیت کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، اور ملکیت، عزّتِ نفس اور منصب کے تحفظ کے حقوق کا اعلان کر کے انسان کو اس کے بنیادی حقوق سے متعارف فرمایا۔

جان کے تحفظ اور قِصاص و دِیت میں

قانونی انصاف و مُساوات کا حق :

والعمد قود، و شبہ العمد ما قتل بالعصا و الحجر و
فیہ مائۃ بعیر، فمن زاد فھو من أھل الجاھلیّۃ (۱)
"اور قتل عمد (جان بوجھ کر قتل کرنا) پر قصاص ہے۔ اور شبہ عمد
جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ کی دیت ہے۔
پس جس نے تعدّی (زیادتی بر قصاص و دیت میں عدم مساوات)
کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے"۔

انسانی جان کے تحفظ اور قصاص و دیت میں مساوات کے اصول پر مبنی محسن انسانیت ﷺ کے اس فرمان سے قبل زمانۂ جاہلیت کے قصاص و دیت کے اصولوں پر تاریخی نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ ان فرامین نبوی ﷺ کی اہمیت واضح ہو سکے۔

چنانچہ اس میں بادشاہ و فقیر، وزیر و امیر، دولتمند و حاجتمند، غنی و گدا، شہریار و شہسوار، تاجدار و چوبدار، فرمان روا و بے نوا، قوم و قبیلہ، خاندان، رنگ و نسل، امیر

☆☆

۱۔ ایضاً، ۱/ ۱۵۷۔

و غریب، حاکم و محکوم کا کوئی امتیاز نہیں۔ بقول اقبال۔

خون شہ رنگین تر از معمار نیست

بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین تو نہیں ہوتا۔

عہدِ جاہلیت کا نظریۂ انصاف و مساوات:

عرب جاہلیت میں انسانیت کو ادنیٰ اور اعلیٰ، شریف اور رذیل کے "ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قصاص کے معاملہ میں ان کا نظریہ تھا کہ معزز شریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی رذیل (نچلے طبقہ کا فرد) ہوتا تو قاتل کے قبیلہ میں اس مقتول کا ہم رتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا، ان کا یہ نظریہ تھا کہ!

ان دم القتیل الشّریف لایغسل إلا بدم شریف مثلہ (ا)

"شریف اور معزز آدمی کا خون اسی کے ہم مرتبہ شریف (معزز) آدمی کے خون سے دھویا جا سکتا ہے"۔

جاہلی عرب شاعر قراد بن حنش الصادری کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے جس سے عہد جاہلیت کے اس جاہلانہ دستور کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے!

أبأ نسا بھم قتلیٰ و ما فی دمائھم

و فاء و ھنّ الشافیات الحوائم (۲)

"ہم نے ان لوگوں کے بدلے کچھ لوگوں کو قتل کیا حالانکہ انکے خون ان کے برابر نہ تھے اور یہی خون پیاسوں کو شفاء دینے والے ہیں۔

آزاد فرد کا قاتل غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا، اور غلام

☆☆

ا۔ دکتور جواد علی / المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت ۱۹۷۰ء، ۴/ ۵۴۲،

۲۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الأرب فی أحوال العرب ۳/ ۲۸۸،

کے مالک یا کسی اور آزاد رشتہ دار کا سر مانگا جاتا، یا کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا بلکہ کمتر معاوضہ دیا جاتا۔(۱)

قصاص کی طرح دیت میں بھی عدم مساوات کا یہ اصول کارفرما تھا۔ چنانچہ انسانی برادری میں تفاوت اور عدم مساوات اس درجہ تھی کہ عرب قبائل کے سرداروں اور معزز افراد کی دیت (خون بہا) کمتر درجہ اور کم حیثیت لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، سب سے زیادہ "دیت" حکمرانوں اور بادشاہوں کی ایک ہزار اونٹ تھی، اس کے بعد درجہ بدرجہ شرفاء قوم اور قبائل کے سرداروں کی، اس کے بعد کمزوروں، معاشرہ کے کم حیثیت، کمتر افراد اور غلاموں کی، حتیٰ کہ بعض مقتولین کی "دیت" صرف پانچ اونٹ اور بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتی، اس نظریہ کو قیدیوں کے "فدیہ" میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔(۲)

محمود شکری آلوسی "بلوغ الأرب فی أحوال العرب" میں لکھتے ہیں!

"(حکمرانوں، قبائل کے سرداروں) ان کے ہاں بادشاہ بہت سے امور میں ممتاز تھے، اس لئے انہوں نے بادشاہ کے قتل کی صورت میں ایک ہزار اونٹ دیت (خون بہا) مقرر کی۔

قراد بن حنش الصادری کہتا ہے ؎

بعشر مئين للملوك سعىٰ بها

ليوفي سيّار بن عمرو و فاسرعا

ایک ہزار اونٹ جو بادشاہوں کی دیت ہوتی ہے اس کے ایفاء کیلئے سیار بن عمرو نے کوشش کی اور ایفاء کرنے کی جلدی کی۔

☆☆

۱۔ محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۱۵۱،

۲۔ دکتور جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۴/ ۵۴۲،

سیار بن عمرو بن جابر الفزاری نے اسود بن منذر کو جس کے بیٹے کو حارث بن ظالم نے قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ ایک ہزار اونٹ بادشاہ کا خون بہا ہوتا تھا۔(۱)

یونانی مفکر ارسطو کا نظریۂ انصاف و مساوات :

ارسطو کی مشہور کتاب "السیاسیہ" کا عربی ترجمہ پروفیسر احمد لطفی سید نے عربی میں کیا، جو مصر سے شائع ہوا، اس کے آٹھویں باب میں ارسطو لکھتا ہے!

"ان القانون لا ینبغی ضرورۃ ان یطّبق الاّ علی افراد متساوین بالمولد و بالملکات غیر ان القانون لم یشرع قط لھوٓلاء النّاس الأ فذاذ انّھم ھم انفسھم القانون و من السّخریۃ ان یحاول اخضاعھم لدّ ستور

"قانون تمام اہل ملک کے لئے یکساں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مساویانہ اطباق صرف ان افراد پر ہوگا جو نسب اور قابلیت کے لحاظ سے وہی ہیں۔ حکمراں طبقہ تو ان لوگوں کے لئے قانون نہیں بنایا جاتا، بلکہ یہ لوگ بذات خود قانون ہیں اور یہ کھلا مذاق ہے کہ ان اکابر کو دستور کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔(۲)

"السیاستہ" کے صفحہ ص ۲۳۴ پر ارسطو امراء طبقہ کے تفوق کو قانونی تحفظ دیتا ہے! اس کی عبارت سنئے!

"فلیس من العدل قتل مثل ھذا السّری ولا اھدار حقّہ بالتغریب ولا اخضاعہ لمستوی العامّۃ"

یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایسے سردار کو کسی عام آدمی کے بدلہ میں قتل کیا

☆☆

۱۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الأرب فی أحوال العرب، ۳/ ۲۸۶، ۲۸۷،

۲۔ حوالہ پیر کرم شاہ الازھری / ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۱۴ھ، ص ۱/ ۱۱۴،

جائے، یا اسے جلاوطن کر دیا جائے اور اسے عام لوگوں کی سطح پر اترنے پر مجبور کیا جائے۔(۱)

حکومت رُوما کا نظریۂ انصاف و مساوات

سلطنتِ روما ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی تھی اور ہر فرد کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ہر ظلم کو جائز اور روا سمجھتی تھی۔(۲)

حکومت روما کا نظریۂ انصاف ملاحظہ فرمایئے!

بقول جارج سیل! ''انصاف کا یہ عالم تھا کہ جس طرح اشیاء کی خرید و فروختِ ہوتی تھی اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا اور رشوت و خیانت کی حوصلہ افزائی خود حکومت کی طرف سے ہوتی۔ اس سے بڑھ کر ظلم یہ تھا کہ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں۔

چنانچہ موسیو لاروس ''دائرۃ المعارف'' میں لکھتا ہے!

''روما میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرائم میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دی جاتی تھیں۔(۳)

سلطنت روما کے مدوّن قانونِ جسٹی نین (Justinian) (جو انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی ولادت باسعادت سے پانچ سال قبل انتقال کر گیا تھا)۔ اس نے اپنے مدوّن کردہ قانون کے مقابلہ میں دنیائے انسانیت کو چیلنج کیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کر کے دکھائے۔

☆☆

۱۔ ایضاً، ص ا ر ۱۱۵۔

۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی ر انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ۷۹۔

۳۔ ظفیر الدین مفتاحی ندوی، اسلام کا نظام امن، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ص ۳۰۔

جسٹی نین کا نظریہ انصاف جس پر اسے فخر تھا ملاحظہ کیجئے!

قانونی نقطۂ نظر سے اس نے سماج کو اس طرح تقسیم کیا تھا!

۱﴾...... HONESTIORES

یہ مملکت کا اعلیٰ ترین طبقہ تھا، جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

۲﴾...... HUMILIORES

اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں سزائے موت دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

۳﴾...... SERVI

سب سے نچلا طبقہ جس کے افراد کو معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا، آگ میں ڈالا جاتا تھا، اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔ (۱)

ہندومت کا نظریہ انصاف و مساوات:

"ہندومت" کا نظریہ انصاف ملاحظہ فرمائیے!

فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان "تمدن ہند" میں لکھتا ہے!

"جرائم اور ان کی سزا کی اہمیت بلحاظ اس نقصان کے نہیں قرار دی جاتی جو ان سے منتج ہوں، بلکہ بلحاظ مجرم یا مظلوم کی ذات کے۔ مثلاً برہمن کو کسی بھی حالت میں ویسی سخت سزا نہیں دی جاتی جیسی اور ذات کے اشخاص کو۔

ہندومت کا نظام عدل و انصاف اور عدم مساوات:

ہندومت کے نظام عدل کے بارے میں ایک چیز غور طلب ہے، جس نے ان کے نظام عدل کو نظام ظلم و ستم اور دوہرے نظام میں تبدیل کر دیا تھا، وہ یہ کہ فیصلہ

☆☆

۱۔ عبدالمعید / عہد نبوی ﷺ کا اسلامی معاشرہ۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپریل ۱۹۹۷ء

کرتے وقت یہ چیز پیش نظر رہے کہ ملزم کا تعلق کس طبقہ سے ہے، اگر ملزم اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کے لئے اور سزا مقرر تھی۔ اگر ادنیٰ طبقہ کا فرد ہوتا تو اسے اور سزا دی جاتی، جو اعلیٰ طبقہ کی سزا شدید تر ہوتی۔ اگر قاتل برہمن ہوتا، اور مقتول کسی اور طبقہ سے، تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا بلکہ اس پر صرف کفارہ لازم ہوتا...... اور اگر قاتل مقتول دونوں برہمن ہوتے تو قاتل برہمن سے کفارہ بھی نہ لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا جاتا۔(۱)

"انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار" (Brahman Ism) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے!

"منوشاستر کے قوانین کے تحت جرائم کا ارتکاب اگر برہمن کرے تو اس کی سزا میں حددرجہ نرمی کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر اس کے برخلاف نچلے طبقہ کا کوئی فرد اعلیٰ طبقہ کے احکامات کی حکم عدولی کرے تو اس کے لئے انتہائی وحشیانہ اور غیر انسانی سزائیں مقرر ہیں۔ معاشرہ میں مجرم کا درجہ جس قدر گھٹیا ہوتا، اتنا ہی وہ سخت سزا کا مستوجب قرار پاتا۔(۲)

"منو" لکھتے ہیں!

"ایسے جرائم کے لئے جن کا ذکر باب نہم (۲۳۷) میں ہے، برہمن کو درمیانی سزا دی جائے گی یا وہ ملک بدر کر دیا جائے گا، لیکن اس کا روپیہ و مال اس سے نہ لیا جائے گا۔ لیکن دوسری ذاتوں کے اشخاص کی جو عمداً ان جرائم کے مرتکب ہوئے ہوں، کل جائیداد ضبط ہونی چاہئے، اور اگر عمداً مرتکب ہوئے ہوں تو ملک بدر کر دئے جائیں۔(۳)

☆☆

۱۔ عبدالمجید ملک / مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء، ص ۱۶

۲۔ Encyclopedia Britanicca 1962, Vol.3. P-1011.

۳۔ منو باب نہم، ۲۴۱، ۲۴۲،

☆...... گستاؤلی بان / تمدن ہند، مترجم: سید علی بلگرامی، مطبوعہ بک لینڈ کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۲۲۷،

"منو" کا انصاف ملاحظہ کیجئے!

☆...... سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا۔ لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔(۱)

☆...... راجہ کے لئے جائز نہیں کہ برہمن کو کسی حالت میں بھی قتل کرے، اگرچہ اس نے کتنا ہی جرم کیوں نہ کیا ہو۔(۲)

☆...... اگر کوئی برہمن کسی شودر کو جان سے مار ڈالے تو اس کے اوپر کوئی دوش نہ ہوگا، البتہ اسے کفارہ دینا پڑے گا، یہ کفارہ وہی ہوگا جو کسی جاندار، مثل، نیولے، چھپکلی، چوہے، سانپ مارنے کا ہے(۳)

محسن انسانیت علیہ ﷺ نے "خطبۂ حجۃ الوداع" کے ذریعہ انسانی جان کے تحفظ اور قصاص و دیت میں انسانی مساوات اور عدل و انصاف کے اعلان کے ساتھ ہی جاہلیت کے فرسودہ نظام "قصاص و دیت" پر جسے طبقاتی، تقسیم اور انسانی اونچ نیچ کے جذبہ، عصبیت کے تحت وضع کیا گیا تھا، اسے "انسانی مساوات اور عدل و انصاف" پر مبنی "قصاص و دیت" کے اسلامی اور انسانیت پر مبنی قانون فطرت کو نافذ العمل قرار دیا اور جاہلی قوانین کی تنسیخ فرمائی۔

مزید تنبیہ فرمایا کہ!

پس جس نے تعدّی قصاص و دیت میں (زیادتی و تعدّی کی اور) عدم مساوات کی جاہلی رسم پر عمل کیا وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔

۔ منو شاستر باب نہم ر ۳۷۹۔

۱۔ منو شاستر باب نہم ر ۳۸۰۔

۲۔ منو شاستر ادھیائے ۱۲ ار منتر ۱۳۲۔

انسانی مساوات کا حق اور نسلی تفاخر و طبقاتی تقسیم کے خاتمہ کا تاریخی اعلان :

ایّھا النّاس! ربّکم واحد وانّ اٰباکم واحد، کُلّکم لآدم وآدم من تراب (ثُمّ تلا) : یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی، وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ O ولا فضل لأسود علیٰ احمر، ولا أحمر علی اسود إلاّ بالتّقوٰی (۱)

لوگو!

تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدمؑ (کی اولاد ہو) سے ہو، اور آدمؑ مٹی سے (پیدا کئے گئے تھے) (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی)، اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور مختلف قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بلا شبہ اللہ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔

یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج اور چاند سے ملایا جا رہا تھا۔

☆☆

۱۔ احمد زکی صفوت / جمہرۃ خطب العرب، ۱/ ۱۵۷۔

قرآنِ کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد ہیں۔

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ" (۱)

فراعنۂ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے۔ ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے۔

شاہانِ ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی جز شامل ہے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ (۲)

عہد جاہلیت کے عربوں کا نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور و پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان، اور مکہ کے باشندے ہیں، لہذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں، اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ (۳)

ایسے ماحول اور حالات میں انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقعہ پر انسانی مساوات اور طبقاتی و نسلی تقسیم کے خاتمہ کا اعلان ان شاندار الفاظ کے ذریعہ فرمایا!

لوگو!

تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سب کے سب آدمؑ (کی اولاد ہو) سے ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے۔ (مٹی سے پیدا کیے گئے تھے)...... نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے، اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ

☆☆

(۱)۔ آیت ۱۸، سورۂ مائدہ،

۲۔ عبد المعید / عہد نبوی ﷺ کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دار العلوم دیوبند، اپریل ۱۹۹۷ء،

۳۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ﷺ، مصر القاہرہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء، ۱/۱۹۹،

سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔

مندرجۂ بالا تعلیمات کا یہ ضرور نتیجہ ہے کہ میں بنی نوع انسان میں عدم مساوات، طبقاتی تقسیم، نسلی و نسبی تفاخر اور عرب و عجم میں باہم برتری کا جذبہ جو جاہلانہ معاشرتی نظام کا لازمہ بنا ہوا تھا اسے مساوات انسانی اور حق سے متعارف کرایا جو کہ بلاشبہ "لیگ آف نیشنز" کے چارٹر سے بھی زیادہ بہتر و مفید تر اور دور رس نتائج کا حامل ہے۔

۱۹۲۶ء میں غیر مسلم پروفیسر سنوگ ہرگرونج نے اپنی علمی مقالہ (The Muslim World Today) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا!

"بلاشبہ بنی نوع انسان کی مجلس کا مثالی تصور پہلے سے اسلام میں موجود ہے کیونکہ 'لیگ آف نیشنز" اسی بنیاد پر قائم کی گئی"۔

اسلام نے انسانی نسلوں کی مساوات کا اصول اس سنجیدگی سے قبول کیا ہے کہ دوسری قوموں کو اس پر شرم آنی چاہیے۔(۱)

عہدِ جاہلیت کا نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم :

عہد جاہلیت کے نسلی تفاخر، طبقاتی تقسیم، عرب و عجم میں تفاوت اور عدم مساوات کے جاہلانہ "نظریہ" کا تاریخی جائزہ، فتح مکہ کے موقعہ پر محسن انسانیت ﷺ کے مساوات انسانی کے مذکورہ بالا منشور میں پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم تاریخی تناظر اور استفادہ کے پیش نظر مزید اضافہ کے ساتھ اس کا ذکر خالی از فائدہ نہیں۔

عہد جاہلیت میں طبقاتی تقسیم، نسلی تفاخر، اور نسبی عصبیت انسانی تاریخ کے عروج پر تھی جہاں انسانیت کو ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا، انسانی عدم مساوات کا یہ نظریہ عملاً مذہبی، معاشرتی اور قانونی معاملات پر بھی لاگو ہوتا تھا۔

مذہبی معاملہ میں قبیلہ قریش کا نظریہ دیکھئے!

ان کا نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے

☆☆

۱۔ نور احمد، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ص ۲۳۴۔

مجاور، پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکہ کے باشندے ہیں، لہذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا اہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں.... لہذا ہمارے شایان شان نہیں کہ ہم حدود حرم سے باہر جائیں، چنانچہ دوران حج ارکان کی ادائیگی کے لئے یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ میں ٹھہر کر افاضہ کر لیا کرتے تھے۔(۱)

حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے منفرد اور ممتاز رہتے تھے، وہ عرفات میں عام حجاج کے ساتھ ٹھہرنا ہی باعث عار سمجھتے تھے، آنے جانے میں پیشقدمی کرتے، ان کے مقتدا اور پیشوا اپنے لوگوں سے کہتے کہ تم ابراہیمؑ کی اولاد، مکہ کے رہنے والے اور خانہ کعبہ کے متولی ہو، تمہاری عزت سب سے زیادہ ہے اور جو حقوق تمہارے ہیں وہ کسی عربی کے نہیں، تمام عرب جس قدر تعظیم تمہاری کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں کرتے، غرض تمہارے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں، اس مغرورانہ خیال کے باعث قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔(۲)

عرب و عجم میں تفاوت، عدم مساوات اور اونچ نیچ کا یہ نظریہ ازدواجی رشتوں میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا، نسلی اور نسبی تفاخر اور قومی عصبیت کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے افراد اپنی بیٹیوں کا نکاح کم حیثیت اور کمتر افراد سے، اور عرب اس تصور اور نظریہ کی بنیاد پر کہ وہ عرب ہونے کی بنیاد پر عجمیوں پر فضیلت رکھتے ہیں، اس مزعوم نظریئے اور نسبی تفاخر کے جذبہ کے تحت وہ اپنی بیٹیوں کا نکاح عجمیوں سے نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی عرب کسی عجمی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو کم حیثیت اور کم مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔(۳)

☆☆

۱۔ ابن ہشام ر السیرۃ النبویہ ﷺ، ص ۱ر ۱۹۹،

۲۔ نجم الدین سیوہاروی ر رسوم جاہلیت ص ۴۴،

۳۔ دکتور جواد علی ر المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴ر ۵۴۳۔ ۵۴۴،

طبقاتی تقسیم اور نسلی تفاخر کی بدترین صورت انسانیت کی ”شریف اور رذیل“ کی خود ساختہ اور ظالمانہ تقسیم تھی جسے قانونی تحفظ حاصل تھا، اور وہ عملاً نافذ العمل تھی۔

چنانچہ قصاص کے معاملہ میں ان کا نظریہ تھا کہ معزز، شریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی رذیل نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا تو قاتل کے قبیلہ میں اس مقتول کا ہم مرتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔ ان کا اٹل نظریہ تھا کہ!

”ان دم القتیل الشریف لا یغسل ألا بدم شریف مثله“(۱)

”بلا شبہ شریف اور باعزت فرد مقتول کا خون اسی جیسے شریف اور باعزت کے خون ہی سے دھویا جاسکتا ہے، اس کے سوا نہیں“

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں ”منافرت و مفاخرت“ کی رسم انتہائی عروج پر تھی۔ اہل جاہلیت مال و دولت، علم و فضل، جود و سخا اور شرافت نسبی وغیرہ میں ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے اور فخر کرتے، اکثر اوقات قبروں پر جاتے اور کہتے کہ دیکھو یہ قبر ہمارے فلاں بزرگ کی ہے، تمہارے خاندان میں بھی کوئی ایسا بزرگ گزرا ہے؟(۲)

انہی باطل نظریات اور فرسودہ افکار و نظریات پر انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ نے ”خطبۂ حجۃ الوداع“ کے انسانی منشور میں کاری ضرب لگائی اور انتہائی وضاحت کے ساتھ فرمایا!

یامعشر القریش ! ان اللّٰہ قداذھب عنکم نخوالجاھلیة وتعظّمھا بالآباء ...... أیّھا النّاس! ربّکم واحد، وانّ أبا کم واحد، کلّکم لآدم، وآدم من تراب ...... ولیس

☆☆

۱۔ دیکھئے! دکتور جواد علی رالمفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۵۴۲/۴،

۲۔ نجم الدین سیوہاروی ررسوم جاہلیت ص ۷۰،

لعربیٍّ فضلاً علی عجمیٍّ، ولا لعجمیٍّ فضلاً علی عربیٍّ، ولا اسود علی احمر، ولا احمر علی اسود إلّا بالتقویٰ(۱)

اے قریشیو! (اے قبیلہ قریش)۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرور نسب سے پاک کردیا ہے۔...... اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدمؑ (کی اولاد) سے ہو، اور آدمؑ مٹی سے تھے، (مٹی سے پیدا کیے گئے تھے)...... نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے، نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سُرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سُرخ فام سیاہ فام پر مگر تقویٰ سے (فضیلت و برتری کا واحد معیار تقویٰ ہے)۔

نسلی تفاخر اور طبقاتی تقسیم، ہندومت کا علامتی شعار

طبقاتی تقسیم، نسلی تفاخر اور ذات پات کے بدھن ''ہندومت'' کے قدیم مذہبی، معاشرتی و قانونی لٹریچر میں دیکھنے میں آتی ہے وہ پوری عصبی اور نسلی تاریخ پر سبقت لے گئی فوقیت رکھتی ہے۔

علامہ سیّد ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں!

''ہندوستان اپنے پڑوسیوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی برادری میں طبقاتی عدم مساوات اور انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز میں بہت آگے تھا، یہ ایک سخت اور بے رحمانہ نظام تھا، جس میں نرمی اور لچک کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس امتیازی سلوک کو مذہب اور عقیدہ کی سند اور پشت پناہی حاصل تھی اور آرین حملہ آوروں کی مصلحت اور مذہب و تقدس کے اجارہ

☆☆

ا۔ احمد زکی صفوت / جمھرۃ خطب العرب، ۱/ ۱۵۷۔

دار برہموں کے مفاد کا بھی یہی تقاضا تھا۔ یہ نظام ان پیشوں کی بنیاد پر قائم تھا جو مختلف برادریوں اور ذاتوں میں نسلی طور پر چلے آرہے تھے۔ اس کے پیچھے اس ملک کی سیاسی اور مذہبی قانون کی طاقت تھی، جس کو ان ہندو قانون سازوں نے وضع کیا تھا، جو مذہبی حیثیت کے بھی مالک تھے۔ یہ قانون بلاکم و کاست پورے معاشرہ پر نافذ تھا اور اسے زندگی کا دستور العمل سمجھا جاتا تھا۔ (۱)

یہ تقسیم "وید" کے آخری دور سے شروع ہوتی ہے جو درحقیقت آریا فاتحین نے مفتوحین پر اپنا تفوق اور برتری قائم رکھنے کے لئے کی۔ اور طبقاتی تقسیم اور نسلی امتیاز کو فروغ دیا۔

فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان "تمدن ہند" میں لکھتے ہیں!

"جس وقت آریہ جو کہ ایک سفید فام قوم تھے ہندوستان میں وارد ہوئے تو انہوں نے یہاں علاوہ گزشتہ فاتحین اقوام کے جو تورانی الأصل تھے، ایک بالکل سیاہ فام اور تقریباً وحشی قوم یہاں بسی ہوئی پائی۔ ان کا ہمیشہ ایک حاکم ہوا کرتا تھا۔ جو البتہ ان کے پجاریوں کا ماتحت تھا، کیونکہ اس پجاری کے ذریعہ سے وہ دیوتاؤں کی حمایت میں رہتے تھے پس گویا ان آریوں کے اشغال تین قسم کے تھے۔ جن کو تین مختلف گروہ عمل میں لاتے تھے، یعنی "برہمن" جو کہ پجاری تھے "کھتری" جو لڑنے والا فرقہ تھا، اور دیش جو محنت مزدوری اور حرفت میں مصروف تھا...... ہند کی تینوں اعلیٰ تقسیموں سے اتر کر ایک گروہ ملک کے اصلی باشندوں کا تھا۔ جن کو "شودر" کا نام دیا گیا، کُل مردم شماری میں ان کی تعداد تین چوتھائی تھی"۔ (۲)

ہندوستان کی آزادی کے بعد چونکہ دستور کی دفعہ (۴) ۱۵۔ (۴) ۱۶۔ اور

☆☆

۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت، ص ۵۲۔

۲۔ گستاؤلی بان، تمدن ہند، ص ۲۷۳۔

۴۶ میں پست کردہ اقوام (Backward Classes) نچلی ذاتوں کے انسانی حقوق کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہے۔ لہذا پست کردہ اقوام "نچلی ذاتوں" کے معاملات اور ان کے حقوق کے متعلق پہلا آئینی کمیشن حکومت ہندوستان کی جانب سے "پست کردہ اقوام کمیشن" ((Backward Classes Commission)) ۱۹۵۳ء میں قائم ہوا، جس نے اپنی رپورٹ ۱۹۵۵ء میں پیش کی اور ۲،۳۹۹ نچلی ذاتوں کے لئے سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں جگہ محفوظ کرنے کی سفارش کی اور مذہبت کی بنیاد پر ذات پات کی اس طبقاتی تقسیم کو اس کمیشن نے نچلی ذاتوں اور پسماندہ و پست کردہ اقوام کی پسماندگی کا بنیادی سبب قرار دیا۔ بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں سرکاری سطح پر منڈل کمیشن قائم ہوا۔ جس نے ہندومت میں طبقاتی تقسیم کے ظالمانہ نظام کے اسباب و وجوہات اور اس کے آغاز و ارتقاء پر انتہائی تحقیق و جستجو کے بعد (Reservations For Backward Classes/ Mandal Commission Report Of The Backward Classes Commission, 1980.) مرتب کر کے پیش کی۔

۱۹۸۰ء میں قائم ہونے والے منڈل کمیشن رپورٹ کی تحقیقاتی کمیٹی اور ماہرین قانون نے طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے اس ظالمانہ نظام کی اساس ہندومت کے مذہبی لٹریچر اور مذہبی تعلیمات کو قرار دیتے ہوئے ہندو دھرم کی ذات پات اور چھوت چھات کی تقسیم کو نچلی ذاتوں کی پسماندگی اور استحصال کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے سفارشات پیش کیں۔ مذکورہ رپورٹ کے باب چہارم میں طبقاتی تقسیم، پست کردہ اقوام "Backward Classes" کے وجود پذیر ہونے کے اسباب وجوہات اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے استحصالی نظام اور انسانی عدم مساوات، چھوت چھات پر انتہائی اختصار کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ جسے ۳۴ دفعات یا نکات میں پیش کیا گیا ہے!

چنانچہ باب چہارم (۴۔۱) میں مقالہ نگار لکھتا ہے!

4.1 Castes are the Building bricks of Hindu social structure. All sorts of virtues and evils have been attributed to caste system by the social historians. But this controversy is not germane for our purpose. Here we are mainly concerned with the manner in which caste has fragmented the social consciousness of Hindu society by dividing it into numerous groups arranged in a hierarchical order. In his Contemporary Indian Philosophy, Prof. A.R. Wadia has observed. "The high metaphysics of Upanishads and ethics of the Gita have been reduced to mere words by the tyranny of the caste. Emphasising the unity of the Whole world, animate and inanimate, India has yet fostered a social system which has divided her children into water-tight compartments, divided them from one another, generation to generation, for endless centuries." It may be further remarked that in this process of division, groups called castes have been permanently assigned high or low ranks simply on the basis of birth.(1)

"مختلف ذاتیں (طبقاتی تقسیم) ہندو سماج کی تعمیر میں اینٹوں کی حیثیت رکھتی ہیں، سماجی مورخین نے ذات پات کے اس نظام کی طرف بہت سی خوبیاں اور خرابیاں منسوب کی ہیں۔ لیکن یہ بحث ہمارے مقصد کے موضوع سے غیر متعلق ہے۔ یہاں ہمارا تعلق خاص طور پر اس طریقے سے ہے جس میں ہندو سماج کو مختلف موروثی گروہوں (طبقات) میں تقسیم کر کے ہندو سماج کے ثقافتی شعور کو بکھیر دیا ہے۔

پروفیسر اے۔آر۔وادیا اپنی کتاب "In his Contemporary Indian Philosophy." میں رقم طراز ہے!

اپنشدوں کے اعلیٰ فلسفہ اور گیتا کے اعلیٰ اخلاق کو ذات پات کے ظلم نے حقیقت کے بجائے محض الفاظ تک محدود کر دیا ہے۔ دنیا کی حیوانی، جمادی حیات میں وحدت کو اہمیت دینے کے باوجود ہندوستان نے ایسے سماجی نظام کی پرورش کی جس نے ☆☆

(1)- Reservations for Backward Classes, P-19.

اس کی آئندہ نسلوں کو ایسے ہوا بستہ خانوں میں تقسیم کر دیا، اور ان کو صدیوں سے ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل علیحدہ کر رکھا ہے"۔ اس پر مزید رائے زنی کی جا سکتی ہے کہ تقسیم کے اس طریق کار میں ایسے گروہ جنہیں الگ ذات کہا گیا ان کو ہمیشہ کے لئے محض ان کی پیدائش کی بنیاد پر اعلیٰ یا ادنیٰ (اونچی یا نیچی ذات) درجہ پر مقرر کر دیا گیا۔(۱)

جبکہ ان ظالمانہ تعلیمات کو مرتب شکل دینے اور باقاعدہ قانونی تدوین کا سہرا معروف ہندو مقنن اور مذہبی رہنما "منوجی" کے سر جاتا ہے۔ جنہوں نے تین سو قبل مسیح میں ہندوستانی سماج کے لئے اس قانون کو مرتب کیا اور بہت جلد ان ظالمانہ اقدامات نے ملکی قانون اور مذہبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی۔

ذات پات اور طبقاتی تقسیم کی تعلیمات کا سرچشمہ ہندوؤں کی مذہبی کتب ہیں۔

"منوشاستر" ہندوؤں کی قانونی اور مذہبی دستاویز ہے جسے درجہ استناد حاصل ہے۔ اس میں تحریر ہے!

"قادر مطلق نے دنیا کی بہبود کے لئے برہمن کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی رانوں سے، اور "شودر" کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے"۔(۲)

آریاؤں کے عقیدہ کے مطابق برہمن کو پرش یا خدا نے اپنے منہ سے پیدا کیا ہے، پرش یا خدا کے منہ سے پیدا ہونے کا مطلب صاف واضح ہے کہ برہمن گویا خدا کی زبان ہیں اور انکی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ باقی تمام انسانوں کیلئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر برہمن خود نہیں بولتا بلکہ اسکی زبان سے خدا انسانوں سے خود ہمکلام ہوتا ہے۔

☆☆

(۱)۔ Reservations for Backward Classes/ Mandal Commission Report, Backward Classes Commission, 1980, Akalank Publications. Delhi. P-19

۲۔ منوشاستر باب اول/۳۱،

اس مذہبی فلسفہ کے پیش نظر برہمن کے لئے ویدوں کی تعلیم کا جاننا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ دوسری تمام اقوام پر برہمن کو امتیازی تفوق اور تقدس حاصل تھا۔ یہ لوگ انسان نہ تھے، بلکہ دیوتا تھے۔(۱)

نامور عرب مؤرخ و جغرافیہ دان البیرونی کی تحقیق کے مطابق سفید رنگ برہمن کا علامتی رنگ سمجھا جاتا تھا...... جبکہ چھتری اور دیش ذات کا رنگ سرخ...... اور شودر ذات کا رنگ سیاہ علامتی نشان کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔(۲)

''منوشاستر'' میں تحریر ہے کہ برہمن کے نام میں دو لفظ چاہئیں پہلے کے معنی پاکیزگی اور دوسرے کے معنی اقبال مندی۔ کھتری (شتری یا چھتری) کے نام میں دو لفظ چاہیں۔ پہلے کے معنی مال دوسرے کے معنی حفاظت، اسی طرح دیش کے نام میں دو لفظ چاہئیں، پہلے کے معنی مال دوسرے کے معنی پرورش کرنا، اور شودر کے نام میں بھی دو لفظ چاہئیں، ایک حقارت اور دوسرے عاجزی سے خدمت کرنا، اسی لئے ہندوؤں کے ہاں ہر قوم کے لئے علٰحدہ علٰحدہ پیشے مقرر کئے گئے ہیں۔ بلکہ ایک قوم کو دوسری قوم کا پیشہ جائز نہیں۔

برہمن کے لئے جو کام مقرر ہیں وہ علم حاصل کرنا، تعلیم دینا، صدقہ دینا، قربانی کرنا اور کرانا۔

کھتری کے فرائض درج ذیل ہیں! برہمن کی خدمت کرنا، ملک کی حفاظت کرنا اور اس غرض کے لئے لوگوں سے اجرت وصول کرنا اور بدکاروں سے جرمانہ لینا، بدکاروں کو سزا دینا، مال جمع کر کے ضرورت کے وقت خرچ کرنا، جانوروں اور خادموں کی خبر رکھنا، سوال نہ کرنا، نیکوں کا اعتبار زیادہ کرنا۔

دیش کے فرائض درج ذیل ہیں! علم حاصل کرنا خدمت کرنا، کھیتی باڑی کرنا، تجارت

۱۔ غلام اکبر ملک / راجپوت تاریخ کے آئینہ میں، العقاب پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، ۱۹۹۶ء ص ۲۷،

۲۔ البیرونی / کتاب الھند، مترجم: سید اصغر علی، ناشر الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ص ۲۰۶۔۲۰۷،

کرنا، بیل چرانا، شودروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ برہموں کھتریوں اور ویشوں کی خدمت کریں۔ ان کے اترے ہوئے کپڑے پہنیں اور ان کا جھوٹا کھائیں۔(۱)

ہندوؤں کی مذہبی کتب کی تعلیمات کی روشنی میں "ہندومت" کے ذات پات اور طبقاتی تقسیم پر مبنی اس ظالمانہ نظام کا تحقیقی اور تاریخی جائزہ تفصیلات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، جس میں ذات پات پر مبنی "طبقاتی تقسیم" کے چاروں طبقات "برہمن، چھتری، ویش اور شودر" ہر ایک کا معاشرتی، مذہبی، قانونی مقام، حقوق و فرائض اور دیگر تفصیلات کا جائزہ لیا جائے گا۔

طبقاتی تقسیم اور ہندومت کی مذہبی تعلیمات :

ہندومت کی مذہبی کتاب یجروید (۳۰ / ۵) میں لکھا ہے!

"وید" کے لئے برہمن، "حکومت" کے لئے چھتری، "کاروبار" کے لئے ویش، اور "دکھ" اٹھانے کے لئے شودر کو پیدا کیا گیا ہے۔

ہندوؤں کی قانونی کتاب "منوشاستر" میں مندرجہ ذاتوں کے لئے حقوق و فرائض کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے!

ہندومت کا معروف مقنن اور مذہبی پیشوا "منو" لکھتا ہے!

اس دنیا کے تحفظ کے لئے اس (خالق) نے ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض مقرر کئے۔(۲)

برہموں کے لئے وید کی تعلیم از خود اپنے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کا فرض قرار دیا۔(۳)

چھتری کو اس نے حکم دیا کہ مخلوق کی حفاظت کرنے، دان دے، چڑھاوے

۱۔ عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ، صدیقی ٹرسٹ کراچی سلسلہ نمبر ۱۷۸۵، ۱۹۹۴ء، ص ۲۰۱۔۲۰۲۔
۲۔ منوسمرتی باب اول ر ۸۷۔
۳۔ منوسمرتی باب اول ر ۸۸۔

چڑھائے، وید پڑھے اور شہوات نفسانی میں نہ پڑے۔(۱)

دیش کو اس نے حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، تجارت اور زراعت کرے۔(۲)

جبکہ "شودر" کے لئے خالق نے صرف ایک ہی فرض قرار دیا کہ ان تینوں (برہمن، چھتری، دیش) کی خدمت کرے۔(۳)

ہندومت کے سب سے اعلیٰ طبقہ برہمن کا مذہبی مقام اور حقوق:

ہندومت کا سارا نظام برہمیت کے گرد گردش کرتا ہے۔ جس کے اندر برہمن انسان ہوتے ہوئے بھی فوق الانسانی حقوق و اختیارات کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی اقوام ہیں ان کا فریضۂ منصبی یہی ہے کہ وہ مختلف حیثیتوں اور مختلف مراتب میں اس کی خدمت گزاری کا فرض انجام دیتی رہیں، اس کے لئے ہمیں "منوسمرتی" کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ جسے ہندومت کے مستند ترین قانونی ماخذ ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور جو اپنے کو ہندومت کے قدیم ترین ماخذ یعنی ویدوں کی شارح اور ان کے محافظ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔

"منوسمرتی" یوں تو انسانی زندگی سے متعلق تقریباً سب ہی گوشوں کے سلسلہ میں احکام و ہدایات پیش کرتی ہے، لیکن اس کا سب سے نمایاں عنصر اس کا ذات پات کا نظام، "درن آشرم" اور طبقاتی امتیاز کی تعلیم ہے کہ اس سے متعلق اشلوکوں کو اگر کوئی شخص نقل کرنا بھی چاہے تو تھک کر اسے چھوڑنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد تدوین ہی اندرون ملک برہموں کی

۱۔ منوسمرتی باب اول ر ۸۹۔

۲۔ منوسمرتی باب اول ر ۹۰۔

۳۔ منوسمرتی باب اول ر ۹۱۔

اجارہ داری کا استحکام، اور حکومت کے ادارے سے لے کر اس کے عوام تک ہر ایک کو ان کی خدمت گزاری اور ان کی وفاداری کے لئے تیار کرتا ہے۔(۱)

منڈل کمیشن رپورٹ :(۲)

کا مقالہ نگار لکھتا ہے!

4.2 One important outcome of this ritual ranking of castes has been to create deep-rooted vested interests in this system and to enable the higher castes to exploit the lower ones through the institutional framework of social organisation.

4.3 In fact there is nothing unusual about this phenomenon. Ruling classes everywhere have tried to perpetuate their privileges through all sorts of devices and aristocracy has generally joined hands with the clergy in this process. Giving an example of English popular preaching in the medieval ages, Owst (G.R. Owst/ Literature & Pulpit In Medieval England, Oxford. 1961.) Writes, "....... each man's first duty be he knight or priest, workman or merchant - is to learn and labour in the things of his particular calling, resting content therewith and not aspiring to meddle with the tasks and mysteries of others. The social ranks and their respective duties, ordained by God for humanity, were intended to remain fixed and immutable. Like the limbs of the body, they cannot properly exchange either their place or function"

"(۴۔۲) ذات پات کی اس مذہبی درجہ بندی کا ایک اہم نتیجہ اس تنظیم میں ایسے گہری بنیاد والے مفاد پرست عناصر کو وجود میں لانا اور سماجی تنظیم کے اس اداراتی خاکے کے ذریعہ ان میں سے اعلیٰ ذاتوں کو ادنیٰ ذاتوں کے استحصال کے قابل بنانا تھا۔

☆☆

۱۔ سلطان احمد اصلاحی، اسلام کا تصور مساوات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۸۔

۲۔ Mandal Commission Report of The Backward Classes Commission, 1980' P-19

(۴۔۳) در حقیقت ذات پات کے اس انوکھے اظہار میں کوئی بات غیر معمولی نہیں ہے۔ ہر جگہ حاکم طبقات نے اپنی حاصل شدہ مراعات کو ہر قسم کے طریقوں سے دوام بخشنے کی کوشش کی، اور اس کارگزاری میں حاکم طبقہ نے عام طور پر مذہبی طبقہ کا ساتھ دیا ہے۔ قرون وسطیٰ کی ایک انگریزی عام تبلیغ کی مثال دیتے ہوئے OWST لکھتا ہے "ہر شخص کا خواہ وہ سردار ہو، پادری ہو، مزدور ہو یا تاجر اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنی خاص صلاحیتوں کے کاموں کو سیکھے، اور بطور پیشہ اختیار کرے۔ اسی پر مطمئن رہے اور دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہو لوگوں کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرے۔ سماجی درجات اور ان کی بالترتیب خدمات کا خالق کی طرف سے انسانیت کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ مستقل اور ناقابل تبدیل رہنے کے لئے ہیں۔ جیسا کہ جسم کے اعضاء ہیں جو ایک دوسرے کی جگہ اس کاموں کے لئے درست طور پر اپنی جگہ یا کام تبدیل نہیں کر سکتے"۔

جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، وہ حاکم ہے کُل مخلوقات کا، جو کچھ اس دنیا میں ہے، برہمن کا مال ہے کیونکہ وہ مخلوق میں سب سے اعلیٰ مقام کا حامل ہے تمام چیزیں اسی کی ہیں۔(۱)

جو کوئی شخص برہمن کی توہین کرتا ہے وہ پاتال کے نرک (تحت الثریٰ) میں جاتا ہے۔(۲)

اے اندر دیوتا برہمنوں کے دشمنوں کو اس عالم میں رکھ جہاں تاریکی ہے، جہاں روشنی کا نام و نشان نہیں۔(۳)

اے دیوا دیوی تو برہموں کے دشمنوں کو ایک سو گرہوں والے تیر سے چھید کر ہلاک کردے۔(۴)

۱۔ منوسمرتی باب اول ر ۹۹۔
۲۔ اتھروید کاند ۲۰، سوکت ۲۸ ر منتر ۲۔
۳۔ اتھروید ۳ ر ۹، ۱۰۔
۴۔ ایضاً، ۵ ر ۶۱۔

برہمن کا قانونی مقام :

راجہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی برہمن کو قتل کرے، اگرچہ اس نے کیسا ہی گناہ کیا ہو۔(۱)

راجہ کو کیسی بھی ضرورت ہو حتیٰ کہ وہ مرتا بھی ہو تب بھی اسے اپنے ملک کے اندر کسی برہمن کو بھوکا نہ رکھنا چاہئے۔(۲)

راجہ کے لئے جائز نہیں کہ برہمن کو کسی حالت میں بھی قتل کرے، اگرچہ اس نے کیسا ہی جرم کیوں نہ کیا ہو، ایسے مجرم کو مال اور جان کے ساتھ ملک بدر کردینا چاہئے۔(۳)

سزائے موت کے عوض برہمن کا صرف سر مونڈھا جائے گا، لیکن اور ذاتوں کے لوگوں کے لئے سزائے موت ہے۔(۴)

اگر کوئی برہمن کسی شودر کو جان سے مارڈالے تو اس کے اوپر کوئی دوش نہ ہوگا، البتہ اسے پراسچت کرنا پڑے گا (کفارہ دینا ہوگا) یہ کفارہ وہی ہوگا جو کسی جاندار مثل نیولے، چھپکلی، چوہے، سانپ مارنے کا ہے۔(۵)

برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ شودر کا مال جبراً لے سکتا ہے، اس جبر سے برہمن پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا۔(۶)

جس برہمن کو "رگ وید" یاد ہو اگر وہ تینوں لولاک (عالم) کا ناش کردے

۱۔ منو دھرم شاستر ادھیائے ۸ / منتر ۳۸۰۔
۲۔ منو سمرتی باب اول / ۱۳۳۔
۳۔ منو سمرتی باب ہشتم / ۳۸۰۔
۴۔ منو سمرتی باب ہشتم / ۳۷۹۔
۵۔ منو شاستر ادھیائے ۱۲ / منتر ۱۳۲۔
۶۔ منو سمرتی باب ہشتم / ۴۱۷۔

تو بھی اس کے اوپر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا، وہ ہر حال میں معصوم سمجھا جائے گا۔(۱)
برہمن ہر حال میں سچا سمجھا جائے گا۔ اس کو گواہی میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں سچ بولوں گا، اس سے حلف لینے کی ضرورت نہیں۔(۲)

ہندومت کے سب سے ادنیٰ

طبقہ ''شودر'' کا مقام اور حقوق

طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے نظام میں ''برہمن'' چونکہ سب سے اعلیٰ مقام اور اس کے مقابل ''شودر'' سب سے ادنیٰ مقام رکھتا ہے۔ لہذا شودر کے مقام و مرتبہ اور حقوق و فرائض سے تفصیلی بحث ضروری ہے۔

''شودر'' کے ہندومت میں مقام، مرتبہ اور فرائض سے متعلق تحقیقی اور تاریخی جائزہ پر مبنی کتاب قدیم ہندوستان میں شودر / ڈاکٹر رام شرن شرما مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء کا مطالعہ اس موضوع پر مزید تفصیلی، تاریخی اور تحقیقی معلومات کے خواہشمند حضرات کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

مذکورہ کتاب کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے، ڈاکٹر رام شرن شرما لکھتے ہیں ا
''یہاں شودروں کی حیثیت تقریباً ۵۰۰ء تک جو مختلف ارتقائی تبدیلیاں واقع ہوئیں، ان کا ایک مربوط اور باضابطہ بیان پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جبکہ شودروں سے متعلق پہلی آزاد تصنیف V.S.Shastri- 1992 کا ایک مختصر مضمون ہے، جس میں شودر کی اصطلاح کی فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔
"The Status of The Sudra In Anciant India ایضاً ص ۱۵

☆☆

۱۔ منوشاستر ۹ / ۲۶۴۔
۲۔ منوسمرتی باب ہشتم / ۲۸۲۔

شودر کا مذہبی مقام:

اگر کوئی شودر ہندو "وید" پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے، اگر کوئی شودر منتروں کو زبانی یاد کر لے تو اس کو مار مار کر اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔(۱)

شودر کو "وید" پڑھنا پڑھانا منع ہے۔ اگر کوئی شودر "وید" پڑھے گا تو وہ اور اس کو پڑھانے والا دونوں اگلے جنم میں برہم راکشش بن کر پیدا ہوں گے۔(۲)

شودر کا مُردہ بستی کے جنوبی سمت سے مرگھٹ لے جایا جائے گا، شودر کی میت بستی کے شمال یا مغرب کی سمت سے مرگھٹ نہ جائے گی۔(۳)

برہمن کی چاکری اور خدمت شودر کے لئے بمنزلہ عبادت ہے، شودر کی نجات برہمن کی چاکری ہی سے ہوگی، اگر شودر برہمن کی چاکری کے علاوہ اور کوئی نیک کام کرے گا تو اسے اس نیک کام کا کوئی نیک نہ ملے گا۔(۴)

جو برہمن شرادھا (فاتحہ) کا کھانا کسی شودر کو کھلائے گا وہ کال سوتر نام کے نرک دوزخ میں پڑے گا۔(۵)

شودر کو حکم ہے کہ وہ تینوں ذاتوں (برہمن، چھتری، ویش) کی چاکری (خدمت) کرے۔ کیونکہ اسے دوجوں اعلیٰ ذات والوں کی چاکری کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔(۶)

☆☆

۱۔ گوتم دھرم شاستر ۱۲/۶۴
۲۔ مہابھارت ۱۳/۱۶،
۳۔ منو دھرم شاستر ۵/۹۲،
۴۔ منو دھرم شاستر ۱۰/۱۲۳،
۵۔ منو دھرم شاستر ۳/۲۴۹،
۶۔ منو سمرتی ۱/۸۹،

شودر کو مال و دولت جمع کرنے کا حق نہیں، اگر شودر کو مال و دولت جمع کرنے کا حق بھی ملے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مال وزر جمع کرے، اس لئے کہ وہ مال و دولت جمع کر کے برہمن کو دکھ پہنچائے گا۔(۱)

شودر کا معاشرتی مقام :

اگر کسی شودر کا ہاتھ برہمن کے کھانے میں لگ جائے تو وہ برہمن کو ہرگز نہ کھانا چاہئے۔(۲)

اگر کسی شودر کے ساتھ کوئی برہمن رہنے لگے تو برہمن اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک سال کے اندر بے ذات ہو جائے گا۔ اور اگر وہ شودر کے ساتھ کھانے پینے لگے تو وہ فوراً ذات سے باہر ہو جائے گا۔(۳)

شودر کا پانی اگر برہمن پی لے تو اس کو تین دن تک کش گھاس کا گرم کیا ہوا پانی پینا چاہئے، تب وہ پاک ہو گا۔(۴)

شودر کا قانونی مقام :

اگر کوئی شودر کسی برہمن یا چھتری کا نام بے حرمتی سے لے یا وہ کسی برہمن کو گالی دے تو راجہ کا فرض ہے کہ ایک لوہے کی کیل انگل کی گرم کر کے اس کے حلق میں ڈلوا دے۔(۵)

اگر کوئی شودر کسی برہمن پر تھوکے تو اس کے ہونٹ کٹوا دیئے جائیں، اگر کوئی شودر برہمن پر ہاتھ اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے، اگر وہ برہمن کو ☆☆

۱۔ منوسمرتی ۱۰/۱۲۹،
۲۔ دھرم شاستر ۵/۲۲،
۳۔ منودھرم ۱۰/۸۱،
۴۔ منوسمرتی ۱۱/۱۴۹،
۵۔ منوسمرتی ۸/۲۷۰،

لات سے مارے تو اس کا پاؤں کاٹ دیا جائے، اگر وہ برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو راجہ کا فرض ہے کہ اس کے کولہوں کو داغ دے۔(۱)

شودر کو آزاد بھی کر دیا جائے تو وہ آزاد نہ سمجھا جائے گا، اس لئے کہ قدرت نے اسے غلام بنا کر پیدا کیا ہے اور وہ پیدائشی غلام ہے۔(۲)

ہندو مت کی مذہبی کتب میں ذات پات اور اس سے متعلق تعلیمات کے مزید مطالعہ کیلئے دیکھئے!

☆...... "تمدن ہند" گستاؤلی بان، مترجم سید علی بلگرامی، مطبوعہ بک لینڈ کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۲۱۰۔ ۲۲۰

☆...... "ارمغان وید" ر عبدالرحمٰن صدیقی، دارالتذکیر لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۳۵۔ ۵۲،

☆...... "قدیم ہندوستان میں شودر" رام شرن شرما، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء،

ہندو دھرم میں ذات پات ایک ایسا آہنی بندھن ہے کہ ہر ذات کا آدمی جس ذات میں جنم لیتا ہے مرتے دم تک اسی میں رہتا ہے۔

منو لکھتا ہے!

"نیچی ذات والا اونچی ذات والے کا پیشہ اختیار کرے، اگر نیچی ذات والا اونچی ذات والے کا پیشہ اختیار کرے تو راجہ اس کی دولت چھین کر اسے ملک سے نکال دے۔(۳)

شودر کے متعلق ظالمانہ احکامات اور تعلیمات :

چونکہ شودر اور اچھوت ذات کے لوگ مجسم ناپاکی قرار دیئے گئے، اس لئے

☆☆

۱۔ منو شاستر ۸ / ۲۸۲،

۲ منو سمرتی باب ہشتم / ۴۱۴،

۳۔ منو سمرتی باب دہم / ۹۶، ورگ وید ۳ / ۵۳،

ان کے لئے یہ قوانین تھے کہ وہ اپنے ساتھ ایک مٹی کا برتن رکھیں تاکہ اگر تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں تھوکیں، اور اس طرح تھوک کر زمین کو گندہ نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح پاک اور اونچی ذات کا پاؤں اس پر پڑ سکتا ہے۔ اس کے پاس ایک کانٹے کی جھاڑو ہو تاکہ جب چلے تو اپنے پاؤں کو مٹاتا ہوا چلے اگر کسی برہمن کو آتا ہوا دیکھے تو فوراً منہ کے بل زمین پر گر جائے تاکہ اس کا سایہ اس پر نہ پڑے اور وہ اس کی شکل نہ دیکھ سکے...... ممبئی میں موجودہ زمانہ تک انہیں اس کی اجازت نہ تھی کہ گلی میں اونچی آواز میں بات کر سکیں۔

پونا شہر میں انہیں تین بجے شام سے چھ بجے تک یہاں آنے کی اجازت نہ تھی، کیونکہ اس عرصہ میں دھوپ کی وجہ سے سائے لمبے ہو جاتے ہیں اور اونچی ذات والے نہیں چاہتے تھے کہ ان پر ان کا سایہ بھی پڑے، کیونکہ سایہ پڑنے کی صورت میں وہ ناپاک ہو جاتے تھے اور اس کے لئے غسل کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔(۱)

ان تمام پابندیوں کے باوجود اونچی ذات والوں کو اس خطرہ کا احساس تھا کہ نیچی ذات والے کبھی ان قوانین کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں اور ان میں بغاوت اور مزاحمت کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، اس لئے برہموں نے اس کا سدباب کرنے کے لئے جو نظریہ تشکیل دیا وہ ایسا تھا کہ جس نے احتجاج اور بغاوت کے جذبات کو پیدا ہونے ہی نہیں دیا۔

ہندو عقیدہ کے تحت کسی شخص کی پیدائش اس کی ذات کا تعین کر دیتی ہے اور اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی ذات کو بدل سکے، ایک شخص جس ذات میں پیدا ہو گیا ہے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ذات کے قوانین اور طرز زندگی کو اختیار کرے اور یہ اس کا دھرم ہے کہ اگر وہ صدق دل، نیک نیتی اور خلوص سے دھرم پر عمل کرتا رہے، وہ اس کے قوانین اور روایات کی پابندی کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اسے اس دنیا میں تو کچھ نہ ملے گا مگر اگلے جنم میں اسکا صلہ اونچی ذات میں پیدا ہو کر ملے گا۔ اس

☆☆

۱۔ مبارک علی / اچھوت لوگوں کا ادب، فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۲۰۔۲۱۔

لئے "منو" نے کہا ہے کہ ہر ذات کے لئے ضروری ہے کہ اپنا فرض چاہے خراب کرے مگر اس سے بہتر ہے کہ دوسروں کا کام اچھی طرح سے کرے۔(۱)

ان وجوہات کی بناء پر "ہندومت" میں ذات پات کی تقسیم نہ صرف گہری ہوئی بلکہ اس نے مستقل اور دائمی شکل اختیار کرلی، ذات میں پیدائش کے ساتھ شادی بیاہ کے قوانین میں سختی کی وجہ سے اس کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں۔ اس قسم کے قوانین تشکیل دیئے گئے کہ شادی بیاہ ذات سے باہر نہ ہو اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو سزا دی جائے، اونچی ذات والے اگر اس سے انحراف کرے تو انہیں نچلی ذات میں شامل کر دیا جاتا، آپس میں کھانے پینے کی شرائط بھی بڑی سخت تھیں۔ ذاتوں سے متعلق پیشے تھے جو پیدائشی طور پر منتقل ہو جاتے تھے، لہذا ان سب باتوں نے مل کر ہندو معاشرہ کو ذات پات کی ایسی تقسیم میں جکڑ دیا کہ اس سے نجات حاصل کرنا ناممکن ہوگیا۔(۲)

ہندومت اور طبقاتی تقسیم

-آغاز-ارتقاء-اسباب-نتائج-ثمرات:

ہندومت میں طبقاتی تقسیم، پسماندہ "پست کردہ اقوام" (Backward Classes) چھوت چھات اور ذات پات کے اس ظالمانہ نظام کے اسباب و وجوہات، آغاز وارتقاء اور نتائج و ثمرات کی تحقیقات کے لئے سرکاری سطح پر ایک کمیشن مقرر کیا گیا، جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین کے علاوہ آئینی ماہرین کو بھی شریک کیا گیا۔ جنہوں نے بعد از تحقیق و جستجو انتہائی کاوشوں کے بعد ایک تفصیلی رپورٹ پیش کی، جو چار سو سے زائد صفحات پر محیط ہونے کے ساتھ ساتھ ہندومت کی طبقاتی تقسیم اور ذات پات کی ظالمانہ تحریک اور استحصالی نظام کے

☆☆

۱۔ مبارک علی راچھوت لوگوں کا ادب، ص ۲۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۲۔

آغاز وارتقاء، اسباب ووجوہات، اور نتائج و ثمرات کو جاننے کے لئے ایک تاریخی و تحقیقی رپورٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ذیل میں نتیجہ بحث کے طور پر اس تفصیلی اور تاریخی و تحقیقی رپورٹ کے باب چہارم جو کہ درحقیقت تفصیلی رپورٹ کا خلاصہ یا نتیجہ بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دفعات (۴۔۵ تا ۴۔۷) اسباب و نتائج اور آغاز وارتقاء کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہیں۔ ذیل میں انہیں درج کیا جاتا ہے۔

"Social Backwardness and Caste" Reservations For Backward Classes/ Mandal Commission Report of The Backward Classes Commission, 1980,

4.5 The real triumph of the caste system lies not in upholding the supremacy of the Brahmin, but in conditioning the consciousness of the lower castes in accepting their inferior status in the ritual hierarchy as a part of the natural order of things. In India caste system has endured for over 3,000 years and even today there appear no symptoms of its early demise. No social institution containing so large an element of inequality and discrimination towards majority of the People can survive that long in a purely social context. It was through an elaborate, complex and subtle scheme of scripture, mythology and ritual that Brahmanism succeeded in investing the caste system with a moral authority that has been seldom effectively challenged even by the most ardent social reformers. How religion and mythology were used the weave this magic web, we shall rty to show with the help of some well-known examples.

4.6 The concept of divine origin of the caste system has the authority of the holiest Hindu scriptures.

As mentioned earlier, Rigveda describes the creation of four Varnas from the limbs of Purshasukta. The Taittiraya Samhita not only ascribes the origin of Chaturvarna from the limbs of the Creater, but also interprets this origin theologically and gives divine justification of their functions and status. In Gita, Lord Krishna says, "The four-fold Order was created by Me, on the basis of quality and action."

4.7 "All Hindu Dharma Shastras take caste for granted. All Puranas assume the existence of caste and look upon it as ■ permanent order of society.(1)

"(۴۔۵) ذات پات کے نظام کی کامیابی محض برہمن کے اقتدار کو تسلیم کرنے میں ہی نہیں، بلکہ نچلی ذاتوں کے شعور کی وہ حالت بنا دینے میں ہے کہ وہ اپنی نیچی حیثیت کو مذہبی موروثیت کو فطری تسلیم کرلیں۔ ہندوستان میں ذات پات کے نظام نے تین ہزار برس سے زائد کا عرصہ گزار لیا ہے، اور آج بھی اس کے ختم ہونے کی کوئی علامات ظاہر نہیں ہوتیں۔ عوام کی اکثریت کے ساتھ نابرابری اور امتیاز کا اتنا زیادہ عنصر ہوا اتنے لمبے عرصے تک کسی خاص سماجی تسلسل ہی سے قائم ■■ سکتا ہے۔ مذہبی کتب۔ علم الاصنام، اور مذہبی اعمال کے ذریعے یہ ایک تفصیلی اور نازک تدبیر کی رو سے برہمن ازم اس ذات پات کے نظام کو ایسی اخلاقی سند دینے میں کامیاب ہوا۔ جس کو شاذ و نادر ہی مخلص سماجی مصلحین نے کبھی اس کو کامیابی سے للکارا ہو۔ مذہب اور علم الاصنام اس جادوئی جال کو بننے میں کس طرح استعمال کیے گئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ چند مشہور مثالوں کی مدد سے اسے دکھائیں۔

☆☆

1- Reservations for the Backward Classes/ Mandal Commission Report. P-19,

(۴۔۶) ذات پات کے نظام کی الہیاتی اصلیت ہندو مذہبی کتب میں سب سے زیادہ مقدس کتاب (رگ وید) میں موجود ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بتایا جاچکا ہے کہ چار ورنوں کی تخلیق آسمانی انسان کے چار اعضاء سے ہوئی۔ اپنشد چار ورنوں کو خالق کائنات کے اعضاء سے بنے ہوئے بلکہ تفسیر کرتے ہوئے ان کی حیثیت اور اعمال کے جواز میں اصلی مذہبی رو سے پیش کرتا ہے۔ گیتا میں کرشن جی نے کہا ہے کہ چاروں خاصیت اور عمل کی بنیاد پر میں نے بنائے ہیں۔

(۴۔۷) سارے دھرم شاستر ذات پات کے نظام کو تسلیم کرتے ہیں۔

سارے پرانوں میں ذات پات کے نظام کا بیان موجود ہے اور اسے سماج کی مستقل اور ناقابل تبدیل تنظیم مانتے ہیں۔

منڈل کمیشن رپورٹ کے مقالہ نگار نے (باب چہارم کی دفعہ ۴۔۲۹) میں لکھا ہے!

4.29 As caste conditioned and controlled every aspect of an individual's life, it led to the creation of a society in which there was no 'rank disequilibrium,. In other words, the lower castes were backward not only socially, but also educationally, politically and economically. On the other hand, the higher castes were advanced in all these spheres, The basic cause of this phenomenon was the higher or lower rank of a particular caste in the ritual hierarchy. (ص ۲۲)

"چونکہ ذات پات فرد کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھی۔ نتیجہ میں اس نے ایسے سماج کی تشکیل کی جس میں اس کے قائم کردہ ذات پات کے (نظام) توازن کی نفی نہیں تھی۔ دوسرے الفاظ میں نچلی ذاتیں نہ صرف سماجی طور پر پسماندہ تھیں، بلکہ تعلیمی، سیاسی اور معاشی طور پر بھی پسماندہ تھیں۔ دوسری طرف اعلیٰ ذاتیں ان تمام معاملات میں ترقی یافتہ تھیں، اس صورت میں حالات کا بنیادی سبب مذہبی موروثیت کے نظام میں کسی خاص ذات کا اونچا یا نچلا درجہ تھا"۔

تہذیب قدیم اور طبقاتی تقسیم :

ہندومت کے تاریخی اور تحقیقی جائزہ کے بعد تہذیب و تمدن اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کے نظریہ "انسانی مساوات" کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ، ان کی تہذیبی معاشرتی اور قانونی تدوین و تاریخ کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

یونانی تہذیب اور بابائے تہذیب

افلاطون کا نظریہ طبقاتی تقسیم :

یونان کا مشہور فلسفی سقراط کی تعلیمات ناشر، ارسطو کے استاد افلاطون (Ardistoclese) کا نظریہ ملاحظہ کیجئے!

وہ کہتا ہے!

"شہریو! تم آپس میں بھائی ضرور ہو، مگر پیدا کرنے والے خالق نے تمہیں باہم مختلف حیثیتوں میں تخلیق کیا ہے، تم میں سے کچھ انسانوں میں حکمرانی کی اہلیت ہے۔ انھیں خالق نے سونے سے پیدا کیا ہے، کچھ چاندی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جو ان کے معاونین و مددگار ہیں، پھر کاشتکار اور دستکار ہیں، جنہیں اس نے پیتل اور لوہے سے بنایا ہے۔ (۱)

قدیم یونان (ایتھنز) کا معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا۔

ا۔۔۔۔۔ طبقہ حکمراں (بادشاہ) :

سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ اسے سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی مانا جاتا تھا۔

---

(1)- Morris Stock Hammen/ Plato Dictionary. Philosophical Library. Newyork.. 1903, P-32.

۲...... طبقۂ امراء :

ان کا دعویٰ تھا کہ وہ دیویوں اور دیوتاؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ان کا نسب زیوس دیوتاؤں سے ملتا ہے۔ جو کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے خاندان کا حاکم اعلیٰ ہے، اسی دعویٰ کی بناء پر انہوں نے اپنے معاشرہ میں دیگر طبقات پر فوقیت حاصل کرلی تھی۔

۳...... طبقۂ عوام :

انہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہ تھا، ان کا معاشی نظام غارت گری اور بحری قزاقی کے علاوہ تجارت اور کاشتکاری پر مبنی تھا۔(۱)

قدیم یونان (اسپارٹا) کا دستور ذات پات کے سخت اور شدید نظام پر مبنی تھا، وہاں کے باشندوں کو تین طبقات میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

۱...... شہری: اسپارٹا کے حقیقی باشندے جو پوری آبادی کا پانچ سے دس فیصد تک تھے۔ یہی طبقہ حکمراں تھا، فوج انہی کے جوانوں پر مشتمل تھی، وہ کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔

۲...... غلام : ان کا تناسب سپارٹا کے حقیقی باشندوں کے مقابلہ میں دس اور ایک تھا، اکثریت ان کی تھی، کھیتی باڑی وہی کرتے، انہیں زمینوں سے وابستہ کردیا گیا تھا، کچھ بطور مزدور کھیتوں میں کام کرتے یا ان کے شخصی ملازم ہوتے۔

۳...... کسان : تیسرا طبقہ کسانوں، کانکنوں، تاجروں اور دیگر قسم کی سرگرمیاں انجام دینے والوں کا تھا۔ یہ اگرچہ آزاد تھا لیکن ان کو کوئی سیاسی حق حاصل نہ تھا، یہ اہل سپارٹا میں نہ شامل ہوسکتے تھے، اور نہ ان میں شادی کرسکتے تھے۔(۲)

☆☆

۱۔ محمد کرم شاہ الازہری ضیاء النبی ﷺ /۱۰۶۔۱۰۷،

۲۔ ایضاً، ۱/ ۱۰۸۔۱۰۹،

طبقاتی تقسیم کے متعلق یونانی فلسفی

دانشور افلاطون کی رائے:

افلاطون سے جب پوچھا گیا کہ شہر کا نظم ونسق کس طرح چلایا جائے کہ اس مین عدل وانصاف کے تمام قواعد پر عمل ہو سکے، اس کے جواب میں افلاطون کہتا ہے!

"اس کے لئے شہر کے باشندوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

﴿۱﴾-حکام، ﴿۲﴾-لشکر، ﴿۳﴾-عوام الناس۔

پہلے دو طبقے اس مثالی شہر کے نگہبان ہیں، ان دو طبقوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے اور ان کی خصوصی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ افلاطون پھر تاکید کرتا ہے کہ ان طبقوں کو ہر قسم کی مالی مشکلات سے دور رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

دوسرے اور تیسرے طبقہ کے متعلق ان کی ظالمانہ رائے ملاحظہ فرمائے!

اگر عوام الناس اور اہل لشکر کے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تو انہیں قتل کردیا جائے۔(۱)

قدیم ایرانی تہذیب اور طبقاتی تقسیم:

پروفیسر ارتھر کرسٹن لکھتے ہیں!

"ایرانی سوسائٹی کی عمارت دوستونوں پر قائم تھی ایک نسب اور دوسری جائیداد، طبقہ نجباء شرفاء اور عوام الناس کے درمیان نہایت مستحکم دیواریں قائم تھیں، دونوں کی ہر چیز میں امتیاز تھا سواری مین اور لباس مین، مکان مین باغ میں عورتوں اور خدمت گاروں میں"۔(ضیاء النبی ﷺ، ۱ر ۲۱۷)

☆☆

۱۔ محمد کرم شاہ الازھری رضیاء النبی ﷺ ۱ر ۱۱۱۔ ۱۱۲،

سوسائٹی میں ہر شخص کے لئے ایک معین مقام تھا۔ ساسانی سیاست کا یہ ایک محکم اصول تھا کہ فرد اپنے اس بلند تر رتبے کا خواہشمند ہرگز نہ ہو، جو اسے پیدائشی طور پر ازروئے نسب حاصل ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے افراد کو خصوصی مراعات حاصل تھیں۔

امراء و نجباء کے خاندانوں کی پاکی نسب اور غیر منقولہ جائیداد کی حفاظت قانون کی ذمہ داری تھی، شاہان ایران کو اپنی عالی نسبی کا اس قدر شدید احساس تھا کہ صرف اپنی رعایا سے ہی اپنے آپ کو بالاتر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دوسرے آزاد ممالک کے حکمرانوں کو بھی اپنا ہم پلا خیال نہیں کرتے تھے، بلکہ انہیں اپنے سے فروتر سمجھتے تھے۔ (ایضاً ار ۴۲۲)

ایران بعہد ساسانیاں کا مؤلف پروفیسر ارتھر کرسٹن لکھتا ہے!

اپنے کتبوں میں شاہان ساسانی ہمیشہ اپنے آپ کو پرستندگان مزدا کہتے، ساتھ ہی وہ اپنے نام کے ساتھ خدا کے القاب بھی لگاتے۔ اپنے آپ کو شخص ربانی (بغ) اور خداؤں یزدان، کی نسل سے شمار کرتے۔ (۱)

خسرو اوّل (نوشیروان) نے قیصر جسطینین کے نام اپنے خط میں اپنے نام کے ساتھ مندرجہ ذیل القابات لگائے ہیں!

وجود ربانی، نیکوکار، ملک کو امن دینے والا، واجب الاحترام، خسرو شہنشاہ ارجمند، پارسا، فیض رساں، جس کو خداؤں نے بہت بڑی سعادت اور سلطنت سے بہرہ مند کیا ہے، زبردستوں کا زبردست، خداؤں کا ہم شکل۔

خسرو دوم، پرویز، نے اپنے القاب کو یہاں تک بلند کیا کہ صفات مندرجہ کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کر دیا۔ خداؤں میں انسان غیر فانی، اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا شب کی آنکھوں کا اجالا۔ (۲)

☆☆

۱۔ ارتھر کرسٹن ر ایران بعہد ساسانیاں، مترجم: محمد اقبال ر مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۴۱ء، ص ۳۳۷،

۲۔ ایضاً ر ص ۳۳۸

ایران کا معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ اور ان کے درمیان ایسی حد بندیاں تھیں کہ جن کو وہ بآسانی عبور نہیں کر سکتے تھے، معاشرہ کے جس طبقہ میں وہ پیدا ہوئے، عمر بھر اس طبقہ کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور تھے، اپنا آبائی پیشہ ترک کرنے کی بھی آزادی نہ تھی، اعلیٰ طبقوں کو چند ایسی مراعات حاصل تھیں جن کے بارے میں ادنیٰ طبقات کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، مذہبی رہنماؤں نے انہیں اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنے کے لئے یہ درس دیا تھا کہ ان کے آباء واجداد نے جو پیشہ اختیار کیا تھا، اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا، بلکہ خدا کی طرف سے ان کو اس پیشہ کو اپنانے کا حکم ملا تھا۔ جو پیشہ خدائی فرمان کے تحت ان کے آباء واجداد نے اختیار کیا تھا، اب ان کی اولاد کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ اسے چھوڑ کر کوئی اور پیشہ اختیار کریں۔(۱)

شہنشاہ ایران اردشیر نے اپنی رعایا کو مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کر دیا تھا!

۱۔۔۔۔۔ شاہی خاندان کے افراد کا طبقہ سب سے اعلیٰ تھا۔

۲۔۔۔۔۔ آتش کدوں کے خدام عبادت گزار اور مذہبی پروہتوں کو دوسرے طبقہ میں رکھا گیا تھا۔

۳۔۔۔۔۔ اطباء، منجمین، اصحاب علوم وفنون کو تیسرے طبقہ سے شمار کیا جاتا تھا۔

۴۔۔۔۔۔ کاشتکاروں اور اہل حرفہ کو چوتھا طبقہ کہا جاتا تھا۔(۲)

قدیم مصری تہذیب اور طبقاتی تقسیم:

مصری معاشرہ میں سب سے اعلیٰ طبقہ مذہبی پیشواؤں اور امراء کا شمار کیا جاتا تھا جو تعداد میں بہت قلیل تھے۔ لیکن اختیارات اور اثر و نفوذ میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے نیچے محنت و مشقت کرنے والے لاکھوں کسان تھے، زمین اصلاً

۱۔ محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی ﷺ، ۱/۷۷۔

۲۔ ایضاً، ۱/۱۹۱۔

فرعون کی ملکیت مانی جاتی تھی۔(۱)

رومن تہذیب اور مدوّن رومن قانون جسٹنی نین

(Justinian) کا نظریۂ طبقاتی تقسیم

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلطنت روما میں مدوّن قانون جسٹنی نینؒ نے سماج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ سب سے اوپر آزاد شہری (Genuous Civi-cin) تھے اور سب سے نیچے غلام اور دونوں کے نیچے متعدد طبقات تھے، جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل، مذہب و ملت، صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔

جسٹنی نین (Justinian) جس نے روما کے قانون کی تدوین کی تھی اور دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کر کے دکھائے، رسالتمآب، انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی ولادت باسعادت سے پانچ سال قبل انتقال کر گیا تھا۔

قانونی نقطۂ نظر سے اس نے سماج کو حسب ذیل تقسیم پر ترتیب دیا تھا!

(طبقہ اوّل)

۱﴾ **Honestiores** مملکت کا اعلیٰ ترین طبقہ:

یہ طبقہ امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(طبقہ دوئم)

۲﴾ **Humiliores**:

اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں سزائے موت دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

☆☆

۱۔ محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبی ﷺ ار۱۶۰۔

(طبقہ سوم)

۳﴾ **Servi :**

سب سے نچلا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا۔ آگ میں ڈالا جاتا تھا۔ اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔ (۱)

سلطنت رومہ :

سلطنت رومہ کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔

۱﴾...... طبقہ امراء

۲﴾...... طبقہ عوام

امراء کا طبقہ خوشحال خاندانوں پر مشتمل تھا۔ شہریت کے پورے حقوق انہیں کو حاصل تھے۔ اس طبقہ میں صرف وہ لوگ شامل تھے جو زرعی زمینوں کے وسیع و عریض قطعات کے مالک تھے، یا بڑی بڑی جائدادوں والے کنبوں سے وابستہ تھے۔ آبادی کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق طبقہ عوام سے تھا۔ وہ لوگ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے۔ جمہوریت کے ابتدائی دنوں میں انہیں یہ اجازت نہ تھی کہ فوج میں بھرتی ہو سکیں اور دفاعی خدمات بجالائیں۔ (۲)

عظیم رومی سلطنت کے سایۂ میں انسانیت کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک طبقہ کو دنیا بھر کی راحتیں آسائشیں اور جملہ وسائل عیش و طرب میسر تھے، دوسری طرف عوام کا سواد اعظم تھا، جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی ترس رہا تھا اور افلاس و تنگ دستی کے باوجود مملکت کی ساری مالی ضروریات بہم پہنچانے کا بوجھ اس نے اٹھا رکھا تھا۔ (۳)

☆☆

۱۔ عبدالمعید / عہد نبوی ﷺ کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپریل ۱۹۹۷ء، ص ۶۔۸،

۲۔ محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء النبی ﷺ ۱ / ۱۳۲، ۱۳۲،

۳۔ محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء النبی ﷺ ۱ / ۱۴۰،

علم حیوانیات کے مغربی ماہرین اور طبقاتی تقسیم :

علم حیوانیات کے مغربی ماہرین جانوروں میں سب سے زیادہ باشعور جانور انسان کو قرار دینے کے بعد جانوروں کی اقسام کی طرح انسان کو کئی اقسام کی نسلوں میں تقسیم کرتے ہیں، یہ تقسیم مستقل اور نہ تبدیل ہونے والی ہے، اس تقسیم کو زبان، رنگ، اور قد ایک مستقل حیثیت دیتا ہے۔

فرانسیسی ماہر "کومے داگوبینا" نے "نورڈک" نسل کا نظریہ پیش کیا۔ جس کے تحت لمبے قد اور سنہری بالوں والی نسل کے لوگ پوری اقوام میں سب سے زیادہ باعمل اور تخلیقی صلاحیتوں کے مالک قرار پائے۔

ایک اور فرانسیسی "والاپوژ" نے آریہ نسل کی برتری کا نظریہ پیش کیا ہے۔ جسے بعد میں اختیار کیا گیا اور ماہر لسانیات، علم حیوانیات، آثار قدیمہ مؤرخوں اور دانشوروں نے اسے مقبول بنانے میں مدد دی۔

ہٹلر کے زمانہ میں اس نظریہ کو فروغ حاصل ہوا کہ "نورڈک" "آرین" اور جرمن نسلیں فطری طور پر حکمراں نسلیں ہیں۔(۱)

مغربی ماہر حیوانیات "کومت جوزف ارتھر ڈی گوبینیو" (Comte Joseph Mrthur De Gobineau) نے ایک مقالہ (۵۵، ۱۸۵۳ء) میں یہ نوید سنائی تھی کہ بنی نوع انسان بیّن طور پر الگ الگ نسلوں پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح جسمانی ساخت، ذہنی صلاحیت، نیز اوصاف و اطوار کے اعتبار سے ہر فرد خلقی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور یہ کہ صرف ایک نسل "آریائی نسل" ہی قدر تاباقی تمام اقوام پر فوقیت رکھتی ہے چنانچہ اس نے لکھا تھا!

"اس کرۂ ارض پر انسان کے تمام کارناموں میں خواہ وہ سائنس کے میدان میں ہوں خواہ فنون کے شعبہ میں یا تمدن کے فروغ سے ان کا تعلق ہو، اور ہر وہ چیز جو بلند پایہ، قابل قدر اور ثمر آفریں کہلانے کی مستحق ہو، اس کا مبدأ و سرچشمہ

☆☆......۱۔ مبارک علی رغلامی اور نسل پرستی، تخلیقات لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۴۷،

اور نقطۂ آغاز ایک ہی ہے اور ایک ہی جرثومۂ حیات کے ارتقاء کا حاصل ہے، پھر یہ جرثومۂ حیات بھی صرف ایک خاندان کی میراث ہے جس کی مختلف شاخیں سارے عالم کے تمدن یافتہ ملکوں پر حکمرانی کرتی رہی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سارے سارے تمدنوں کا ماخذ بھی سفید اقوام ہی ہیں اور یہ کہ ان کی مدد کے بغیر کسی تمدن کا وجود، ممکن ہی نہیں۔(۱)

حقوقِ انسانی کی علمبردار نام نہاد مہذب

مغربی دنیا اور انسانی عدمِ مساوات :

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل، حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم(۲)

نام نہاد مہذب یورپی دنیا میں نسلی امتیاز کا نظریہ (Racism) پچھلی صدیوں میں شدت کے ساتھ پروان چڑھا اور اب تک وہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ ابتداً یہ ذہن اسلئے پیدا ہوا کہ اہل یورپ نے اپنے اور دوسروں کے درمیان رنگ اور کلچر کو بنیاد بنا دیا۔ انہوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ وہ دوسرے انسانوں سے برتر (Superior) ہیں اور دوسرے انسان ان سے کمتر (Inferior)

☆☆

۱۔ ول ڈیورنٹ آرتیل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، ص ۲۷۔

۲۔ اقبال / ضرب کلیم، لاہور الفیصل ناشران و تاجران کتب، ص ۵۱۔

عہد حاضر میں نظریۂ ارتقاء کے ظہور نے اس کو مزید تقویت عطاء کی کیونکہ سماجی ڈارونیت (Social Darwinism) کے تحت یہ سمجھ لیا گیا کہ انسانیت مختلف ارتقائی مراحل سے گزر رہی ہے اور مغربی تہذیب اس کا درجہ کمال ہے۔ اس کے مطابق یورپ کے سفید فام، انسان ترقی یافتہ اور مہذب نسل قرار پائے اور دوسرے غیر سفید فام طبقے عمل ارتقاء میں غیر ترقی یافتہ اور غیر مہذب قرار پائے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی بناء پر یورپی اقوام نے دوسری اقوام کو اپنے سے کمتر سمجھا، اس کے نتیجہ میں سفید فام کی ذمہ داری (White Man`s Burden) کا نظریہ پیدا ہوا، اس کا مطلب یہ تھا کہ سفید فام اقوام کو یہ حق ہے کہ وہ دنیا پر قبضہ کریں اور ان کے اوپر تہذیب کے معلم بنیں۔ (۱)

اس سلسلہ میں کومت جوزف ارتھر ڈی گوبینیو (Comte Joseph Arthur De Gobineau) کا تائیدی نظریہ ملاحظہ کیجئے۔ موصوف نے ۵۵۔۱۸۵۳ء میں ایک مقالہ لکھا، جس میں یہ نوید سنائی تھی کہ نبی نوع انسان بیّن طور پر الگ الگ نسلوں پر مشتمل ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح جسمانی ساخت، ذہنی صلاحیت، نیز اوصاف واطوار کے اعتبار سے ہر فرد خلقی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اور یہ کہ صرف ایک نسل آریائی نسل ہی قدرتا باقی تمام پر فوقیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا تھا!

”اس کرۂ ارض پر انسان کے تمام کارناموں میں خواہ وہ سائنس کے میدان میں ہوں خواہ فنون کے شعبہ میں یا تمدن کے فروغ سے ان کا تعلق ہو اور ہر وہ چیز جو بلند پایہ، قابل قدر اور تمدن آفرین کہلانے کی مستحق ہو اس کا مبدأ و سرچشمہ اور نقطۂ آغاز ایک ہی ہے اور اکیلے ایک ہی جرثومہ حیات کے ارتقاء کا حاصل ہے۔ پھر یہ جرثومہ حیات بھی صرف ایک خاندان کی میراث ہے، جس کی مختلف شاخیں

۱۔ الرسالہ، پاکستان، جنوری ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۔۱۷۔

سارے عالم کے تمدن یافتہ ملکوں پر حکمرانی کرتی رہی ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سارے کے سارے تمدن کا ماخذ بھی سفید اقوام ہیں اور یہ کہ ان کی مدد کے بغیر کسی تمدن کا وجود ممکن ہی نہیں ہے۔(۱)

یورپ میں نسل پرستی کے جو نظریات پروان چڑھے اس کی جڑیں دو تاریخی نظریات ہیں۔

۱...... اوّل یہ کہ یونانیوں اور رومیوں کو فطرت نے بہتر بنایا۔

۲...... دوم یہ کہ یہ برتری یہودیوں کو خدا کی جانب سے ملی۔(۲)

یورپین اقوام (سفید فام) جو افریقیوں (سیاہ فام) کے مقابلہ میں مہذب اور ترقی یافتہ تھیں انہوں نے معاشی فوائد کے لئے جبری غلامی کے اخلاقی جواز تلاش کر لئے، ان کا نظریہ تھا، کہ چونکہ افریقی غیر مہذب جاہل اور جانوروں کی سطح کے لوگ ہیں، اسلئے نہ تو ان کے ہاں کوئی تہذیب ہے اور نہ ثقافت، لہذا ایسے لوگوں کو بطور غلام استعمال کرنا اخلاقی لحاظ سے کوئی برائی نہیں ہے۔(۳)

اگرچہ یورپی اقوام نے غلامی کا اخلاقی جواز تلاش کر لیا، لیکن اسکی وجہ سے جو مظالم ڈھائے گئے جو ناانصافیاں کی گئیں اس کے نتیجہ میں افریقی اور یورپی و امریکی معاشرے متاثر ہوئے اس کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔ افریقیوں کو انسانیت کے درجہ سے گرا کر ان سے گندے اور سخت کام کرائے گئے۔ اہل مغرب نے انہیں دنیا کی نظروں میں پسماندہ بنا دیا۔ نسل پرستی کے جذبات کو جن کی بناء نفرت اور انسان دشمنی پر تھی، انہیں پروان چڑھایا، ان کی جڑیں اس قدر گہری ہو گئیں کہ آج تک رنگ کی بنیاد پر نسل پرستی، مغربی و امریکی تہذیب کا ایک حصہ بنی ہوئی ہے۔ اور وہ

☆☆

۱۔ ول ڈیورنٹ آرئیل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، ص ۷۲۔

۲۔ مبارک علی / غلامی اور نسل پرستی، ص ۲۷۔

۳۔ ول ڈیورنٹ آرئیل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، ص ۶۲۔

ذہنی طور پر اس قدر ترقی کرنے کے باوجود اس سے نجات نہیں پا سکے۔(۱)

نسل پرستی اور سیاہ و سفید کے اسی غیر انسانی نظریہ نے سیاہ فام کو اس درجہ کمتر اور کم حیثیت بنا دیا کہ ۱۵۹۳ء سے ۱۷۰۰ء تک تین ۳ ملین افریقیوں کو نئی دنیا میں بھیج دیا گیا۔ ۱۷۰۱ء سے ۱۸۱۰ء تک غلاموں کی تجارت کو مزید فروغ حاصل ہوا، اور مزید ۹ ملین سیاہ فام نسلی بنیاد اور امتیاز پر غلام بنائے گئے۔

۱۸۱۱ء سے ۱۸۷۰ء کے درمیان ۱۰۹ ملین سیاہ فام افریقی محض رنگ اور نسلی تفریق کی بناء پر گھر بار سے محروم ہو کر جانوروں کی طرح فروخت کئے گئے۔ غلاموں کی اس تجارت میں انگریز، فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگیزی، جرمنی، اور ولندیزی سب ہی شامل تھے۔(۲)

انسان اور قومیں اپنا ذہن بدل لیتی ہیں، کلچر بدل لیتی ہیں، مگر اپنا رنگ نہیں بدل سکیں، اس بنیاد پر نام نہاد مہذب مغربی دنیا رنگ اور نسلی امتیاز کی بناء پر ان کا مسلسل استحصال کئے ہوئے ہے۔

عیسائی (یورپی) کلچر میں سیاہ اور سفید کے درمیان تعصبات بہت قدیم ہیں۔ اس سے بھی پہلے کہ ان کا رابطہ کالی نسل کے لوگوں سے ہوا۔ کالے کو ہمیشہ سے گناہ اور برائی کی علامت سمجھا گیا اور اس سے موت اور جہنم کو منسوب کیا گیا، اس قسم کے جملے اور الفاظ جیسے بلیک لسٹ، کالی بھیڑ، کالا جادو، برائی کے معنی میں آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں سفید معصومیت، پاکیزگی اور امن کا رنگ بن گیا، اس لئے جب یورپ اور افریقہ کے درمیان تصادم ہوا تو پہلے سے موجود تعصبات، امپیریل ازم، اور کولونیل ازم کے پھیلانے میں کام آئے۔(۳)

نسل پرست یورپ نے ڈارون کے نظریہ "طاقت ور کی بقاء" کو اپنے

☆☆

۱۔ ول ڈیورنٹ آریئل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، ص ۲۷،

۲۔ ایضاً...... ص ۵۹،

۳۔ ایضاً...... ص ۷۸،

مقصد کے لئے استعمال کیا اور ثابت کیا کہ صرف سفید فام اقوام ہی دنیا کے فطری حکمراں ہیں اور نمایاں خصوصیات ان کی ہڈیوں کی بناوٹ ہے۔(۱)

نام نہاد مہذب مغربی دنیا کے سپہ سالار اور انسانی حقوق کے علمبردار امریکی معاشرہ کا ایک سیاہ فام غلام جو اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھاگ کر آزاد علاقہ میں آیا اس کی تحریر نے اس نظام کی خامیوں کا یہ خاکہ پیش کیا!

"قانون مالک کو غلام پر لامحدود اختیارات دیتا ہے۔ وہ اس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ اسے کوڑے لگا سکتا ہے۔...... اور بعض مواقع پر جان سے بھی مار سکتا ہے۔ مکمل چھوٹ کے ساتھ، غلام انسان ہونے کے باوجود تمام حقوق سے عاری ہوتا ہے۔ کتے اور گھوڑے کی طرح ذاتی ملکیت ہوتا ہے۔ انسانی برادری سے باہر، اس کا نام مالک کے کھاتوں میں گھوڑوں، بھیڑوں، اور سوروں کے ساتھ لکھا ہوتا ہے۔ قانون کی نظر میں اس کی کوئی بیوی، کوئی بچہ، کوئی ملکیت، کوئی گھر نہیں ہوتا، وہ کسی شئے کا مالک نہیں بن سکتا، وہ کسی چیز کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا"۔

"۱۸۰۹ء میں جنوبی کیرولینا (امریکہ) کی ایک عدلیہ نے فیصلہ سنایا!" نوجوان غلام ...... اسی طرح ہیں جیسے دوسرے مویشی، (۲)

گہوارۂ تمدن کی تاریخ میں سیاہ رنگ جرم ہے اور عملی طور پر سیاہ فام جائز آزادی اور حقوق انسانی سے محروم ہیں۔ امریکہ کے بعض مقامات پر قانوناً سیاہ فام سفید فام سے شادی نہیں کر سکتا۔ اور نہ اسکول، یونیورسٹی، اسپتال وغیرہ میں گوروں

☆☆

۱۔ ول ڈیورنٹ آرئیل ڈیورنٹ ر تاریخ کا سبق، ص ۸۷،

۲۔ قیصر سلیم ر امریکہ جیسا میں نے دیکھا، بساط ادب کراچی ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۹،

کے ساتھ رہ سکتا ہے بلکہ دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اسکول اور اسپتال قائم کئے گئے ہیں۔ گوروں کے مجمع عام، مہمان خانوں، کھانے کے کمروں، ڈائننگ ہال میں سیاہ فام کا داخلہ ممنوع ہے۔ — حتی کہ بعض گرجاؤں میں کالوں کو مذہبی مراسم ادا کرنے کا حق نہیں۔(۱)

معروف امریکی مصنف ہری ہارووڈ (Harry Harwood) لکھتا ہے ا

"یہ صحیح ہے کہ قرون وسطی والی غلامی اس دور میں ختم ہو گئی ہے، لیکن طبقاتی تقسیم، نسلی امتیاز (سیاہ وسفید) کی شکل میں ہمارے نظام میں غلامی اب تک باقی ہے۔ آج بھی یہی کوشش ہے کہ سیاہ فام ذلت کی زندگی بسر کریں۔(۲)

افریقہ کو سیاہ براعظم (Dark Continent) قرار دیا گیا۔ یہاں کے لوگوں کی جلد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا وہ پیدائشی طور پر کمتر مان لئے گئے۔

پندرھویں صدی عیسوی میں یورپ میں یہ ذہن پیدا ہوا کہ نیگرو پیدائشی غلام ہیں یہ ابتدائی دور کے لوگ ہیں اور تہذیب کو اختیار کرنے کے لئے نااہل ہیں۔

۱۹۰۰ء میں تقریباً نوے ہزار نیگرو امریکہ میں تھے۔ ۱۹۶۰ء میں ان کی تعداد بڑھ کر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہوئی۔ ۱۹۰۰ء میں زیادہ تر بے روزگار تھے اور ان کے لئے تعلیمی مواقع بھی نہیں تھے۔ نہایت ناخوشگوار کاموں پر اور انتہائی کم اجرت پر لگے ہوئے تھے۔ تقریباً ۴۵ فیصد ان پڑھ تھے، بیشتر کو نہ تو ووٹ دینے کا حق تھا اور نہ ہی جیوری کے فرائض انجام دے سکتے تھے۔ جنوب میں تو ان کے لئے اسکول بھی الگ تھے اور ٹرانسپورٹ بھی حتی کہ تفریحی مقامات بھی ان کے ساتھ رہائش اور ملازمت کے لئے بھی امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔(۳)

☆☆

۱۔ سید مجتبیٰ موسوی / مغربی تمدن کی ایک جھلک، ترقی اردو بورڈ دہلی (س۔ن) ص ۸۴۔

۲۔ ایضاً...... ص ۸۸۔

۳۔ قیصر سلیم / امریکہ جیسا میں نے دیکھا، ص ۳۱۳۔

امریکہ میں سیاہ فام افراد کی آبادی تقریباً تین کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے اور اس وقت امریکہ میں ۴۲ فیصد مسلمان سیاہ فام ہیں، سفید فام امریکیوں کی ان سے نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ انہیں عام امریکی معاشرہ میں برداشت نہیں کرتے۔ حتی کہ ان کی رہائش کے لئے بھی شودروں کی طرح گوروں کی آبادی سے دور شہر سے باہر علیحدہ بستیاں ہیں، جنہیں (Ghettos) کا نام دیا جاتا ہے، جو کہ غلامی کے دور کی رسم ہے اور اس دور کی یاد تازہ کرتی ہے۔(۱)

اقوامِ متحدہ کے سول بد نظمی کے کمیشن نے ۱۹۶۸ء میں امریکی قوم کے رجحان کے تعلق سے صاف الفاظ میں کہا ہے!

"Our Nation is Moving Toward Two Societies, One Black, One White- Separate And Unequal."

ہماری قوم دو سماجوں کی جہت میں نشو و نما پا رہی ہے۔ ایک سیاہ اور دوسری سفید، دونوں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور غیر مساوی۔(۲)

واشنگٹن میں رونما ہونے والے ایک واقعہ نے امریکی معاشرے میں ایک ہیجان کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ وائٹ ہاؤس کے عین سامنے "دی مال روڈ" پر سیاہ فام مردوں کا ایک بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا، جس میں مغربی ذرائع ابلاغ کے مطابق چار لاکھ افراد نے شرکت کی، جبکہ اجتماع کے منتظمین کا دعویٰ ہے کہ دس لاکھ افراد شریک ہوئے۔ اس اجتماع کو "ملین مین مارچ" کا نام دیا گیا تھا۔ جس کا اہتمام 'نیشن آف اسلام" نامی تنظیم کے رہنما فراخان نے کیا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں شہری حقوق کے لئے کی جانے والی جدو جہد کے بعد یہ سیاہ فام باشندوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ ہر عمر اور ہر پیشے کے سیاہ فام افراد ملک کے ہر حصہ سے اجتماع میں شرکت کرنے آئے تھے۔

مارچ کے پس پردہ محرکات میں صدیوں کا احساس محرومی اہم کردار ادا کر رہا ہے، امریکی معاشرے میں سیاہ فارم لوگوں کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ وہ

☆☆

۱۔ حوالہ مجلہ الدعوۃ لاہور، اگست ۱۹۹۶ء۔

۲۔ محمد عبد القادر عمادی رنسل اور نسلی امتیازات، آواز فاؤنڈیشن لاہور، ص ۶۱۔

پیدائشی طور پر کند ذہن اور مجرم ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں جمہوریت کے ثمرات سے بہرہ مند ہونے کے مواقع حاصل کرنے سے دور رکھا جاتا ہے۔ ان کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ ایک جائزے کے مطابق ایک عام سیاہ فام مرد کی اوسط عمر ۶۵ سال ہے۔ یعنی سفید فام مردوں سے آٹھ سال کم۔ سیاہ فام نوجوانوں کی موت کی بڑی وجہ قتل ہے۔ ۲۰ سے ۲۹ سال کے درمیان ہر تین میں سے ایک نوجوان یا تو سلاخوں کے پیچھے بند ہے یا پھر پروبیشن یا پیرول پر ہے۔ جنگ عظیم دوئم سے قبل صرف ۵ فیصد سیاہ فام مڈل کلاس میں شامل تھے۔ آج اگرچہ مڈل کلاس میں ان کا تناسب ۶۰ فیصد ہے۔ لیکن وہ زیادہ تنخواہوں والی ملازمتیں حاصل کرنے میں ناکام ہوگئے ہیں۔ کیونکہ جدید دور کے وائٹ کالر جاب کے لئے جس مہارت اور ہنر مندی کی ضرورت ہے وہ سیاہ فام غریب علاقوں کے اسکولوں میں پیدا نہیں کی جاسکتی۔ امریکی حکام اب یہ بات شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ امریکی معاشرے میں عدم مساوات کے باعث نسلی تضادات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کلنٹن انتظامیہ کے سینئر اہلکاروں نے صدر بل کلنٹن پر زور دیا ہے کہ وہ صورتحال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے شہری علاقوں کے بارے میں ایک مفصل حکمت عملی کا اعلان کریں۔ ہفت روزہ "ٹائم" کے ذرائع نے بتایا ہے کہ وائٹ ہاؤس کی اقتصادی مشیر لاورا ٹائی سن نے تمام کیبنٹ سیکرٹریز اور وائٹ ہاؤس کے اعلیٰ عہدیداروں کو ایک یادداشت روانہ کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ شہروں میں غریب علاقوں کے باشندوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے ایک پالیسی کا اعلان کیا جائے۔ اس کے علاوہ کانگریس کے چھ ارکان نے صدر کلنٹن سے کہا ہے کہ وہ امریکا میں نسلی تعلقات کا جائزہ لینے کے لئے فی الفور ایک کمیشن تشکیل دیں۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں درجنوں امریکی شہروں میں فسادات پھوٹنے کی وجہ کا پتا چلانے والے کرنر کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "ہماری قوم دو معاشروں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ایک سیاہ اور ایک سفید فام۔ دونوں معاشرے جداگانہ اور غیر مساوی حیثیت کے حامل ہیں"۔ یہ رپورٹ ۱۹۶۸ء میں جاری کی گئی تھی۔ اس رپورٹ کے ۲۷ سال بعد آج حالات بہت زیادہ

خراب ہو چکے ہیں۔(۱)

سیاہ فام اور سفید فام کی نسلی اور طبقاتی جنگ کی حالیہ تصویر ”روانڈا“ میں ملاحظہ فرمائیے!

”افریقہ کے ملک روانڈا میں نسلی اور طبقاتی تصادم نے انسانی خون کی ارزانی کی ایک بھیانک مثال قائم کی۔ اقوام متحدہ کے ذرائع کے مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۹۴ء سے شروع ہونے والے اس خونی کھیل میں پانچ سے دس لاکھ افراد تعصب اور نسلی امتیاز کا شکار ہو کر قتل ہوئے۔

روانڈا کی یہ خانہ جنگی در حقیقت یورپی نو آبادی کے گہرے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ”ہوتو“ اور ”تتسی“ قبائل کے درمیان نسلی اور طبقاتی عصبیت پر مبنی اس خانہ جنگی اور خونریزی میں ہلاک ہونے والے اکثریتی ”ہوتو“ قبیلہ کے افراد سیاہ فام افریقی رنگ و شکل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ ”تتسی“ قبائل کا رنگ نسبتاً صاف اور نقوش مغرب والوں جیسے ہیں۔(۲)

آج مغربی معاشرہ میں سیاہ فام افریقیوں میں اسلام کی حیرت انگیز اشاعت، روز افزوں رفتار ترقی اور سیاہ فاموں کی اسلام میں شمولیت کی بڑی وجہ اسلام کا نظام مساوات ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی انہیں امتیازات اور رنگ و نسل کی نفرت پر مبنی لعنت سے آزادی مل جاتی ہے۔ جس کا اعلان محسن انسانیت ﷺ نے ”خطبۂ حجۃ الوداع“ کے تاریخی اعلان کے موقعہ پر ان الفاظ میں فرمایا!

لوگو!

”تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سب کے سب آدمؑ (کی اولاد سے ہو) اور آدمؑ مٹی سے تھے، (مٹی سے پیدا کیے گئے تھے)...... نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت

☆☆

۱۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۳ نومبر ۱۹۹۵ء،

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۵ اگست ۱۹۹۵ء،

رکھتا ہے اور نہ سرخ فام سیاہ فام پر فضیلت۔

فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے"

انسانی مساوات کے اس ابدی منشور ہی کی تاثیر ہے کہ سیاہ فام اقوام کا پسندیدہ ترین مذہب اسلام قرار پایا ہے اور وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

مساواتِ انسانی کے قیام اور طبقاتی امتیازات کے خاتمہ میں محسن انسانیتؐ کا کردار ﴿فتح مکہ سے استشہاد﴾ :

محسن انسانیت ﷺ نے فتح مکہ (۱۰ رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء) کے موقعہ پر کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا اس میں قریش کو خطاب کرتے ہوئے انسانی مساوات کے خلاف ان کے وضع کردہ قوانین اور طبقاتی اور نسبی امتیازات کے خاتمہ کے تاریخ ساز اعلان سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار فرما دی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

یامعشر قریش!

انّ اللّٰہ قد اذھب عنکم نخو الجاھلیۃ، و تعظّمھا بالآ باء النّاس من آدم و آدم من تراب(۱)

اے جماعت قریش!

بے شک اللہ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباء واجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا۔ (سچ تو یہ ہے) تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں اسے مزید وضاحت کے ساتھ اس

☆☆

۱۔ ابن قیم الجوزی، زاد المعاد ۳ / ۳۲۲۔۳۲۳۔

طرح بیان کیا گیا ہے۔ :-

یآ ایّھا النّاس انّ اللّٰہ قد اذھب منکم عبیّۃ الجاھلیّۃ وتعاظمھا بآبا ئھا فا النّاس رجلان رجل برّ تقّی کریم وفاجر شقیّ ھیّن علی اللّٰہ و النّھاس بنو آدم و خلق اللّٰہ آدم من التّراب،	اے لوگو! اللہ نے تم سے دور کر دیا جاہلیت کے گھمنڈ کو اور باپ دادوں کے نام پر ایک دوسرے سے بڑا جتانے کو۔ پس آدمی تو دو ہی طرح کے ہیں اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے نزدیک عزت کا حامل، اور بدکار بدبختی کا مارا ہوا، اللہ کے نزدیک بے وقعت ہے، سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔
قال اللّٰہُ تعالیٰ : یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْآ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ.(۱)	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اور تم کو کر دیا ہے مختلف قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ بیشک تم میں عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔

☆☆

۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، مطبعہ خیریہ مصر ۱۳۱۹ھ، ۶/۳۳۸

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کے حوالے سے اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے :-

عن ابن عمر قال طآف رسول اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ علیه وسلّم یوم فتح مکّة علیٰ ناقته القصوآء یستلم الأرکان بمحجن فی یده فما وجدلها مناخاً فی المسجد حتیٰ نزل صلّی اللّٰهُ علیه وسلّم علیٰ ایدی الرّجال فخرج بها الی بطن المسیل فانیخت ثمّ انّ رسول اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ علیه وسلّم خطبهم علی راحلته فحمِدَ اللّٰه تعالیٰ و أثنیٰ علیه بما هُوله اهل ثمّ،

قال:یآ ایّهاالنّاس انّ اللّٰه تعالیٰ قد اذهب عنکم عیّبة الجاهلیّة

عبداللہؓ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اپنی اونٹنی "قصواء،" پر بیٹھ کر طواف کیا۔ ایک چھڑی جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اس سے آپ ﷺ ارکان، کو بوسہ دیتے جاتے تھے۔ مسجد حرام کے اردگرد آپ ﷺ کو اونٹنی بٹھانے کے لئے جگہ نہیں ملی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور اسے لے کر آپ ﷺ وادی کے بیچ میں پہنچ گئے ۔ جہاں اسے بٹھایا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھے ہی بیٹھے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپؐ نے اللہ کی حمد و ثناء کی۔ پھر فرمایا! اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی برائی کو دور کر دیا، اور اسی طرح اپنے آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے سے بڑائی کو۔ آدمی تو دو ہی

و تعظُّمها　بابآئها
فاالنّاسُ رجلان رجل
برتقّی کریم علی اللّٰہِ
تعالیٰ ورجل فاجر شقّی
هیّن علی اللّٰہ تعالیٰ انّ
اللّٰہَ عزّوجلّ یقول: یآ
اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ
مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنا
کُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ
لِتَعَارَفُوْآ اِنَّ اَکْرَ مَکُمْ
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ
خَبِیْرٌ، ثمّ قال صلی اللّٰہ
علیه وسلّم : اقول قولی
هذا واستغفر اللّٰہ لی
ولکم (۱)

طرح کے ہیں نیک آدمی ہے جو اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے نزدیک شرف و منزلت کا حامل ہے۔ دوسرا بدکار ہے، بدبختی کا مارا ہوا۔ جو اللہ کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسی پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اور اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں۔

لینتهینّ اقوام یفتخرون
بابآئهن الّذین ماتوا انّماهم
فحم جهنّم اولیکوننّ اهون

باز آجائیں جو لوگ اپنے اُن آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے پر فخر جتاتے ہیں جو مر گئے اور اب جہنم کا کوئلہ بن چکے ہیں۔ ورنہ وہ اللہ کے

☆☆

۱۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ تجاریہ مصر ۱۹۳۷ء، ۴/ ۲۱۸۔

علی اللّٰہ من الجُعل الّذی یدھدہ الحزآء بانفه ان اللّٰہَ اذھب عنکم عبیّة الجاھلیّة وفخر ھا بالاباء انّما ھو مؤمن تقّی وفاجر شقی الناس بنو آدم و آدم خلق من التّراب (۱)

نزدیک اس گبرونڈے سے بھی زیادہ بے وقعت ہوں گے۔ جو اپنے نتھنے سے نجاست کو ڈھکیلتا پھرتا ہے۔ سچ ہے کہ اللہ نے تم سے دور کر دیا جاہلیت کے گھمنڈ کو اور اپنے آباؤ اجداد کے نام پر بڑا بننے کو۔ آدمی تو صرف دو طرح کے ہیں۔ مومن، اللہ سے ڈرنے والا، اور بدکار، بدبختی کا مارا ہوا۔ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔

یہ روایت امام ترمذی کی ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

انّ اللّٰہَ قد اذھب عنکم عبیّة الجاھلیّة و فخر ھا بالآ باء مؤمن تقّی و فاجر شقیّ انتم بنو آدم و آدم من تراب لید عنّ رجال فخرھم باقوام انّما ھم فحم من جھنّم اولیکو ننّ اھون علی اللّٰہ من الجعلان التی تدفع

سچ ہے کہ اللہ نے تم سے دور کر دیا جاہلیت کے گھمنڈ کو اور اپنے آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے سے بڑا بننے کو۔ اب یا تو مومن ہے اللہ سے ڈرنے والا یا بدکار ہے بدبختی کا مارا ہوا، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ چھوڑ دیں لوگ فخر جتانے کو اپنے ان لوگوں کے نام پر جو کہ اب محض جہنم کا کوئلہ بن چکے ہیں۔ ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گبرونڈے سے بھی

☆☆

۱۔ ترمذی / جامع الترمذی ۲ / ابواب المناقب، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

بأنفها انتن (۱)

زیادہ بے وقعت ہوں گے جو اپنے نتھنے سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں :-

قد اذهب اللّٰه عنكم عبيّة الجاهليّة و فخرها با لآ بآء مؤمن تقي وفاجر شقيّ والنّاس بنو آدم و آدم من تراب (۲)

اللہ نے تم سے دور کر دیا جاہلیت کے گھمنڈ کو، اور اپنے آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے کو بڑا بننے کو۔ اب تو وہی طرح کے لوگ ہیں، مومن اللہ سے ڈرنے والا، اور بدکار بدبختی کا مارا ہوا۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

امام بیہقیؒ کی روایت میں اس پر اضافہ ہے :-

يآ ايّها النّاس انّ ربّكم واحد وانّ اباكم الا لا فضل لعربيّ على عجميّ ولا لعجميّ علىٰ عربيّ ولا لأحمر علىٰ أسود ولا لأسود علىٰ احمر الّا بالتقوىٰ انّ اكرمكم عند اللّٰهِ اتقاكم — الا هل بلغّت : قالوا بلىٰ يا رسول اللّٰهِ قال فليبلّغ

اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے۔ اور تم سب کے باپ ایک ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ سوائے ایک خوف خدا کے۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ سنو! میں نے تم تک بات پہنچادی؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: تو جو لوگ یہاں

☆☆

۱۔ ابوداؤد السجستانی ر سنن ابوداؤد ۲ ر باب التفاخر فی الاحساب، مطبع مجیدیہ کانپور ۱۳۴۵ھ۔

۲۔ الترمذی ر جامع الترمذی ۲ ر ابواب المناقب۔

الشّاھد الغائب (۱) | موجود ہیں وہ ضرور پہنچا دیں ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

ابن ابی حاتم کے یہاں یہ روایت اس طرح ہے :

یآ ایّھا النّاس انّ ربّکم واحد وانّ اباکم واحد الا لا فضل لعربیّ علی عجمیّ ولا لأ سود علیٰ احمر الّا بالتّقویٰ خیرکم عند اللّٰہِ اتقاکم (۲)

اے لوگو! بیشک تم سب کا رب ایک ہے۔اور تم سب کے باپ ایک ہیں۔ سن لو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر سوائے ایک خوف خدا کے۔ تم میں سب میں بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

"محبوب خدا(ﷺ)" کے مؤلف چوھدری افضل حق کیا خوب لکھتے ہیں!

مساوات انسانی اور مساوات جنسی کے متعلق کوئی اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے۔ نسل اور خون کے فخر نے دنیا میں انسانی خون کی ایسی ارزانی کی ہے کہ اس کے تصور سے جان کانپ اٹھتی ہے۔(۳)

ہندو دانشور چودھری چھوٹو رام کے الفاظ میں!

"اسلام کی روح اخوّت اور مساوات ہے، دیگر مذاہب بھی اخوّت اور مساوات کی تلقین کرتے ہیں۔ عملی زندگی میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اخوّت اور مساوات کو حقیقی اور عملی بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے رنگ، نسل، نسب اور قومیت کے تمام امتیازات کو سختی سے مٹا دیا اور اسلام کی بنیاد ہی اخوّت اور مساوات پر قائم کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اخوت اور مساوات کا کوئی دوسرا مذہب مقابلہ نہیں کر سکتا...... خصوصاً اس کا اندازہ آپ ﷺ کے اس خطبہ

☆☆

۱۔احمد بن حنبل ر المسند، القاھرہ ۱۳۱۳ھ، ۵/۴۱۱۔

۲۔ابن حجر عسقلانی ر فتح الباری ۶/ ۳۴۸۔

۳۔ محبوبؐ خدا ر چوھدری افضل حق، الفیصل لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۷۔

سے کیا جاسکتا ہے جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اہل قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ ﷺ کے الفاظ کس قدر دلآویز ہیں۔

"اے اہل قریش!

عہد جاہلیت کا فخر و غرور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اور وہ اب کبھی واپس نہیں آسکتا، تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک صرف وہی لوگ عزت شرافت کے مستحق ہیں، جن کے اعمال حیات پاکیزہ اور برائی سے محفوظ ہیں۔ (۱)

اس عہد کے ہندو سیرت نگار پروفیسر راما کرشنا راؤ، جنہوں نے محسن انسانیت ﷺ کی حیات طیبہ پر انگریزی میں ایک کتاب "Muhammad The Prophet Of Islam" لکھی، موصوف اس کتاب میں رقمطراز ہیں!

"عالمی اخوت وانسانی مساوات کا اصول جس کی تبلیغ پیغمبر اسلام ﷺ نے کی وہ انسانیت کی سماجی ترقی میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ تمام بڑے مذاہب نے اس قسم کے اصولوں کی تبلیغ کی ہے مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے اس نظریہ کو حقیقی عمل کی صورت دے دی اور اس کی اہمیت شاید کچھ دنوں بعد اور پوری طرح سمجھی جاسکے گی۔ جبکہ بنیادی قومی شعور بیدار ہو گا۔

نسلی تعصبات ختم ہو جائیں گے، اور انسانی اخوت کا ایک طاقت ور نظریہ وجود میں آجائے گا۔ (۲)

مغربی دانشور آرنلڈ ٹوائن بی (Civilization (A.J. Toynbee) on Trial) میں لکھتا ہے!

""محمد ﷺ نے اسلام کے ذریعہ انسانوں میں رنگ و نسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی، جو محمد ﷺ کے مذہب کو نصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لئے رو رہی ہے اسے صرف

☆☆

۱۔ پیغمبر اسلام ﷺ رچوھدری چھوٹو رام، دفتر اشاعت سیرت لاہور، ص ۱۳۔ ۱۴،

۲۔ تجلیات سیرت ﷺ رمحمد ثانی، فضلی سنز اردو بازار کراچی ۱۹۹۶ء، ص ۳۴۲،

اور صرف مساوات محمدی ﷺ کے ذریعہ پورا کیا جاسکتا ہے۔(۱)

آپ ﷺ نے مساوات انسانی کے اس تاریخ ساز اعلان پر ہی رسماً اکتفاء نہ فرمایا بلکہ اس کا عملی نفاذ اعلان مساوات انسانی سے بڑھ کر تھا، اس دور کی تاریخ، ثقافت، تہذیب، معاشرت، جاہلانہ قوانین، انسانیت اور انسانی مساوات کے خلاف وضع کردہ دساتیر، جاہلانہ نخوت، عصبیت انسانی، امتیازات اور عدم مساوات کے نظام کہن اور انسان دشمنی پر مبنی عہد جاہلیت کے وضع کردہ اصولوں پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ جس سے عرب جاہلیت کا موروثی نخوت و عصبیت کا مت پارہ پارہ ہوگیا۔

آپ ﷺ نے اعلان مساوات انسانی کو عملی اقدام کی شکل دینے اور سیاہ و سفید کے امتیاز کے خاتمہ کے لئے وہ اقدام کیا جو نہ صرف قریش، بلکہ تمام قبائل عرب بشمول کفار و مسلمین سب کے لئے انتہائی حیران کن تھا۔

فتح مکہ کے موقعہ پر آپ ﷺ کے ہمراہ دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی مقدس جماعت موجود تھی، جن میں وہ صحابہ کرامؓ بھی تھے جو دنیا میں ہی آخرت کی کامیابی اور جنت کی بشارت زبان حق ترجمان پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے سن چکے تھے۔ ان میں خلفائے راشدین بھی تھے، ان میں اصحاب بدر و احد، اور دیگر غزوات کے شرکاء بھی تھے۔ ان میں بعض اپنے قبائل کے سردار اور معزز عرب قبائل کے سرکردہ افراد بھی تھے، ان میں جاں نثار صحابہ کرامؓ، انصار، مہاجرین اور ان کے قبائل اور خاندانوں کے معززین اور سردار بھی تھے۔ لیکن ......! محسن انسانیت ﷺ نے اعلان مساوات انسانی کو عملی اقدام میں بدلنے کے لئے تمام توقعات کے برعکس شان تحمل کے ساتھ حکم دیا کہ "بلالؓ! کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو، وہ حریم قدس جس کو ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا۔ اور جس کی عظمت و تقدس کفار مکہ اور مسلمانوں دونوں کے دلوں میں رچی بسی ہوئی تھی۔ جس کی کے لئے ہر فرد جان دینا باعث فخر سمجھتا تھا، اسی کعبہ کی چھت پر کھڑے ہونے کا

☆☆

1-Toynbee, A.J/ Civilization on Trial, New York P-948

عظمت و تحفظ اعزاز سیاہ حبشی نژاد آزاد شدہ غلام سیدنا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) بن رباح حبشی کے حصہ میں آیا۔

یہ واقعہ نہ صرف عرب تاریخ میں بلکہ پوری قدیم دنیا کی تاریخ میں انوکھا، منفرد اور امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ اگر اسلام قائم اور غالب نہ ہوتا، تو اس گستاخی، تصور و تخیل سے بعید اس اقدام، اور ماوراء العقول اس واقعہ کا برداشت کرنا جاہلانہ نخوت اور حسب و نسب کے تفاخر و امتیازات میں مبتلا عرب قوم کے لئے ان کے خاندانی وقار، اور عزت و غیرت پر طمانچہ تھا۔

اہلیان مکہ کے لئے یہ بڑا عجیب منظر تھا۔ ان کے تند و تیز جملوں اور سخت تبصروں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس تاریخ ساز انقلابی اقدام سے انہیں کتنا سخت دھچکا لگا تھا۔ نسلی تفاخر، اور حاکمیت کے نشہ میں چور عتاب بن اُسید نے کہا!

(میرا باپ) اسید اچھا رہا اللہ نے اس کی لاج رکھ لی کہ اس کی آواز سننے سے قبل ہی وہ قبر میں چلا گیا۔

"حارث بن ھشام" نے کہا!!

"کیا محمد (ﷺ) کو اس کالے کوے (نعوذ باللہ) کے سوا کوئی اور مؤذن نہ ملتا تھا۔ (۱)

معروف ہندو سیرت نگار پروفیسر راما کرشنا راؤ "Muhammad The Prophet of Islam" میں فتح مکہ کے موقعہ پر محسن انسانیت ﷺ کے انسانی مساوات کے عملی نفاذ کے اس تاریخ ساز اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"نماز کے لئے اذان دینے کا عمل آغاز اسلام کے زمانہ میں ایک باعزت کام سمجھا جاتا تھا، اور یہ باعزت کام اس نیگرو غلام کے سپرد کیا گیا تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ نماز کے لئے اذان دیں، اور یہ نیگرو غلام اپنے کالے رنگ اور موٹے ہونٹوں کے ساتھ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا، جو کہ

☆☆

۱۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح مواہب للدنیہ ۲/۳۴۶، حلبی، علی بن برہان الدین سیرت حلبیہ، دار المعرفہ بیروت، ۳/۵۴،

اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ تاریخی اور سب سے زیادہ مقدس جگہ ہے۔ اس وقت کچھ معزز عرب تکلیف کے ساتھ بولے!

"اُف یہ کالا حبشی غلام، برا ہو اس کا یہ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا ہے اذان دینے کے لئے"

غرور اور تکبر کا یہ مزاج پیغمبر اسلام ﷺ ختم کرنا چاہتے تھے۔(۱)

فتح مکہ کے موقعہ پر "انسانی مساوات کا تاریخ ساز اعلان، محض درس و وعظ ہی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ سب سے بڑی، مؤثر اور ناقابل تردید دلیل بھی تھی۔ دنیا کے تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، آدم ہی سب کے مورث اعلیٰ تھے۔ اگر ایک گھرانے کے تمام ارکان درجے میں یکساں ہوتے ہیں تو پھر آدمؑ کی اولاد میں چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ، آقا و غلام کی تفریق کس بناء پر جائز سمجھی جاسکتی ہے۔ خون، رنگ، نسل، وغیرہ کے امتیازات ان لوگوں نے پیدا کئے جن کے ہاتھ سے حقیقت کا رشتہ نکل چکا تھا۔ یا جو تعصّبات کی بناء پر انسانیت کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ اللہ کے نزدیک مراتب کا انحصار حسن عمل پر ہے۔ جس کے پاس علم کا اندوختہ زیادہ ہو گا وہ خدا کے نزدیک سب پر فائق ہو گا۔

رسالتمآب ﷺ کی قائم کردہ "انسانی مساوات" ہی کا اثر تھا کہ عرب جنہیں اپنے نسب پر، اپنے حسب پر انتہا درجہ کا غرور اور ناز تھا، نسبی فخر ان کے معاشرہ میں ایک دیوتا تھا۔ جو صدیوں سے ان میں پوجا جاتا تھا۔ اور یہ تفاخر اس درجہ تک تھا کہ قریش عام عربوں کے ساتھ حج کے مناسک کی ادائیگی میں بھی اپنی اہانت محسوس کرتے تھے، لیکن محسن انسانیت ﷺ کے انسانیت پر مساوات کے قیام کے اعلان اور عملاً حضرت بلال حبشیؓ کو یہ مقام بلند عطا فرما کر عملی اقدام کی صورت دینے کی بدولت آن واحد میں پوری انسانی تاریخ، تہذیب، تمدن اور معاشرت میں تبدیلی آگئی۔ اب سیدنا حضرت بلالؓ غلام نہیں، آقا قرار پائے اور انسانی معاشرے میں مقام بلند سے سرفراز ہوئے۔

☆☆

۱۔ محمد ثانی (حافظ) ر تجلیات سیرت، ص ۳۴۳۔

خود فاتح عرب و عجم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا بلال حبشیؓ کو آقا و سیدنا کہہ کر گفتگو کا آغاز فرمایا کرتے تھے۔

ہندو سیرت نگار پروفیسر راما کرشنا راؤ لکھتے ہیں!

"اسلام کے دوسرے خلیفہ جو عمر فاروقؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ جب وہ اس غلام کو دیکھتے تو وہ فوراً ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان الفاظ کے ساتھ ان کا استقبال کرتے "یہ ہمارے معلّم آگئے"، یہ ہمارے سردار آگئے، قرآن اور محمد ﷺ کے ذریعہ کیا حیرت ناک انقلاب تھا، جو عربوں کے درمیان آیا وہ عرب جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ مغرور قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔(۱)

مساوات کے نتیجہ میں اعزاز بلند پانے والے بلال حبشیؓ کا اسلامی تاریخ اور صحابہ کرامؓ میں مقام کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس حبشی زادہ آزاد شدہ غلام نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو حسب و نسب میں اعلیٰ مقام کے حامل سرداران قریش انہیں اپنی لڑکیاں دینے پر رضامند ہو گئے۔

معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی اس واقعہ کو منظوم پیرایہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بارگاہ نبویؐ کے جو مؤذن تھے بلالؓ — کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں — جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
ہوں غلام ابن غلام اور حبشی زادہ — یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پر مجھے خواہش تزویج بھی ہے — ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے عذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور — جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروقؓ میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات — یہ کہا حضرت فاروقؓ نے با دیدۂ تر
اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا! — اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر
اس مساوات پہ ہے معتز اسلام کو ناز — نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلم اکبر(۲)

۱۔ محمد ثانی (حافظ)، تجلیات سیرت، ص ۳۴۴۔

۲۔ غلامان اسلام، سعید احمد اکبر آبادی، مکتبہ القریش لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۲۳۔

ج۔ مساواتِ انسانی کا عالمگیر عملی مظہر:

اخوت واجتماعیت کا رنگ اسلامی شعائر و عبادات کا خاصہ ہے۔

نماز اسلام کا سب سے اوّل اور عظیم ترین رکن ہے اور حقوق اللہ میں اہم ترین عبادت ہے۔ اس کی ادائیگی کا جو طریقہ اسلام نے اپنے متبعین کو سکھایا وہ یہ کے نماز کو اجتماعیت کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے اور اس میں تفریق کے تمام مد حسن توڑ کر تمام امتیازات کو ختم کر دیا جائے۔ روزہ میں بھی یہی شان کار فرما نظر آتی ہے۔ روزے اجتماعی صورت میں فرض کئے گئے، ایک متعین اور مخصوص ماہ مقدس میں تمام اسلامیان عالم دن میں صائم النہار اور رات میں قائم اللیل ہوتے ہیں۔

اسی طرح حج جو کہ اجتماعیت کبریٰ کا سب سے عظیم مظہر ہے اور اسلام کا ایک اہم رکن اور اسلامی عبادات کا ایک اہم جزو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ!

"آپ لوگوں میں اعلان حج کر دیں لوگ آپ کے پاس حج کے کے لئے پیدل چل کر بھی آئیں گے اور دبلی اونٹیوں پر بھی، جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ وہ لوگ اپنے منافع حاصل کرنے کے لئے آموجود ہوں"۔ (۱)

حج وہ عظیم عبادت اور مقدس فریضہ ہے کہ جس کی بدولت خالقِ کائنات نے عالم اسلام کے مسلمانوں کو اخوت واجتماعیت کا درس دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

"اور ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے اجتماع کی جگہ بنادیا اور جائے امن قرار دیا"۔ (۲)

احکامات ربانی اور فرامین نبوی ﷺ میں اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے

۱۔ سورۃ الحج، آیت ۲۷۔۲۸۔

۲۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۵۔

ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ملت اسلامیہ کے تمام مسلمان رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ اسلام تمام مسلمانوں کو متحد و متفق رہنے کی تلقین کرتا ہے اور افتراق و اختلاف کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو"۔(۱)

حجِ بیت اللہ، ملت اسلامیہ کے درمیان اخوت و اجتماعیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور حج کی بدولت عالم اسلام کے مسلمانوں کی اخوت و اجتماعیت کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ پروردگار کے فرمان عالیشان کے بموجب ہر سال لاکھوں فرزندان توحید دنیا کے کونے کونے اور خطۂ ارض کے گوشہ گوشہ سے اس مقدس فریضہ کی ادائے گی کے لئے حرم مقدس پہنچتے ہیں اور اس موقعہ پر اخوت و اجتماعیت کا وہ عملی نمونہ سامنے آتا ہے کہ جس کی مثال تاریخ مذاہب عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس مقدس موقعہ پر تمام امتیازات کے بندھن اور زنجیریں توڑ دی جاتی ہیں، چنانچہ بادشاہ و فقیر، وزیر و امیر، دولتمند و حاجتمند، غنی و گدا، شہریار و شہسوار، تاجدار و چوبدار، فرماں روا و بے نوا، نیاز مند و درمند، زاہد و رند، عالم و عامی، ملک ملک کے لوگ، سجدہ ایک اور جبینیں بہت سی، یہاں صاحب و بندہ و محتاج و غنی کا کوئی امتیاز نہیں، یہاں کوئی سب پناہ نہیں سب پناہ خواہ ہیں۔

مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی قوم، قبیلہ، خاندان، رنگ و نسل، یا کسی بھی خطۂ ارض سے ہو ایک لباس زیب تن کئے ہوئے تمام امت مسلمہ کے ساتھ شریک عبادت نظر آتا ہے۔ اس مقدس موقعہ پر نہ امیر و غریب کا امتیاز ہوتا ہے، نہ حاکم محکوم کا، تمام امت مسلمہ ایک ہی ہیئت ایک ہی حلیہ میں ایک ہی مطاف کے گرد طواف کرتی نظر آتی ہے۔

پوری فضاء مسلمانوں کی اخوت و اجتماعیت کا اظہار ان مقدس الفاظ میں کرتی ہے! لبیک، اللّٰھم لبیک

☆☆☆

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳۔

یورپ کا مشہور مؤرخ فلپ کے حطی (Philip K.Hitti)
"History of The Arabs" میں لکھتا ہے!
"صدیوں سے یہ دستور (حج) اسلام میں مسلسل اتحاد کی مؤثر ترین قوت کے طور کام کر رہا ہے۔ بھانت بھانت کے مسلمانوں میں یہ مؤثر ترین مشترکہ رشتہ ہے۔...... دنیا کے چار اطراف کی اسلامی برادری کے اس اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں مشکل ہی مبالغہ آرائی کی ضرورت پڑے گی۔ یہ حبشیوں، چینیوں، شامیوں اور عربوں کو، امیر اور غریب کو، کمتر اور برتر کو مذہب کی مشترکہ اساس پر اخوت اور باہم روابط کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام کو رنگ، نسل اور قومیت کی دیواریں گرانے میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"(۱)

ڈاکٹر سی۔ آر۔ ریڈی جو یورپی دنیا میں سیاست اور فلسفہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے، موصوف نے ۱۹۴۳ء میں "ٹوینتھ سنچری میگزین" کے مئی کے شمارہ میں لکھا!

"نسلی مساوات کا مدت مدید کا مسئلہ اسلام کے سوا کسی مذہبی یا اخلاقی نظام سے حل نہیں ہوا۔ ہم صرف اسلام ہی میں یہ حقیقت پاتے ہیں کہ تمام مومن خواہ وہ کسی نسل یا رنگ کے ہوں۔...... کامل مساوات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ تمام دوسرے سیاسی ضابطوں اور مذاہب میں رنگ و نسل کی چٹان پر دلیل، اخلاق اور روحانیت کے مثالی نظریات پاش پاش کیے گئے۔(۲)

پروفیسر کے ایس راما کرشنا راؤ (ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف فلاسفی، گورنمنٹ کالج فار ویمن میسور) "Muhammad The Prophet of Islam" میں لکھتے ہیں!

۱۔ Hitti P.K/ History of The Arabs. London. P-136.

۲۔ نور احمد ر مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ص ۲۰۲،

"عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا اصول جس کی آپ ﷺ نے تبلیغ کی وہ انسانیت کی سماجی ترقی میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ...... پیغمبر اسلام ﷺ نے اس نظریہ کو حقیقی عمل کی صورت دے دی، اور اس کی اہمیت شاید کچھ دنوں بعد پوری طرح سمجھی جا سکے، جبکہ بین الاقوامی شعور جاگے گا، نسلی تعصبات ختم ہو جائیں گے، اور انسانی اخوت، مساوات کا ایک طاقت ور نظریہ وجود میں آئے گا۔ ہر سال دنیا حج کے موسم میں اس حیرت ناک بین الاقوامی مظاہرہ کو دیکھتی ہے، جو کہ رنگ، نسل، اور رتبہ کے تمام فرق کو برابر کر دیتا ہے۔ نہ صرف یورپی، افریقی، ایرانی، ہندوستانی چینی سب کے سب ایک خاندان کے ممبر کی حیثیت سے مکہ میں ملتے ہیں، سب کے سب ایک قسم کے لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ...... یہاں ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو چھوٹے اور بڑے کے درمیان فرق کرے اور حاجی یہ احساس لے کر گھر آتا ہے کہ اسلام ایک بین الاقوامی اہمیت رکھنے والا دین ہے۔ (۱)

"لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ"

حج کا نام ذہن میں آتے ہی پیغمبر آخر الزماں سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کا وہ آخری خطبہ جسے خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (جو تمام امت مسلمہ کے لئے ایک مکمل قانون اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور امت مسلمہ کے لئے ایک مثالی اور ابدی پیغام ہے۔) اس کا تصور ذہنوں میں گردش کرنے لگتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنے پروانوں اور جاں نثاروں کو جو رضائے الٰہی اور حب رسول ﷺ کے متلاشی تھے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر بیٹھے تھے انہیں خطاب کر کے یہ اعلان عام فرمایا!

"اے لوگو! بیشک تمہارا پروردگار ایک ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ہاں اگر فضیلت یا بڑائی کا کوئی معیار ہے تو وہ محض تقویٰ ہے"۔

☆☆

۱۔ محمد ثانی (حافظ) بحوالہ تجلیات سیرت ﷺ، ص ۳۴۲۔ ۳۴۳۔

بقول اقبال۔

ملّتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ
ساز مارا پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایہ اسرار ما
رشتہ اش شیرازۂ افکار ما
اسود از توحید احمر می شود
خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

مساوات انسانی پر مبنی محسن انسانیت ﷺ کے قائم کردہ انقلابی معاشرہ پر عہد نبوی ﷺ ہی کے مشہور دشمن رسول ابو جہل کا مندرجہ ذیل اعتراف اس انقلاب پر ایک دشمن اور ناقد کا بے باک تبصرہ ہے، جسے ''جاوید نامہ'' میں علامہ اقبال نے ابو جہل کی زبانی پیرایۂ نعت میں یوں پیش کیا ہے۔

باز گو اے سنگ اسود باز گو
آنچہ دیدیم از محمد ﷺ باز گو
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود
نوجوانان راز دست ما ربود
تا بساط دین آبا در نورد یا
خدا وندان ماکر دآنچہ کرد
مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب
درنگاہ او یکے بالا و پست
باغلام خویش بریک خواں نشست
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دود مانے ریختند
اعجمی را اصل عدنانی کجا است
گنگ را گفتار سبحانی کجا است (۱)

اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ کوئی معیار ہے تو وہ محض تقویٰ ہے۔ اس ابدی پیغام میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا!

''کہ اے میرے ساتھیو! مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے بعد تم دوبارہ کفر کی طرف نہ لوٹ جاؤ؟''

☆☆

۱۔ اقبال / جاوید نامہ ص ۵۹۔

صحابہ کرامؓ نے حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کس طرح؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ! "تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو"

آپ ﷺ کے ان فرامین مقدسہ کی روشنی میں تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی ملی وحدت، اخوت و اجتماعیت، اور مساوات کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مسلمانوں کو اخوت و اجتماعیت کا درس دیا اور اسلامی امہ کو وحدت و اخوت کی ڈوری میں پرو دیا، اور عصبیت و قومیت کے بتوں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، یہی روح عبادت اور یہی عین اسلام ہے!

بقول شاعر مشرق!

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہار یم

محسن انسانیت ﷺ کے اس عالمگیر انقلاب اور اس کے نتیجہ میں انسانی مساوات پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسکے نتائج و ثمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے یورپی دانشور ڈاکٹر ڈیلا اپنی کتاب "Our Perfecting World" میں لکھتا ہے!

"مذاہب عالم میں تنہا اسلام رنگ و نسل کی تمیز سے مبرا رہا ہے۔...... یہ فراخدلی سے اسلام قبول کرنے والوں کا خیر مقدم کرتا ہے، خواہ وہ نیگرو ہوں یا پاریا کسی قسم کی رکاوٹ یا امتیاز کے بغیر جس طرح یہ انہیں داخل مذہب کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے معاشرتی حلقے میں انہیں قبول کرتا ہے اور انہیں حقوق و مراعات دیتا ہے رنگ و نسل کی ساری دیواریں گرا دیتا ہے اور کامل معاشرتی مساوات کی بنیاد پر انہیں ملت میں شریک کرتا ہے"۔(۱)

افریقہ کا ایک نامور برطانوی ناظم سر ایلن برنز لکھتا ہے!

"امتیاز اور اختصاص کے سلسلہ میں اسلام کا ریکارڈ عیسائیت سے بہتر ہے"

☆☆

۱۔ نور احمد / مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ص ۱۹۵،

اسلام نے نسلی تعصبات اور قومی جذبات کا قلع قمع کیا، ذات پات کی تمیز ختم کی، رنگ و بو کو نظر انداز کیا اور ہر وہ رکاوٹ دور کی جو آدمی کو آدمی سے دور کرتی تھی۔(۱)

مساوات انسانی کے سب سے علمبردار محسن انسانیت ﷺ کے انسانی مساوات اور عوامی عدل پر قائم کردہ مثالی معاشرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یورپ کا مشہور مؤرخ فلپ کے حطی (Philip K. Hitti) اپنی مشہور کتاب (History of The Arabs) میں لکھتا ہے!

"یہ اسلامی معاشرہ یا کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) جسے پیغمبر اسلام ﷺ نے تشکیل دیا اور جس کی بنیاد کامل مساوات اور عوامی عدل پر رکھی گئی، اقتدار الٰہی اس کا اہم اصول تھا۔ یہ دولت مشترکہ جس کی اساس اقتدار الٰہی تھی ان برائیوں اور بدعنوانیوں سے پاک تھی جو اس ملوکیت یا ری پبلک میں ملتی ہیں، جس کی بنیاد عوام پسند اقتدار کے نظریہ پر رکھی جاتی ہے۔...... اس ملت کی نمایاں خصوصیت اس کا دینی اور نظریاتی اتحاد تھا، نہ کے نسلی اور قبائلی اتحاد جو اسلام سے قبل عربوں کا رشتہ اتحاد تھا۔ عرب کی تاریخ میں یہ پہلا اقدام تھا۔ جس میں معاشرتی تنظیم کی بنیاد نسل کی بجائے مذہب قرار پائی۔(۲)

مغربی دنیا کے نامور اسکالر پروفیسر آسٹن میور (نیوزی لینڈ) ایک طویل عرصہ تک مذاہب عالم کا تحقیقی مطالعہ کرتے رہے موصوف نے اپنے ایک مقالہ میں اسلام کے محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ عالمگیر انسانی برادری کا قیام اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے، پروفیسر موصوف لکھتے ہیں!

"انسان آج بیسویں صدی میں انسانی وحدت اور اخوت کے قیام کے جس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسلام نے چودہ سو سال پہلے اسی مقصد کو حاصل کرنا نہ صرف اپنا نصب العین قرار دیا تھا بلکہ اس وقت کے حالات میں بہت بڑی کامیابی ☆☆

۱۔ نور احمد ر مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ص ۱۹۶،

۲۔ Philip K. Hitti / History of The Arabs , P-120-122

حاصل کر کے یہ بات بھی ثابت کر دی تھی کہ عالمگیر انسانی برادری کے قیام کا مقصد حاصل کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔...... اسلام نے جب نبی نوع انسان کو عالمگیر اخوت کے قیام کی دعوت دی تھی تو اس کے ساتھ ہی اس نے بعض ایسی رکاوٹوں کو دور کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا، جو ہزاروں سال پہلے سے نبی نوع انسان کی تقسیم اور علیحدگی کی موجب بنی ہوئی تھیں۔...... اسلام نے بین الأقوامی انسانی برادری کے قیام کا جو نظریہ پیش کیا تھا اسے حقیقت میں بدلنے کے لئے ہمیں اسی کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر چلنا پڑے گا اور اگر ہم نے اس سے مختلف کوئی راستہ اختیار کیا تو ہم منزل پر پہنچنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔(۱)

انسانیت کے محسن اعظم، سیدِ عرب و عجم سیدنا و سیدِ کائنات حضرت محمد ﷺ نے دیگر مسائل کی طرح نسلی تعصب کا بھی مقابلہ خالص عملی انداز میں کیا اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کو ختم کر دیا۔ وحدت اسلامی میں داخل ہونے والے ہر شخص کو آپ ﷺ ہی کے دور میں یکساں قانونی، دینی اور اخلاقی حقوق حاصل ہو گئے تھے۔ یہ طریقہ اسلامی عروج کی تمام صدیوں میں رائج رہا اور آج مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کے عہد میں بھی برابری اور برادری جو مناظر، ان کے اجتماعات میں نظر آتے ہیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتے۔ خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ سے لے کر مسلم گھرانوں کی جانمازوں تک اور دستر خوانوں سے لے کر قبرستانوں تک عربی، عجمی، ہندی، حبشی، شاہ و گدا، اور امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں ملتا۔ خود دربار نبوی ﷺ مختلف نسلی، نسبی و ملکی پھولوں کا گلدستہ تھا۔ اس میں عداس نینوائیؓ، صہیب رومیؓ، ذوالکلاع حمیریؓ ابو سفیان امویؓ، کرز فہریؓ، بلال حبشیؓ، ضماد ازدیؓ، عدی طائیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو حارث مصطلقیؓ، سلمان فارسیؓ، طفیل دوسیؓ، ثمامہ نجدیؓ، ابو عامر اشعریؓ، سراقہ مدلجیؓ، پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔

بقول ڈاکٹر رائیڈن (Dr. Moude Royden) پہلی حقیقی جمہوریت

☆☆

۱۔ بحوالہ ماہنامہ دین و دنیا، دہلی مارچ ۱۹۶۲ء

جس کا تصور ذہن انسانی میں پیدا ہوا اس کا اعلان محمد ﷺ کے مذہب ہی نے کیا۔(۱)

اسی تاریخی حقیقت اور ابدی صداقت کو بیان کرتے ہوئے سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ ''خطبات مدراس'' میں عنوان ''جامعیت'' کے تحت کیا خوب فرماتے ہیں!

''محمد ﷺ کی درسگاہ میں ہر چیز تمہیں معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے ہر ایک طالبعلم کا نام، حالات وسوانح، نتائج تعلیم وتربیت، ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے۔ آگے بڑھو، نبوت اور دعوت مذہب کی ہر درسگاہ کا آج یہی دعویٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لئے کھلے ہیں، مگر اس درسگاہ کے بانی اور معلّم اوّل کی سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل ایک ہی خاندان کے طالبعلم اس میں داخل ہوئے اور ان کے داخلہ کی اجازت دی گئی یا ان کی دعوت میں یہ عمومیت، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسل آدمؑ کا ہر فرد، ہر فرزند، اور ارض خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اسے داخل ہونے کے لئے آواز نہیں دی، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے۔ وہ باہر نہیں گئے، حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی وجود نہ تھا وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے۔(متی باب ۷، آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔(انجیل)، ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی اقوام تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح باہر کے پیرووں کا فعل تھا۔ خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آیئے عرب کے اس اُمّی معلّم کی درسگاہ کا مطالعہ کریں، یہ کون طالب علم ہیں؟ یہ ابوبکر وعمر علی وعثمان، طلحہ وزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم مکہ کے قریشی

☆☆

۱۔ آصف قدوائی / مقالات سیرتؐ، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۱۴۔

طالب علم ہیں، یہ کون ہیں، ابو ذرؓ اور انیسؓ ہیں یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ابو ہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو موسی اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں۔ یہ یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب بن الارت قبیلہ تمیم کے ہیں، یہ منقذ بن حبان اور منذر بن عائذ ہیں، عبدالقیس کے قبیلہ کے ہیں، اور بحرین سے آئے ہیں، یہ عبید و جعفر عمان کے رئیس ہیں، یہ فروہ ہیں یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں، یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں ملک حبش کے رہنے والے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ صہیب رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان فارسیؓ ہیں، یہ فیروز دیلمی ہیں، یہ نجیت اور مرکبور ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔ (۱)

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں!

"پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے اور انہیں خدا کا پیغام پہنچایا۔ دحیہ کلبی، ہرقل قیصر روم کی بارگاہ میں، عبداللہ بن خداؤ سہمی خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حاطب بن ابی بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب الأسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمرو رؤسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمد ﷺ کی درسگاہ میں داخلہ اذن عام ہے۔ اس واقعہ سے درسگاہ نبوت میں داخلہ کا اذن عام نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ روپ، ملک و وطن، قوم و نسل، اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔...... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک طرف اصحمہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبود یمن کے رئیس دوسری طرف بلالؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، خصابؓ، عمارؓ، اور فکیہ کے سے غلام اور سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ،

☆☆

ا۔ سید سلیمان ندوی ر خطبات مدراس، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۱۱۴۔۱۱۵۔

نہدیہؓ، اور ام عمیسؓ لونڈیاں، ہیں غور سے دیکھیں امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔(۱)

اقبال کیا خوب کہتے ہیں ۔

در جہاں آئین نو آغاز کرد	مسند اقوام پیش در نورد
از کلید دین در دنیا کشاد	ہمچو او بطن ام گیتی نزاد
در نگاہ او یکے بالا و پست	با غلام خویش بر یک خواں نشست
امتیازات نسب را پاک سوخت	آتش او ایں خس و خاشاک سوخت

جہاں میں آپ ﷺ نے آئین نو کا آغاز کیا، اور گزشتہ اقوام کی مسندیں پلٹ دیں۔

دین و مذہب کی کنجی سے آپ ﷺ نے دنیا کا نیا دروازہ کھولا، مادر گیتی نے آپ ﷺ جیسا فرزند پیدا نہیں کیا، آپ ﷺ کی نگاہ میں اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک تھے، آپ ﷺ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتے۔ آپ ﷺ نے نسل و نسب کے تمام امتیازات کو یکسر ختم کر دیا۔ آپ ﷺ کی پیدا کردہ حرارت ایمانی نے اس خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

رومانیہ کا مشہور ادیب اور غیر مسلم سیرت نگار کونستان ویرژیل جارج رقمطراز ہے!

"حضرت محمد ﷺ عرب میں جو انقلاب لانا چاہتے تھے وہ عربوں کے رسم و رواج، قبائل کے سرداروں کے خلافِ عادت اثر اور ہر قبیلہ کے ایک بڑے اجتماع کی تشکیل سب کے خلاف تھا۔ ان تمام چیزوں کی معلومات کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ

☆☆

۱۔ سید سلیمان ندوی ر خطبات مدراس، ص ۱۱۶۔۱۱۷،

انقلاب فرانس سے بہت بڑا تھا کیونکہ انقلاب فرانس فرانسیسیوں کے درمیان مساوات پیدا نہ کر سکا، لیکن حضرت محمد ﷺ کے انقلاب نے مسلمانوں میں مساوات پیدا کر دی اور خاندانی و طبقاتی و مادی امتیاز بالکل ختم کر دیا۔(۱)

محسنِ انسانیت ﷺ کے تصورِ مساوات کی

وسعت اور اسکے امتیازات واثرات:

انسانیت کے محسن اعظم سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کی صفت 'رحمۃ للعالمین' کا عظیم مظہر احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ ﷺ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے۔ اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا۔ انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور بعض مقدس حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ خود ساختہ عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں۔ انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام، اور قابل حفاظت تھے۔ ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے۔ آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھادیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے۔ آپ ﷺ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ وہ "خلیفہ اللہ" (خدا کا نائب) ہے ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ○ (۲)

☆☆

۱۔ کونستان ویرژیل جارج، پیغمبر اسلام ﷺ، مترجم وارث علی، شمع بک ایجنسی کراچی، ص ۱۵۶،

۲۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۹،

"وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔"

وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے!

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (۱)

اس سے زیادہ انسان کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔

مسند احمد میں ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

لا يؤمن أحدكم حتّٰى يحبّ للنّاس مايحبّ لنفسه و حتّٰى يحبّ المرءُ لا يحبه إلا الله عزّوجلّ۔ (۲)

تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اور لوگوں کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے مساوات و برابری کا جو نظریہ اور تصور پیش کیا ہے وہ کسی حالات کی پیداوار نہیں ہے۔ اسی طرح وہ ابنائے معاشرہ کی کسی آپسی آویزش، یا حکمراں اور عوام کی کسی کشمکش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ آزادی و مساوات اور اخوت، بھائی چارے کا ایک عالمگیر پیغام ہے۔ جو رنگ، نسل، زبان، علاقائیت اور قومیت ☆☆

۱۔ سورہ الاسراء، آیت ۷۰۔

۲۔ احمد بن حنبل / المسند ۳ / ۲۷۲۔

وطنیت کے تمام جھوٹے امتیازات کو مٹا کر پوری انسانی برادری کو ایک خاندان اور ایک کنبہ قرار دیتا ہے۔ اور پوری انسانی دنیا کو آزادی و مساوات کے حقوق عطا کرتے ہوئے انھیں اخوت و بھائی چارے کی ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔

اس تصور کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی فلسفی کے تخیل کی بلند پروازی یا کسی مصلح کی دماغ سوزی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ تعلیم ہے جو خالق ارض و سماء کی عطا کردہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے مبہم انداز میں صرف اس اخوت و مساوات کی تعلیم دینے ہی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اس کے لئے دائمی اور غیر متبدل بنیادیں فراہم کی ہیں، جس کے نتیجہ میں انسانوں کی اپنی طرف سے رنگ، نسل اور زبان و علاقائیت وغیرہ کی بنیاد پر تیار کی گئی، دیواریں، زمین بوس ہو جاتی ہیں، اور انسان اور انسان کے درمیان ان غیر فطری امتیازات کی بناء پر تفریق و انتشار اور فساد فی الأرض کی تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ تیسری خاص بات کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ تعلیمات اور یہ اصُول محض صفحہ، قرطاس کی زینت نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام نے ان اصولوں کی بنیاد پر عملی طور پر ایک عالمگیر برادری کی تشکیل کی ہے جو رنگ، نسل اور زبان و علاقائیت کی بنیاد پر کی جانے والی تمام جھوٹی تفریقات سے بالکل نا آشنا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل جزیرۃ العرب میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر سرپرستی اس عالمگیر برادری کی تشکیل ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج تک ہر دور اور ہر زمانہ میں اور ہر خطۂ ارض میں بلا استثناء اس عالمگیر اخوت و مساوات انسانی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔(۱)

☆☆

۱۔ سلطان احمد اصلاحی ر اسلام کا تصور مساوات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۰، ۵۱۔

بابِ پنجم

خطبہ حجۃ الوداع اور عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان

باب پنجم

خطبۂ حجۃ الوداع اور عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان

ایھا الناس!۔

انّ لنسائکم علیکم حقا ولکم علیھنّ...... وإنّما النّساء عند کم عوانٍ لا یملکن لأ نفسھنّ شیأ، وإنّکم إنّما أخذ تموھنّ بأ مانۃ اللّٰہ ، واستحللتم فروجھنّ بکلمات اللّٰہ، فاتّقو اللّٰہ فی النّساء ، و استوصوا بھنّ خیرا (۱)

اے لوگو! "تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے ..... بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے، اور انہیں اپنے اوپر اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے، لہذا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔

عورتوں کے حقوق کے تاریخی اعلان کی اہمیت

عورتوں کے حقوق کے اس تاریخی اعلان کی اہمیت و وقعت جاننے کے لئے ضروری ہے کہ محسن انسانیت ﷺ کے قائم کردہ اسلامی معاشرہ سے قبل عہد جاہلیت کے عرب معاشرہ میں عورت کے مقام و مرتبہ کا تاریخی مطالعہ کیا جائے نیز اسلام سے قبل عرب معاشرہ کے ساتھ ساتھ مختلف تہذیبوں اور دنیا کے مشہور مذاہب میں عورتوں کی معاشی، معاشرتی، عائلی، آئینی اور دیگر حیثیتوں کو

۱۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ ۲ / ۶۰۴، الہیثمی / مجمع الزوائد ۳ / ۲۶۸۔

تاریخی و تحقیق کی روشنی میں دیکھا جائے

عہد جاہلیت میں عورت کا مقام

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اسلام سے قبل عہد جاہلیت کے عرب معاشرہ کا تاریخی اور تحقیقی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے!

اسلام کی ضوفشانی سے قبل عورت کے مقام و مرتبہ کا تصور بھی محال تھا، اسے نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، عورت کو عہد جاہلیت میں صرف مرد کے جذبات نفسانی اور خواہشات ذاتی کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ذلت و عار کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا! "جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو

> اس کے چہرے کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے بہت بری خبر خیال کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے دوسروں کے سامنے آنے سے شرم (محسوس) کرتا ہے اور سوچتا ہے کیا میں اسے ذلت کے لئے زندہ رہنے دوں یا زمین میں گاڑ دوں، یاد رکھو! وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ بہت برا ہے"۔(۱)

اسلام سے قبل عرب جاہلی معاشرہ میں بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی جاتی تھی اس لئے کہ لڑکے حالت جنگ میں قبیلہ کی طرف سے جنگ کا ہراول دستہ ثابت ہوتے اور مدافعت کرتے تھے جبکہ لڑکیاں اپنی مدافعت کے لئے بھی بھائیوں کی محتاج تھیں، چہ جائیکہ وہ قبیلہ کی مدافعت اور حالت جنگ میں مددگار ثابت ہوتیں۔ چنانچہ عہد جاہلیت میں لڑکیاں مرد کے لئے جنگی نقطۂ نظر سے ایک بہت بڑا بوجھ تھیں ..... جبکہ مالی میراث کے بارے میں عرب اہل جاہلیت کا یہ نظریہ تھا کہ جائیداد کا وارث اور حق دار صرف اور صرف مرد ہے اس لئے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، اسلحہ اٹھاتا ہے، جنگ کرتا ہے جبکہ عورتیں ان صفات سے محروم ہیں، لہٰذا وہ وارث یا ورثہ کی حقدار نہیں ہو سکتیں۔(۲)

۱۔ سورۃ النحل آیت ۵۸، ۵۹، ۲۔ عمر فروخ / تاریخ الجاھلیۃ ص ۱۵۷، ۱۵۸،

معروف فرانسیسی محقق اور مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان (Gustave Lebon) "تمدنِ عرب" میں عہد جاہلیت میں عورت کے مقام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! "زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک قسم کی مخلوق سمجھی جاتی تھیں جن کا مقصد محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا، لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک بدنصیبی خیال کی جاتی تھی اور ان کو زندہ درگور (زندہ دفن) کردینے کی رسم بہت عام تھی۔ یہ زندہ دفن کردینے کا حق اسی طرح حاصل تھا جیسے کتیا کے جھول کو پانی میں ڈبو دینے کا۔"

فرانسیسی عالم "موسیو کوسان دی پرسوال" نے آنحضرت ﷺ اور قیس بنی تمیم کے مکالمہ کو نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا خیال لڑکیوں کے بارے میں کیسا تھا۔

"آنحضرت ﷺ اس وقت ایک لڑکی کو رانوں پر بٹھائے کھلا رہے تھے۔ قیس نے پوچھا!

یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ ﷺ کھلا رہے ہیں؟ قیس نے کہا!

باللہ العظیم میری ایسی بہت سی لڑکیاں پیدا ہوئیں، لیکن میں نے ان سب کو زندہ دفن کردیا اور کسی کو بھی نہ کھلایا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اے بھلے آدمی معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی قسم کی انسانی محبت پیدا نہیں کی، یہ تو ایک نعمت عظمیٰ ہے جو انسان کو دی گئی ہے تو اس سے محروم ہے۔ (۱)

عہد جاہلیت اور دُختر کشی ﴿تاریخی جائزہ﴾ :

زمانۂ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش اور دختر کشی کی ایک تصویر ذیل کے اشعار میں دیکھی جاسکتی ہے!

☆☆ ۱۔ گستاؤلی بان / تمدن عرب، مترجم: سید علی بلگرامی، مطبوعہ مفید عام آگرہ انڈیا ۱۸۹۶ء، ص ۳۷۴۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر
وہ گود ایسے نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی (۲)

زمانۂ جاہلیت کی روایات اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر کشی / لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بد بنو اسد کے اُمراء سے شروع ہوئی اور اس کی نقل میں بنو ربیعہ، بنو کندہ اور بنو تمیم کے بڑے لوگوں نے بھی اسے اختیار کر لیا، لیکن پھر یہ رسم بد صرف امیروں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ان کی دیکھا دیکھی نچلے طبقہ کے لوگوں میں بھی راہ پاگئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے بیٹی کو زندہ درگور کیا، وہ قیس بن عاصم تھا۔ (۱)

قبول اسلام کے بعد حضرت قیس بن عاصم تمیمی نے ایک موقعہ پر رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس امر کا اعتراف کیا کہ میں نے عہد جاہلیت میں بارہ یا تیرہ بیٹیوں کو زندہ دفن کیا۔ (۲)

"بلوغ الأرب فی احوال العرب" کے مؤلف علامہ محمود شکری آلوسی قیس بن عاصم تمیمی کی اس رسم بد کی ابتداء اور اس کی لڑکیوں سے نفرت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں!

بنو تمیم پر حکمراں کی جانب سے خراج عائد کیا گیا تھا، جو انہوں نے بادشاہ وقت کو ادا نہ کیا، نتیجۃً قبیلہ بنو تمیم کی آل اولاد کو قید بنا لیا گیا، اس پر بنو تمیم کا ایک وفد نعمان بن المنذر حاکم وقت کے پاس حاضر ہوا اور قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی، نعمان نے یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کو اختیار دے دیا جائے، چنانچہ عورتوں نے اس اختیار کے استعمال میں مختلف طرز اختیار کئے۔ انہی میں قیس بن عاصم کی بیٹی بھی تھی۔ اس

۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی / مسدس، رابعہ بک ہاؤس لاہور، ص ۱۷،
۱۔ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، المطبعۃ السلفیۃ مصر ۱۳۸۰ھ، ۱۰/ ۴۰۶،
۲۔ ابن الأثیر الجزری / أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مطبوعہ دار صادر بیروت (س۔ن)، ۴/ ۲۲۰

نے اپنے قید کرنے والے کے پاس رہنے کو اپنے خاوند پر ترجیح دی۔ اس پر قیس نے یہ عہد کر لیا کہ جو بچی، اس کے یہاں پیدا ہوگی وہ اسے زندہ زمین میں درگور کر دے گا چنانچہ اس نے دس سے کچھ زائد بیٹیاں زندہ دفن کر دیں۔ (۳)

قرآن کریم میں زندہ درگور شدہ لڑکی کے لئے "المؤدة" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ (۴)

علامہ محمود شکری آلوسی اس اصطلاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں محاورہ میں کہتے ہیں!

"وأد المؤدة یدھا" بچی کو زندہ دفن کر دیا، اور "مؤدة" کا نام ان بچیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جنہیں عرب زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ زندہ دفن کرنے والے کو "وائد" اور بچی کو "وئید، وئیدۃ، اور مؤدة" کہا جاتا تھا۔

"مؤدة" کا لفظ "وأد" سے ماخوذ ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں گویا اس لئے "مؤدة" کہا گیا کہ بچی پر مٹی کا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا تا آنکہ وہ مر جاتی تھی۔ (۱) امام عبداللہ دارمی نے "سنن دارمی" کی ابتدا ہی عہد جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ بدسلوکی کے بیان سے کی ہے! چنانچہ وہ مندرجہ ذیل واقعہ اس سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

ایک شخص نے رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا!

'اللہ کے رسول ﷺ ہم جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اپنی اولادوں کو قتل کیا کرتے تھے، میری ایک بیٹی تھی جب میں اسے بلاتا تو میرے بلانے پر وہ بڑی خوش ہوتی، ایک روز میں نے اسے بلایا وہ بڑی خوش ہوتی ہوئی میرے پاس آئی، میں اسے لئے ہوئے قریبی کنوئیں پر آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کنویں میں دھکیل دیا، آخری بات جو میں نے اس کی سنی تھی وہ یہ تھی اے میرے ابا جان، اے میرے ابا جان، رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر اتنا روئے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے۔

☆☆ ۱۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب ۳ / ۴۲، ۵۲۴۔
۳۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب ۳ / ۵۲۴، ۴۔ القرآن / سورۃ التکویر آیت ۸ / ۸۱۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی نے کہا کہ
نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے روکا اور فرمایا! بے شک
اس کے بارے میں پوچھ رہا ہے جس نے اسے غم میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ
نے اس سے فرمایا! اپنی بات کو دہراؤ اس نے جب اپنی بات کو دوبارہ دوہرایا تو پھر آپ
نا روئے کہ آپ ﷺ کے آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہو گئی، پھر آپ ﷺ نے
رمایا! بے شک اللہ تعالیٰ نے جہالت کے زمانہ کے اعمال کو معاف فرما
یا ہے، اپنے اعمال کا نئے سرے سے آغاز کرو۔ (۱)

یٹیوں کو زندہ دفن کرنے ﴿دختر کشی﴾ کے

رے میں عربوں کے خیالات و نظریات :

یٹیوں کو زندہ دفن کرنے کے ضمن میں عربوں کے مختلف خیالات تھے۔
نانچہ بعض قبائل وہ تھے جو بیٹیوں کو سخت غیرت کی بناء پر اس خیال سے کہ ان کی بناء
ر انہیں بے عزت ہونا پڑے گا، زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ ان میں قبیلہ بنو تمیم،
لندہ اور دیگر قبائل تھے۔ (۲)

ایک وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ بنو تمیم پر جو خراج لگایا گیا تھا وہ انہوں نے
بادشاہ وقت (نعمان بن المنذر) کو ادا نہ کیا، نتیجۃً بنو تمیم کی آل اولاد کو قید بنا لیا گیا، اس پر
بنو تمیم کا وفد نعمان بن المنذر حاکم وقت کے پاس حاضر ہوا اور قیدیوں کے بارے میں
گفتگو کی، نعمان نے یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کو اختیار دے دیا، چنانچہ عورتوں نے اس
اختیار کو استعمال کرنے میں مختلف طرز اختیار کیے، انہی میں قیس بن عاصم کی بیٹی
بھی تھی اس نے اپنے قید کرنے والے کے پاس رہنے کو اپنے خاوند کے یہاں آنے پر
ترجیح دی۔ اس پر قیس نے یہ عہد کر لیا کہ جو بچی اس کے ہاں پیدا ہو گی وہ اسے زندہ
زمین میں درگور کر دے گا، چنانچہ اس نے دس سے زائد بیٹیاں زندہ درگور کر دیں۔

☆☆ ۱۔ دارمی / سنن الدارمی، دار الاحیاء السنۃ النبویۃ، بیروت (س۔ن)، ص ۵۔

۲۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب ۳ / ۴۲۳۔

جبکہ اسی انداز کی دوسری روایت قبیلہ ربیعہ کی طرف منسوب کی گئی ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ درگور کرنے کی یہ مکروہ اور ظالمانہ رسم غیرت اور آئندہ اس قسم کے واقعات کے سدباب کے لئے کی گئی تھی۔(۳)

جبکہ بعض عرب ... تھے جو صرف ان لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے جو نیلی آنکھوں والی یا کالے رنگ کی ہوتیں یا جن کے جسم پر سفید داغ ہوتے، یا لنگڑی ہوتیں، کیونکہ ان صفات کو عرب نحوست کی علامت سمجھتے تھے۔(۱)

جبکہ بعض عرب قبائل وہ تھے جو افلاس اور غربت کی وجہ سے اپنی اولاد بالخصوص بیٹیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، ایسا کرنے والا بیشتر ان قبائل سے تعلق رکھتا تھا جو غریب اور مفلوک الحال تھے۔(۲)

اسلام نے سب سے پہلے اس ظالمانہ رسم بد کا قلع قمع کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ "اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا" بے شک اولاد کا قتل کرنا نہایت ہی برا فعل ہے۔(۳)

۱۔ محمود شکری آلوسی ر بلوغ الارب ۳/ ۵۲۶، ۲۔ ایضاً، ۳/ ۵۲۶،
۳۔ القرآن سورہ بنی اسرائیل آیت / ۳۱،

☆...... محسن انسانیت نبی رحمت ﷺ کی بعثت کے نتیجہ میں اس عالمگیر انقلاب کے اثر سے ان لوگوں کے دل و دماغ میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا تھا۔ وہ لڑکی جو پہلے خاندان کے لئے اور اشراف و رؤساء قوم کی نگاہ میں باعث ننگ و عار تھی اور زندہ درگور کر دی جاتی تھی آج ایسی عزیز و محبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لئے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی۔ مسلمان سب برابر تھے اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلت علمی و عملی اور کسی معقول بنیاد پر، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بچی "امامہ" چچا چچا پکارتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے ہولی، حضرت علیؓ نے اسے لے لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالہ کیا اور کہا کہ دیکھو یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علیؓ زید، جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں یہ میری چچازاد بہن ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ میری بھی چچازاد بہن ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اور "سورہ التکویر" میں کہا گیا!

"وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ"

اور جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا۔(۱)

اُمید کی کرن۔ بہیمیت کی تاریکی میں انسانیت کی روشنی :

اسلام سے قبل عرب جاہلیت کے اس معاشرہ میں جہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ مذموم اور ظالمانہ رسم جاری تھی، اسی معاشرہ میں بعض ایسے رحمدل اور انسان دوستوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ جو زندہ درگور ہونے سے بچانے کے لئے بچیوں کو ان کے ماں باپ سے فدیہ کی رقم دے کر ان کی زندگیوں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔ قابل تعریف اور انسان دوستی کے جذبہ سے سرشار لڑکیوں کی زندگیوں کے تحفظ کو یقینی بنانے والوں میں زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ خصوصیت سے ملتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنی بیٹی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو زید اس سے کہتا! اسے قتل نہ کر میں اس کی روزی کا کفیل ہوں، اور لڑکی کو اس شخص سے لے لیتا۔ جب وہ لڑکی جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتا!

اگر تو چاہے تو میں لڑکی تیرے حوالہ کردوں ورنہ میں اس کی خوراک کی

☆☆

(بقیہ حاشیہ)☆...... حضرت زیدؓ نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اور خالہ ماں کی جگہ پر ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ سے آپ ﷺ نے بطور دلداری فرمایا کہ! تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا! تم سیرت و صورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو، حضرت زیدؓ سے فرمایا! تم میرے بھائی ہو اور میرے مولیٰ ہو۔

☆...... (بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء،)

۱۔ القرآن سورۃ التکویر آیت ۸،

کفالت کرتا رہوں گا۔

جبکہ اسی سلسلہ کا دوسرا نام صعصہ بن ناجیہ کا آتا ہے جس نے زرفدیہ ادا کرکے تین سو ساٹھ بچیوں کی زندگیوں کو تحفظ فراہم کیا۔(۱)

(لیکن بچیوں کے تحفظ کا یہ راستہ غالباً فاقہ اور غربت کے شکار قبائل سے (فاقہ اور) انفاق کے خوف کے تحت قتل کی جانے والی بچیوں کے زرفدیہ سے تعلق رکھتا تھا)

تہذیب قدیم میں عورت کا مقام

عورت اور یونانی تہذیب

یونانی تہذیب (Greec Civilization) جسے تاریخ عالم میں گہوارہ تمدن اور مثالی تہذیب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تہذیب کے ابتدائی دور میں صنف نازک، قانونی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق سے ہی نہیں بلکہ آزادی سے بھی محروم تھی، اسے ایسے گھروں میں جو راستہ سے دور ہوتے مقید رہنا پڑتا۔ جہاں رکھا جاتا ان گھروں میں کھڑکیاں کم ہوتیں اور دروازوں پر پہرے دار بیٹھے ہوتے تھے۔

یونان کی قدیم تہذیب میں باپ خاندان کا مذہبی اور قانونی سربراہ تھا اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ اپنی بیٹیوں کو فروخت کردے، اسی طرح بھائی کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ وہ بہنوں کو فروخت کرسکتا تھا۔

قدیم یونانی تہذیب میں باپ کے انتقال کے بعد جائیداد کی وارث نرینہ اولاد ہوتی عورت کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یونانی جو تہذیب قدیم میں سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ تصور کئے جاتے تھے بیوی کو محض ایک اثاثہ سمجھتے تھے، جسے خرید و فروخت کیا جاسکتا تھا، بلکہ وصیتاً منتقل بھی کیا جاسکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک

☆☆

۱۔ محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب فی احوال العرب ۳/ ۵۲۷، ۵۳۱۔

بری چیز سمجھی جاتی تھی ...... ایتھنز کے شہریوں کو بے حد و حساب بیویوں کی اجازت تھی۔ چنانچہ ڈیمو ستھینز (Demosthenes) فخریہ بیان کرتا ہے کہ اس کی قوم میں عورتوں کے تین طبقے تھے۔ جن میں سے دو طبقے نکاحی بیاہی، اور نیم نکاحی بیاہی عورتیں مہیا کرتے تھے۔(۱)

یونان کا قدیم مفکر ارسطو (۳۲۲ ق م۔ ۳۸۴ ق م) (Aristotle) جس کی فکر سے یورپ کے فلاسفہ سب سے زیادہ متاثر ہوئے، اہل اسپارٹا پر اعتراض کرتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اور انہوں نے انہیں وراثت، طلاق اور آزادی کے حقوق دے رکھے ہیں۔ جس کی بدولت انہیں بلند مقام مل گیا ہے۔ وہ اسپارٹا کے زوال کو عورتوں کی بے جا آزادی اور مذکورہ حقوق کو قرار دیتا ہے۔(۲)

مشہور فلسفی افلاطون کا استاد سقراط کہتا ہے!

'عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں۔ وہ دفلی کا درخت ہے کہ بظاہر بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے لیکن چڑیا اگر اسے کھالیتی ہے تو مر جاتی ہے۔(۳)

مشہور فلاسفر اعظم حکیم سقراط نے اپنی ایک تقریر میں کہا!

"میں نے جس مسئلہ پر غور کیا اس کی گہرائیوں کو بآسانی سمجھ لیا۔ لیکن میں آج تک عورت کی فطرت کو کما حقہ نہیں سمجھ سکا۔ میں نہیں جانتا کہ عورت فتنہ انگیزی کی کس قدر بے پناہ طاقت رکھتی ہے۔ اگر دنیا میں عورت کا وجود نہ ہوتا تو دنیا امن و سکون کا گہوارہ ہوتی۔ لیکن آہ بد نصیب عورت نے ساری دنیا کے امن کو تباہ کر

☆☆۱۔ امیر علی، روح اسلام ص ۳۵۹، ۳۶۰، بحوالہ

Dollinger, the Gentile and The Jew, Vol. II. P.233

۲۔ عباس محمود عقاد ر المرأة فی القرآن، مطبوعہ دار الهلال مصر ۔ (س۔ن)، ص ۷۳۔۷۴،

۳۔ أحمد بن عبدالعزیز الحصین ر المرأة المسلمة أمام التحدیات، دار البخاری (م۔ن) ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۸۶ء، ص ۱۶،

دیا۔ جب ہم عورت سے وابستہ ہوتے ہیں یا عورت ہم سے وابستہ ہوتی ہے تو ہمارا سکون قلبی و اطمینان دلی رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم تفکرات کے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی پریشانیاں دامن گیر ہوتی ہیں ہم اپنے ملک اور اپنی قوم کی خدمات کا فرض سکون کے ساتھ انجام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ عورت کی فتنہ انگیزیوں کے مقابلے سے فرصت نہیں ملتی، اور اس کی سحر کاریاں ہمارے دل کو بے چین رکھتی ہیں۔ جب تک ہم عورت کے مکر کے جال میں گرفتار نہیں ہوتے ہمیں اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔ ہم آزادی کی مسرت آفریں فضا میں سانس لے سکتے ہیں۔ اور اپنی خواہش اور اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق کام کر سکتے ہیں۔ لیکن جب عورت کا جادو چل جاتا ہے تو ہماری راحتیں اور مسرتیں مٹ جاتی ہیں۔ ہم بے چین اور بے قرار ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں فائدوں سے زیادہ نقصانات پہونچتے ہیں، پھر ان مصیبتوں کے برداشت کرنے کے بعد بھی عورت وفاداری کا اظہار نہیں کرتی۔ ہمارے جذبات کا لحاظ نہیں رکھتی اور ہماری روح کو تباہ کرنے سے باز نہیں آتی اگر وہ خوبصورت ہے تو اپنی خوبصورتی کے خنجر سے، اور اپنے مکر و فریب کی چھری سے ہزاروں سادہ لوح انسانوں کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کی بے پناہ طاقتوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک ہی زہر آلود خنجر سے بعض کی دلنوازی کرتی ہے اور بعض کو ہلاک کرتی ہے۔ ان کو اپنی مہربانیوں کا مرکز بناتی ہے وہ بھی ابدی راحت حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کی عافیت بھی غیر مستقل ہوتی ہے غرض میرے نزدیک عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی محرک کوئی چیز نہیں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے کہ نتائج کے عالم میں تغیر و تبدل ہوتا ہے، تو میں یہ کہتا ہوں کہ جتنے بے رحم مرد ہیں وہ سب نتائج کے عالم میں عورت ہو جاتے ہیں۔

ان خیالات کے ساتھ میں اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ حتی الامکان عورت کی سحر کاریوں اور شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ اور اس کے جذبات کا احترام نہ کریں کہ وہ اپنے مکر و فریب میں کامیاب ہو جائے" (۱)

۱۔ مسلمان میاں بیوی کے حقوق و فرائض / م۔ن، (م۔ا۔ن)، ص ۵۔۶،

بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ انتہائی پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی۔(۱)

یونانی شاعر ''ہیزیڈ'' نے عورت کو مجسم شر قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے ''زوس نے عورت ایک برائی کی صورت میں انسان کو دی تھی۔''(۲)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا "Encyclopedia Britancica" کے الفاظ میں ''قدیم یونانی تہذیب میں عورت کا مقام اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچے پالنے والی لونڈی کی ہو گئی تھی، عورتوں کو ان کے گھروں میں قید کر دیا گیا تھا، وہ تعلیم سے محروم تھیں، ان کے شوہر انہیں گھریلو سامان کی طرح سمجھتے تھے۔(۳)''

مشہور یونانی قانون دان سولین کے قانون کے تحت اگر کوئی عمل عورت کے زیر اثر کیا جائے تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔(۴)

عورت اور بابلی تہذیب:

قدیم بابلی تہذیب (Babylonian Civilization) کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب میں بھی عورت کو کوئی خاص مقام نہیں دیا گیا تھا۔ یہی صورتحال وسطی اسپرین اور سبارین قوموں کی تہذیب و قانون کی تھی۔ ان کے ہاں بھی بیٹے ہی کو جائداد کا وارث قرار دیا جاتا تھا اور بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔

تین ہزار قبل مسیح عراق کا مشہور بادشاہ حمورابی (Hammurabi) کی شریعت (۵) جس کی وجہ سے بابل مشہور تھا عورت کو پالتو جانور سمجھتی تھی اور اس کی ☆☆

۱۔ شاہ معین الدین ندوی / دین رحمت، مکتبہ عارفین کراچی (س۔ن)، ص ۱۰۵،

۲۔ سیدؑ علی عباس جلالپوری / روایات تمدن قدیم، مطبوعہ جہلم پاکستان ۱۹۹۱ء، ص ۵۶؛

۳۔ Encyclopedia Britancica. 1983. 1984

۴۔ مبارک علی / تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۳۲،

۵۔ ''حمورابی'' کا ذکر بائبل میں امرائیل کے نام سے کیا گیا ہے۔ (بقیہ حواشی آئندہ صفحہ پر)

نظر میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کی لڑکی کو قتل کیا تو قاتل کو مقتول کے ورثاء کو اپنی لڑکی حوالہ کرنی ہوتی تھی۔ تاکہ مقتول کے ورثاء اسے قتل کر دیں یا باندی بنالیں یا معاف کر دیں۔ مگر وہ قانونی حکم کی بناء پر اکثر قتل کی جاتی تھی۔

مسٹر جان اہل ربک نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی کہ عورت نے قدیم بابلیوں کے عہد سے موسوی شریعت تک کیا ترقی کی۔ مصر کے معروف اہل قلم استاذ سلیم عقاد نے "مرکز المرأۃ فی قانون حمور ابی وفی قانون الموسیوی" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا جو ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ کتاب تین فصلوں پر مشتمل ہے، پہلے باب میں قدیم بابلی دھرم کا ذکر ہے اور دوسرے باب میں حمورابی دور کا ذکر ہے۔

پہلے باب میں دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیوں کے عہد حکومت میں جو تقریباً ۵۰۰۴ قبل مسیح کا زمانہ ہے عورتیں روپوش رہتی تھیں اور باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ضرورت کے وقت اپنی لڑکیوں کو فروخت کر دے۔

ہیرو ڈوٹس لکھتا ہے!

قدیم بابلیوں کے ہاں جن لوگوں کی بیٹیاں جوان ہو جاتی تھیں وہ سال میں ایک مرتبہ انہیں مخصوص مقام پر لے جاتے جہاں تماشائیوں کا ٹھٹ لگ جاتا ایک سرکاری کارندہ باری باری ان لڑکیوں کو بلاتا اور اپنے سامنے کھڑی کر کے بولی دے کر بیچ دیتا۔(۱)

☆☆

(بقیہ حواشی)۔اس کے قوانین کو قدیم ترین قوانین میں شمار کیا جاتا ہے، ۱۹۰۲ء میں اس کا ایک کتبہ دریافت ہوا جس میں بڑی تفصیل پائی جاتی ہے اور (C.H. John) نے ۱۹۰۳ء میں اس کا انگریزی ترجمہ "The Oldest Code" کے نام سے شائع کیا۔ (ول ڈیورنٹ، ۴ آریئل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق، ص ۲۷،

۱۔ سید علی عباس جلالپوری / روایات تمدن قدیم ص ۳۶،

عورت اور رومن تہذیب :

قدیم رومن تہذیب میں عورت ہر قسم کے مذہبی، قانونی، معاشرتی اور اخلاقی حقوق سے محروم تھی۔ اسے قانوناً عرصہ دراز تک ذلت و رسوائی کی پستیوں میں مقید رکھا گیا۔ خاندان کا سربراہ باپ یا شوہر ہوتا۔

"تاریخ اخلاق یورپ" کے مصنف لیکی کے بقول! شوہر جس وقت چاہتا بیوی کو بغیر قصور کے گھر سے نکال سکتا تھا، انتہا یہ تھی کہ! عورت گھر اور گھر سے باہر کسی عہدہ کی اہل نہ سمجھی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہ تھا۔

ازمنۂ قدیم میں رومیوں نے عورت پر اس قدر مظالم ڈھائے کہ تہذیب بھی ان کا نام سن کر شرماتی ہے، بعض مثالیں تو ایسی بھی ملتی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت کو زمرۂ انسانیت ہی سے خارج سمجھتے تھے۔ عورتوں سے جانوروں کا سا سلوک کرنا ان کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا۔ یہ حقیقت کس قدر آنسو دلانے والی ہے کہ!

رومیوں نے عورت کی عملاً زبان بندی کے لئے ان کے منہ پر تالا ڈال دیا، اس تالے کو وہ "موزلیسر" کہتے تھے۔ (۱)

عورت اور قدیم انگلستانی تہذیب :

انگلستان جو آج تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھا جاتا ہے اور اپنے تئیں آزادیٔ نسواں کا علمبردار رہتا ہے۔ ۱۷۵۰ء میں جہالت اور ظلم کا مرکز تھا۔ وہاں عورت کی حیثیت نہایت ہی ذلیل تھی۔ عموماً کمزور اور بد صورت لڑکیاں مار ڈالی جاتی تھیں۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں انگلستان کے

☆☆

(۱)۔ ایم ایس ناز ر اسلام میں عورت کی قیادت، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۱۵، بحوالہ تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۵ ج ۲۔

ہر گوشے میں عورت کو نوکروں کے زمرے میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور ان کو سوسائٹی کے لئے ایک بد نما داغ سمجھا جاتا تھا۔ عورت کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے سرپرست اور پادری کی غلامی کرے۔

اکثر عیسائی پیشواؤں کا یہ خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ جو صلیب پر چڑھے تو محض حضرت حوا کے گندم کھانے کی وجہ سے"۔ اس خیال نے عیسائیوں کے دل و دماغ پر ایسا قبضہ کر لیا تھا کہ ان کے معقول اور سمجھ دار اشخاص بھی عورت کو زہریلا بچھو اور روحوں کو تباہ کرنے کا شیطانی آلہ سمجھتے تھے۔

چھٹی صدی کے مشہور فلاسفر 'طامس ہارڈنگ کا قول ہے کہ ' عورت ایک خوفناک اژدہے کی مانند ہے۔ جس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ ہم اگر دس برس تک غور کرتے رہیں تب بھی وہ عیاریاں ہمارے ذہن میں نہیں آسکتیں جو عورت ایک لحہ میں سوچ سکتی ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ عورت ایک شیطانی جادو ہے جس کے اثر سے محفوظ رہنا بہت دشوار ہے۔ وہ ایک ایسی غذا ہے جس کا ذائقہ اچھا ہے۔ لیکن اس کا ہضم کرنا محال ہے اور وہ ایک ایسے پھول کے مانند ہے جو بظاہر دیکھنے میں خوشنما ہے لیکن اس میں بے شمار کانٹے پنہاں ہیں۔(۱)

ڈاکٹر اسپرنگر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "زمانۂ گزشتہ میں انگلستان کے ہر حصے میں عورت کی حیثیت نہایت ذلیل تھی۔ وہ ایک ایسی مخلوق تھی جس کے لئے کوئی احترام نہ تھا۔ میں یہ الفاظ انگلستان کی توہین کے لئے نہیں لکھ رہا۔ بلکہ ایک حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔ الگزنڈر جیسے سنگدل نے جس بے دردی کے ساتھ عورتوں کو ہولناک سزائیں دیں اس سے تاریخ یورپ کے صفحات رنگین ہیں۔ ملکہ الزبتھ اور جیمس اول کے زمانہ میں ہزاروں عورتوں کو جلایا جانا اور پراسرار طریقے پر ہلاک کرنا، تاریخ کے کھلے واقعات ہیں اور میں سمجھتا ہوں انگلستان کی پیشانی سے یہ بد نما داغ کبھی مٹ نہیں سکتا۔

میں نہایت صاف لفظوں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج بھی جو آزادی یورپ و

☆☆

(۱)۔ ترجمہ ہسٹری آف دی ورلڈ ص ۲۲۱۔

امریکہ میں عورتوں کو حاصل ہے وہ کسی مذہبی تخیل یا اصلاحی جذبہ کے ماتحت نہیں ہے بلکہ نفس کی شوق آفرینیوں کا حیاسوز مظاہرہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں جو مذہب کے ماننے والے عیسائی ہیں وہ اب بھی عورت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے کیونکہ عیسائی مذہب کے قانون میں عورت کی حمایت نہیں ہے۔(۱)

عورت اور قدیم روسی تہذیب:

''موسیو'' بی ایس کیش ...... جو فن تاریخ کے ماہر ہیں اپنی مشہور کتاب ''بک آن میرج'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

میں نے جہاں تک انسانیت کی قدیم تاریخ پر غور کیا ہے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ۶۱۱ء میں روس کے علاقے میں عورت کی حیثیت قابل احترام نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس کی تحقیر کا خیال صرف حکماء و فلاسفر کے دماغ تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ مذہبی دنیا میں بھی اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انٹونی لکھتا ہے کہ عورت سے زیادہ کوئی چیز باعث فساد نہیں۔ وہ امن اور سلامتی کی دشمن ہے اور مکر و فریب کا مجسمہ ہے، میں سانپ اور بچھو سے دوستی کرنا پسند کرتا ہوں لیکن عورت سے دوستی کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ جس طرح اس دنیا کی ساری آبادی میں تمام سردار اچھے نہیں ہوسکتے اسی طرح تمام عورتیں بھی اچھی نہیں ہوسکتیں۔ ہر صنف میں اچھے اور برے ممبر ہیں، لیکن اپنے مشاہدات کی بناء پر وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ عورتوں میں ننانوے فیصدی فتنہ انگیز ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سرشت میں ننانوے حصے برائیاں ہیں اور ایک حصہ نیکی ہے۔ وہ ایک آگ کی مانند ہے۔ جس کے شراروں سے بچنا محال ہے کہتے ہیں کہ مرد عقلمند ہیں اور عورتیں بیوقوف ہیں۔ لیکن میں اس قول کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔ مرد کے اندر عمر کے آخری حصہ تک وہ عیاریاں پیدا نہیں ہوسکتیں جو عورت کے اندر آغاز شباب میں موجود ہوتی ہیں۔ وہ اگر چاہے تو ایک لمحہ کے اندر

(۱)۔ حوالہ مسلمان بیوی کے حقوق و فرائض ص ۸۔۹۔

آتش فساد کے شعلے بھڑکا سکتی ہے۔ وہ امن و سکون سے زیادہ فتنہ و فساد کی حامی ہے۔

"کرسوس ٹوم" لکھتا ہے۔

"عورت ایک قابل نفرت ہستی ہے جب کوئی مرد اس کے ظاہری حسن و جمال کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کا اطمینان مٹ جاتا ہے اور وہ اپنے ملک و قوم کی خدمت سے محروم ہو جاتا ہے، میں نے ایسا بہت کم دیکھا ہے کہ عورت نے جذبۂ صداقت کا احترام کیا ہو، وہ خود غرضی کا ایک ناپاک مجسمہ ہے، اس پر اعتبار کرنا اپنے ضمیر کو دھوکا دینا ہے۔ اس سے ہم بھلائی کی امید نہیں کر سکتے وہ شر کی بیٹی ہے، اس کی تعظیم کرنا تباہیوں کو دعوت دینا ہے۔ جو ایسی حماقت کرتے ہیں وہ انجام کار ذلیل ہوتے ہیں"۔(۱)

عورت اور میسوپوٹیمی تہذیب:

میسوپوٹیمی (جدید عراق کے جنوبی نصف) تہذیب کئی ہزار سال پر محیط ہے اور اس میں سمیری، عکادی، بابلی، آشوری ثقافتوں اور آبادیوں کے ایک پورے سلسلہ کا عروج و زوال شامل ہے۔

"حمورابی" ۱۷۵۲ء قبل مسیح نے مرد کو عورت کے رہن رکھنے پر تین سال تک اختیار دے رکھا تھا۔ بعد کے آشوری قانون ۱۲۰۰ء قبل مسیح نے عورتوں کو جو رہن رکھی جاتی تھیں مارنے، پیٹنے، ان کے کان چھیدنے یا مروڑنے کی اجازت بھی دی تھی۔(۲)

"آشوری" قانون نے عورت کو سزا دینے کے ضمن میں مرد کو اس پر کوئی

(۱)۔ حوالہ مسلمان بیوی کے حقوق و فرائض ص ۱۰۔۱۱،

(۲)۔ لیلی احمد ر عورت جنسی تفریق اور اسلام، مترجم: خلیل احمد، مطبوعہ مشعل لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۲۷۔

ذمہ داری ڈالے بغیر اپنی بیوی کے بال نوچنے، اس کے کان کاٹنے، اور مروڑنے کی اجازت بھی دی۔

ضابطہ "کے۔۲" جموراابی کے تحت عورت اپنے گھر کو نظر انداز کرتی یا اس کی تذلیل کرتی تو ایسی عورت کو پانی میں پھینک دینے کا حکم تھا۔ شہری ریاستوں کے سارے دور میں طاقت اور اختیار صرف اور صرف شوہر اور باپ کے پاس تھا۔ تیسرے ہزار سالہ دور کے وسط میں اس عہد کے نسخہ کے مطابق جس میں یہ درج ہے کہ عورت اپنے شوہر سے اختلاف کرتی ہے تو شوہر پختہ اینٹوں سے اس کے دانت توڑ سکتا ہے۔(۱)

عورت اور قدیم مصری تہذیب:

مصر کے معروف محقق اور اہل قلم استاذ عقاد اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "المراۃ فی القرآن" میں قدیم مصری تہذیب میں عورتوں کے بعض حقوق و اختیارات کے ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں!

"اسلام سے قبل مصری اور اس کے قوانین پامال ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں مشرق اوسط میں رومی تہذیب کے سقوط اور اس کی سیاسی ولذت پرستی کے ردعمل کے طور پر دنیوی زندگی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دی جانے لگی تھی ...... عورت کو گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا۔ اور غیر ضرور تمند کے لئے اس سے دوری بہتر سمجھی جاتی تھی، یہ قرون وسطیٰ کے اس رجحان ہی کا اثر تھا کہ پندرہویں صدی عیسوی تک بعض علمائے لاھوت عورت کی فطرت کے متعلق سنجیدگی سے غور کرنے لگے تھے اور "ماکون" کے اجتماع میں وہ یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا وہ جسم بلا روح ہے یا روح رکھنے والا جسم ہے جس سے نجات یا ہلاکت متوقع ہوتی ہے۔ اکثریت کا خیال تھا کہ وہ نجات پانے والی روح سے خالی ہے اور اس میں حضرت مریمؑ کے علاوہ کسی

☆☆ (۱)۔ ایضاً ص ۲۸۔

کا استثناء نہیں ہے"۔(۱)

قدیم مصری معاشرہ میں فراعین اور رؤساء عام طور سے اپنی بہنوں سے نکاح کرتے تھے تاکہ وہ ان کے ورثہ میں حصہ دار بن سکیں۔ ...... بعض فراعین اپنی بیٹیوں سے نکاح کر لیتے تھے "رع سیس دوم" نے یکے بعد دیگرے اپنی کئی بیٹیوں سے شادی کی تھی، بہنوں سے شادی کا رواج عوام میں بھی ہو گیا تھا...... ہر سال طغیانی کے موقعہ پر ایک دوشیزہ کو دلہن بنا کر دریائے نیل میں غرق کرتے تھے کہ دیوتا مہربان ہو جائے۔(۲)

عورت اور قدیم ایرانی تہذیب:

--- قدیم ایرانی تہذیب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب نے بھی عورت کے استحصال اور استبداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ قدیم ترین مجوس زرتشتیوں کے تحت عورتوں کے جو حالات تھے اس سے بدتر کبھی نہ ہوئے تھے وہ مردوں کی باندیاں تصور کی جاتی تھیں۔

پانچویں صدی عیسوی میں یزدگرد دوم نے اپنی بیٹی کو زوجیت میں رکھا پھر قتل کر ڈالا۔(۳)

پروفیسر ارتھر کرسٹن کے مطابق اس قسم کا رشتہ کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے ہاں عبادت اور ثواب کا درجہ رکھتا تھا۔ مشہور چینی سیاح ہوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرہ میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا۔(۴)

☆☆

(۱)۔ عباس محمود عقاد / المراۃ فی القرآن ص ۷۵۔۷۶۔

(۲)۔ سید علی عباس جلالپوری / روایات تمدن قدیم ص ۵۶۔

(۳)۔ ابن جریر طبری / تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک) ۳/ ۱۳۸۔

(۴)۔ ارتھر کرسٹن / ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۰۔

قدیم ایران میں دو طرح کی بیویاں تھیں۔ ۱۔ زن پادشائی ھا، ۲۔ زن چگاری ھا، پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد میں حصہ ملتا تھا۔ لیکن زن چگاری ھا اور ان کی اولاد (جائیداد سے محروم ہوتی تھی)۔(۱)

قانون کی نظر میں عورت کا کوئی حصہ یا مقام نہ تھا۔(۲)

قانون نے بیوی اور غلام دونوں کو ایک درجہ دے رکھا تھا۔(۳)

پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں مزدک کی بغاوت سے یہ ہوا کہ اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان ایک طریقے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ لہٰذا ایک کو دوسرے کی ملکیت میں مساوی حقوق حاصل ہیں اور مال اور عورت ہی دو ایسے عنصر ہیں جن کی حفاظت و نگرانی کا کام انسان کرتا ہے لہٰذا ان میں مساوات و اشتراک کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ شہرستانی کا بیان ہے کہ مزدک نے عورتوں کو بلا امتیاز تمام مردوں کے لئے حلال قرار دے دیا۔ اور مال و عورت کو آگ، پانی اور چارہ کی طرح مشترک اور عام کر دیا۔(۴)

نامور مؤرخ ابن جریر طبری کے مطابق اس تحریک کا اتنا زور تھا کہ جو جس گھر میں چاہتا زبردستی داخل ہو جاتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا۔(۵)

ایران جو آج سے ایک ہزار برس پہلے بھی تہذیب یافتہ ملک سمجھا جاتا تھا، بد نصیب عورت وہاں بھی عزّت و احترام سے محروم تھی، علامہ جعفر مجلسی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

"ماتسلیم می کنیم که درزمان جاهلیت ملك ایران یکے از ملك هائے معتبر بود و لیکن ضرورت است که یك نظر سرسری بتاریخ ایران کنیم

☆☆

۱۔ آرتھر کرسٹن / ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۴۱،

۲۔ ایضاً، ص ۴۳۷،

۳۔ ایضاً، ص ۴۳۷،

۴۔ الشہرستانی / الملل والنحل، مطبعۃ الأزہر مصر ۱۹۷۰ء، ص ۸۶،

۵۔ ابن جریر طبری / تاریخ طبری ۲/ ۸۸،

فواهیم دیدکه درآن زمان چه حالت بود و اهل ایران چه خدمات بزرگ مستورات و مخدّرات نموده اند، بعداز مطالعه تاریخ ایں حقیقت ظاهر میشوو وتمام مئورخین برایں متفق اندکه حالت بهتر نه بود یعنی مهر بائے مستورات و احترام حقوق اصلانه بود و تصور نمیشود که چه حال بودیه"

ترجمہ : "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایران ایک شائستہ ملک تھا، لیکن ہم ایران کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال کر یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ معاشرتی حیثیت سے اُس وقت ایران کی کیا حالت تھی؟ اور اہل ایران نے عورتوں کی کیا خدمات انجام دیں؟ تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ تمام مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ حالت بہتر نہ تھی۔ یعنی وہاں بھی طبقۂ نسواں کی مظلومیت حد سے گزر چکی تھی، ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس کے کچھ حقوق نہ تھے اور ہم تصور نہیں کرسکتے کہ کیا حال تھا؟

اور ابن زیاد کلبی نے لکھا ہے کہ ۵۷۱ء میں اہل ایران آتش پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے اور لڑکیوں کے وجود کو باعثِ شرم و ندامت سمجھتے تھے خلافِ فطرت افعال ان کا محبوب مشغلہ تھا عورتوں کو تمام انسانی حقوق سے محروم کردیا گیا تھا اور ان کو جانوروں سے زیادہ ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اپنی ماں کو اولاد ترکہ کے طور پر اپنے تصرف میں لے آتی تھی۔ بعض نالائقوں کا یہ خیال تھا کہ خدا نے عورتوں کو پیدا کرکے مخلوق پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :

"میں خدا سے اس لئے ناراض ہوں کہ اس نے عورت کو پیدا کیا جو امن و سلامتی کی دشمن ہے اور ہماری روح کو غم میں ڈالتی ہے۔"

ایک شاعر کا قول ہے کہ "اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو فتنہ و فساد نہ ہوتا۔ بیچینی، اور بے قراری نہ ہوتی، اور ہم عیش و آرام کی

زندگی بسر کرتے۔ لیکن عورت نے ہمارے اطمینان کو تباہ کر دیا وہ ہمارے دل کی کائنات میں ایک طوفان اضطراب برپا کرتی ہے اور اپنی بے وفائی کے خنجر سے ہم کو نیم جان کر دیتی ہے۔ اگر خدائے بزرگ ہمیں قضاؤ قدر پر اختیار عطا فرمائے تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی عورتوں کو زندہ نہ رکھیں۔"(۱)

عورت اور ہندوستانی تہذیب :

ہندوؤں کے معاشرہ میں عورت کا مقام کبھی بھی بلند نہیں رہا۔ لڑکی کی پیدائش کا ذکر تہذیب و تاریخ کے ساتھ ساتھ مذہبی کتب "یجروید" اور "اتھروید" میں نہایت حقارت سے کیا گیا ہے، اور ادب و شعر میں اس کی بے وفائی، متلون مزاجی اور ہرجائی پن کا ذکر عام ملتا ہے۔

"سوک سپ تتی" میں لکھا ہے ا

"عورتوں کے حربے یہ ہیں دھوکہ دینے والی باتیں، مکر، قسمیں کھانا، بناوٹی جذبات کا اظہار کرنا، جھوٹ موٹ کے ٹسوے بہانا، بناوٹی مسکراہٹ، لغو دکھ درد کا اظہار اور بناوٹی خوشی، بے اعتنائی، بے معنی سوالات پوچھنا، نیک وبد میں تمیز نہ کر سکنا،

"نیتی اشوک" میں لکھا ہے ا

"عورت خواہ کتنی ہی محبت کا اظہار کرے اس کے سامنے چوکس رہو۔

سنسکرت کی ایک تمثیل "مٹی کا چھکڑا" میں لکھا ہے ا

"عورتیں سمندر کی موجوں کی طرح گریزاں ہوتی ہیں۔ ان کی محبت شفق کی ان دھاریوں کی طرح بے ثبات ہوتی ہے جو غروب آفتاب کے وقت افق پر نمودار ہوتی ہیں، وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس شخص سے لپٹی رہتی ہیں جس کے پاس دھن،

☆☆

(۱)۔ حوالہ مسلمان بیوی کے حقوق و فرائض ص ۱۳۔ ۱۴۔

دولت ہو، جب وہ اسے چوس لیتی ہیں جیسے کہ گنے کا رس چوس لیا
جاتا ہے تو اسے دھتا بتا دیتی ہیں۔(۱)

دوسری معاصر اقوام کی طرح ہندوؤں میں مذہبی عصمت فروشی کو فروغ حاصل ہوا، مندروں میں سیکڑوں نوجوان دیوداسیاں، پروہتوں اور یاتریوں کی تسکین ہوس کرتی تھیں۔ پروہتوں نے لوگوں کو اس بات کا یقین دلا رکھا تھا۔ کہ جو شخص اپنی بیٹی دیوتا کی بھینٹ کرے گا سورگ میں جائے گا۔(۲)

"انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس" (Encyclopedia of Religion & Ethics) کا مقالہ نگار عورتوں کے بارے میں ہندوؤں کے افکار و نظریات کے متعلق لکھتا ہے!

"عورت کبھی آزاد نہیں ہو سکتی، وہ میراث نہیں پا سکتی، شوہر کی
وفات کے بعد اسے اپنے سب سے بڑے بیٹے کے ماتحت زندگی
گزارنی ہوگی۔"(۳)

معاشی معاملات میں عورت کی حق تلفی سے زیادہ سخت امر یہ تھا کہ شوہر کی موت کے ساتھ ہی عورت کے سامنے دو راستے رکھے جاتے تھے۔ یا تو وہ اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی اور "ستی" کہلاتی، یا ساری عمر دکھ بھگتتی۔

یہ رسم برہمنی دور تمدن سے شروع ہوئی۔ بیوہ کا سر منڈا دیتے تھے۔ وہ صرف صبح کے وقت روکھی سوکھی کھا سکتی تھی، اور ہر وقت میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتی۔ لوگ اس کے سائے کو بھی منحوس سمجھتے تھے۔ انہی مصائب سے نجات پانے کے لئے موت کو زندگی پر ترجیح دے کر عورتیں "ستی" ہو جاتی تھیں۔

"ستی" کی ظالمانہ رسم کے بارے میں "تیورنیئر" نے لکھا ہے کہ برہمن

☆☆

(۱)۔ سید علی عباس جلالپوری روایات تمدن قدیم ص ۲۴۷۔

(۲)۔ ایضاً، ص ۲۴۸۔

(۳)۔ Encyclopedia of Relegion & Ethics Newyork. 1921, P. 271, Vol-V,

گائے کی دم کا بال بھی بیکا نہیں کرتے، لیکن ایک جیتے جاگتے انسان کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دیتے ہیں۔ برہمن عورت کو "ستی" کی ترغیب اس لئے دیتے تھے کہ اس کے جل مرنے کے بعد اس کے زیورات اور متروکہ سامان انہی کو ملتا تھا، بعض اوقات نوجوان بیواؤں کو ان کی مرضی کے برخلاف گھسیٹ کر چتا پر لے جاتے تھے، جہاں انہیں رسیوں میں جکڑ دیا جاتا تھا کہ مبادا آگ سے گھبرا کر بھاگ جائیں۔ جو عورت کسی حیلے بہانے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی اسے ذات سے خارج کرکے چوہڑے چماروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔(۱)

ستی: ہندومت میں عورت پر مذہب اور سماج کے نام پر ہونے والے مظالم کی تاریخی داستان:

"ستی" کے معنی پاک ہونے کے ہیں، لہٰذا جو عورت شوہر کی چتا پر جلتی تھی وہ گویا پاکباز اور باعفت سمجھی جاتی تھی۔(۲)

ہندی اردو لغت کے مؤلف راجہ راجیسور راؤ اصغر "ستی" کے تحت لکھتے ہیں!

"سچا، کامل، راست، درست، نیک، وفادار، غیر ملون، زن پارسا، عاصمہ،"

"ست" سچ پر قربان ہونے والی اور نیکی کے لئے جان دینے والی عورت یعنی عورت جو اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ فنافی النار ہو جائے، واضح ہو کہ عوام بالتشدید کہتے ہیں(۳)

"ارتھ وید" کے مطابق "ستی" ایک قدیم رسم ہے۔ جبکہ "رگ وید" اس

(۱)۔ سید علی عباس جلالپوری ر روایات تمدن قدیم ص ۲۳۶،

(۲)۔ مبارک علی ر تاریخ اور عورت، ص ۳۶،

(۳)۔ راجیسور راؤ اصغر / ہندی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۳ء ص۔ ۲۹۷،

لیں یہ نشاندہی کرتی ہے کہ "وید" عہد میں صرف اسی پر اکتفاء کیا گیا تھا کہ بیوہ جلنے سے پہلے صرف ایک لمحے کے لئے اپنے شوہر کی چتا پر لیٹ جائے۔(۱)

ہندوستان میں "ستی" کی رسم کو بہت اہمیت حاصل تھی، ہیروڈوٹس (Herodotus) نے اسے قدیم سیتھین (Scythians) اور ترکی (Thracians) کی روایت قرار دیا۔ اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ تراکیوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی قبروں پر جان دینے کو باعث فخر سمجھتی تھیں۔ احتمال یہی ہے کہ یہ رسم دنیا بھر میں قدیم زمانہ کے اس قیاس سے چلی آتی ہے کہ شہزادوں اور امراء کی ایک یا دو بیویاں ان کی داشتائیں ان کے غلام، ان کے مرنے کے بعد ان کی خدمت کرنا جاری رکھیں گے۔(۲)

چنانچہ قدیم چین میں شہنشاہ کی موت پر اس کی محبوب کنیزیں اس کے مقبرہ میں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں تاکہ اگلے جہاں میں بھی وہ ان کے حسن و جمال سے متمتع ہو سکیں۔(۳)

اس رسم کی تاریخ بہت قدیم دور سے ملتی ہے۔(۴)

"The Position of Women In Hindu Civilization"
کے مصنف مشہور ہندو محقق ڈاکٹر اے۔ ایس الٹیکر (Dr. A.S. Alteker) لکھتے ہیں!

"تاریخ قدیم سے مختلف اقوام میں یہ عقیدہ تھا کہ موت کے بعد کی زندگی دنیاوی زندگی کے مماثل ہے لہذا ضروریات زندگی

☆☆

(۱)۔ ول ڈیورانٹ / ہندوستان / تاریخ، تہذیب، تمدن، فلسفہ، مترجم: طیب رشید تخلیقات لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۶،

(۲)۔ ایضاً، ص ۱۲۵،

(۳)۔ علی عباس جلالپوری / روایات تمدن قدیم، مطبوعہ جہلم پاکستان ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۹،

(۴)۔ محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں، مترجم: قمرالدین۔ فکشن ہاؤس لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۱،

مردہ کے اگلے جہاں میں کم و بیش اسی طرح ضروری ہیں جس طرح کہ موجودہ زندگی میں، لہذا میت کے ورثاء کا یہ مذہبی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ مردہ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس کی ضروریات اور خواہشات زندگی بہم پہنچائیں، اور مردہ کو ہر وہ شے مہیا کریں جس کی اسے زندگی میں ضرورت تھی۔ بطور خاص بادشاہوں اور حکمراں طبقہ کے افراد میں یہ تصور جاگزیں تھا کہ مردہ کو بیوی، خادموں، اور سواری کی ضرورت ہو گی اس لئے یہ ضروری تھا کہ ان تمام چیزوں کو مردہ کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جائے، یا اس کے ساتھ جلا دیا جائے۔

اسی اعتقاد کی بنیاد پر ہندو مت میں ''ستی'' بیوہ کو شوہر کے ساتھ زندہ سپرد آگ کرنے کا نظریہ وجود پزیر ہوا۔(۱)

نظریہ ''ستی'' کی ابتدائی تاریخ ہندوستان کی قدیم تاریخ کے ساتھ منسلک ہے۔ البتہ اس کا ارتقاء اور کثرت سے وقوع پزیری کا عہد برطانوی راج کے عہد سے منسلک ہے۔(۲)

''ستی'' کی ابتدائی تاریخ ہندوستان میں آرین کے ورود کی تاریخ سے منسلک ہے۔(۳)

بعض یونانی مورخین کے مطابق ''ستی'' کی رسم کا فروغ اور اس نظریہ کی اشاعت پنجاب کے (Kathas) عہد میں ہوئی۔(۴)

☆☆

(1)- A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, Delhi, 1983; P. 115-116.

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

چوتھی صدی بعد مسیح میں "ستی" کی رسم مزید اشاعت پزیر ہوئی اور اس نظریہ کو فروغ حاصل ہوا۔(۱)

ساتویں صدی عیسوی میں "نظریہ ستی" کی خوب تشہیر کی گئی اور اس کے فروغ کے لئے بطور وکالت دلائل پیدا کئے گئے۔ چنانچہ اس عہد میں یہ نظریہ فروغ پا گیا کہ "ہندومت" کی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل اگر کوئی تعلیم ہے تو اس میں سب سے زیادہ اہم "ستی" کی رسم ہے کہ بیوہ عورت "ستی" ہونے کے بعد اپنے شوہر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور وہ دونوں (میاں بیوی) صرف اس عمل یعنی عورت کے "ستی" ہو جانے کی بناء پر ساڑھے تین کروڑ سال تک جنت میں رہیں گے۔ اسی طرح ایک مذہبی کہاوت مشہور تھی کہ جس طرح سپیرا بین (بانسری) بجا کر سانپ کو اس کے بل سے بانسری کے زور پر باہر نکال لاتا ہے، اسی طرح "ستی" ہونے والی عورت اپنے شوہر کو جہنم سے باہر نکال دے گی اور وہ دونوں جنت میں ساڑھے تین کروڑ سال تک رہیں گے۔(۲)

مہابھارت میں بارہا "ستی" کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مہابھارت میں اس قانون کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ باوفا بیوہ اپنے شوہر کے بعد زندہ رہنے کے بجائے بڑے فخر اور ناز کے ساتھ اس کی چتا کی آگ میں کودنے کو ترجیح دیتی ہے۔(۳)

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان (Dr. G. Lebon) کے مطابق یہ رسم سن عیسوی سے قبل کی ہے کیونکہ یونانی مصنفوں نے تین سو قبل مسیح میں اس کا ذکر کیا ہے۔(۴)

سٹرابو (Strabo) نے درج کیا ہے کہ ہند میں سکندر اعظم کی آمد تک

☆☆

(1)-A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P. 123.

۲۔ ایضاً، ص ۱۲۶۔

۳۔ ول ڈیورانٹ / ہندوستان ص ۱۲۶۔

۴۔ گستاؤلی بان / تمدن ہند، ص ۴۷۱۔

"ستی" کی رسم جاری تھی۔ پنجاب کے کیتھاری قبیلے میں شوہروں کو بیویوں کے ہاتھوں زہر دے کر مارنے سے بچانے کے لئے "ستی" کو باقاعدہ قانون کی شکل دی گئی۔(۱) (گویا شوہر کی زندگی میں بھی ستی کی رسم کی ادائیگی کی مثالیں موجود تھیں)

برہموں نے "ستی" کو مذہبی رنگ دیتے ہوئے اسے یہ کہہ کر اپنالیا کہ یہ دراصل شادی کی ابدیت سے وابستگی کا اظہار ہے۔ کسی مرد سے ایک مرتبہ بیاہی گئی عورت ہمیشہ کے لئے اس کی ہو جاتی ہے۔ اور اگلے جنموں میں بھی دونوں کا ملاپ ہوگا۔(۲)

"ستی" کی رسم کا ارتقاء سماجی و معاشی حالات کے بدلنے کے ساتھ ہوا۔ "ویدک" دور میں اگرچہ کچھ شواہد ملتے ہیں کہ عورت شوہر کے ساتھ جل گئی لیکن اس وقت تک "ستی" ہونا علامتی سمجھا جاتا تھا اور یہ رسم آخری ویدک دور میں تھی کیونکہ اس وقت تک بیوہ عورتوں کی شادی ہو جاتی تھی۔ مگر "گپت" دور کے آتے آتے "ستی" کی رسم معاشرہ کے اعلیٰ طبقہ میں پھیل گئی اور ان کی تقلید میں دوسرے لوگ بھی اسے اختیار کررہے تھے۔(۳)

"ستی" کی پہلی یادگار ۵۱۰ء میں مدھیا پردیش کے شہر اران میں ملتی ہے۔ "ستی" کی رسم کے پس منظر میں عورت کی سماجی حیثیت ابھر کر سامنے آگئی ہے کہ آہستہ آہستہ اس کی اپنی ذات اور شناخت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مکمل طور پر مرد کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے شوہر کی وفات کے بعد اس کے لئے زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا ہے۔(۴)

عورت کو شوہر کے مردہ جسم کے ہمراہ اور اس کے بغیر دونوں طرح "ستی" کرنے کا رواج تھا۔ اگر شوہر کی لاش مہیا ہو جاتی تو بیوی کو اس کے ہمراہ جلا

☆☆

۱۔ ول ڈیورانٹ / ہندوستان ص ۱۲۶،

۲۔ ایضاً، ص ۱۲۶،

۳۔ مبارک علی / تاریخ اور عورت ص ۴۶،

۴۔ ایضاً، ص ۴۷،

دیا جاتا تھا۔ اسے ''سہہ مرن'' یعنی ساتھ مرنا کہتے تھے۔ لیکن اگر شوہر بیوی سے دور مرتا یا بعض حالات استثنائی کے تحت مثلاً بیوہ حاملہ ہوتی تو اسے بعد میں کسی ایسی چیز کے ساتھ جلایا جاتا جس کا تعلق اس کے شوہر کے ساتھ ہوتا تھا، جو اس کے شوہر کی نشانی ہوتی تھی اس طرح جلنے کو ''انومرن'' یعنی قاعدہ کے تحت مرنا کہتے تھے۔

ان اصطلاحات کو بالترتیب ''سہہ گنا'' یعنی ساتھ جانا اور ''انوگنا یعنی قاعدہ کے مطابق جانا بھی کہتے ہیں۔

اگر کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتیں تو جلنے ''ستی'' ہونے کا اعزاز سب سے بڑی بیوی کو ہوتا اور دیگر بیویاں الگ الگ جلائی جاتیں۔ غیر معمولی حالات میں ایسی بیویاں اپنی زندگی بھر کے اختلافات اور عداوت ختم کر دیتی تھیں اور اسی آگ میں اپنے شوہر کے ساتھ جلنے کا انتظام کر لیتی تھیں۔ (۱)

ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں ''ستی'' کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں!

۱)...... اوّل وہ کہ جو شوہر کی موت کے غم میں بے ہوش ہو جاتی اور اس کے رشتہ دار اسے آگ میں جلا دیتے۔

۲)...... دوم وہ عورتیں جو شوہر سے بے انتہا محبت کرتی ہیں اور خوشی خوشی جلنے پر تیار ہو جاتی ہیں۔

۳)...... سوم وہ قسم جس میں رسم و رواج کے مد ھن کے تحت جل جاتی ہیں اور کوئی مزاحمت نہیں کرتیں۔

۴)...... چوتھی قسم وہ ہے جس میں خاوند کے خاندان والے زبردستی جلا دیتے ہیں۔ (۲)

''ستی'' کی رسم کے اجراء اور اس کے فروغ میں مذہبی عنصر اور برہمن

☆☆

۱۔ محمد اشرف ر ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں ص ۲۵۲،

۲۔ ابوالفضل ر آئین اکبری، مطبوعہ لاہور، ۳ر۲۹۴،

فصیح ترغیب کو بڑا دخل حاصل تھا۔ برہمن کے لئے بیوہ کے روبرو یہ بات بیان کرنے کا غیر معمولی مناسب موقعہ ہوتا تھا کہ زندگی قطعی ناپائیدار اور فریب پر مشتمل ہے اور یہ کہ دراصل حقیقی زندگی وہی ہے جو اس کے بعد شروع ہوگی۔ برہمن اسے یقین دلاتا تھا کہ ایک بار جلنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی اور اسے ہر طرح کی دولت، پوشاک، عزت، خوشی ناقابل بیان حد تک نصیب ہوگی۔ اس طرح بیوہ کو یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا آگ میں "ستی" ہونا اس کی شادی کے موقعہ سے بھی مبارک موقعہ ہے کیونکہ اس کے بعد اسے اپنے شوہر کی دائمی رفاقت ملے گی۔ لیکن اس نے اگر اس کے برخلاف کیا تو اس کا غیر مطمئن بھرت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ارواح خبیثہ میں شامل ہو جائے گا۔ لہذا بیوہ کے لئے سوائے "ستی" کے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔(۱)

چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں "ستی" کی خوب تشہیر کی گئی اور اس کے فروغ کے لئے بطور وکالت دلائل پیش کئے گئے۔ چنانچہ اس عہد میں یہ نظریہ فروغ پاگیا کہ ہندومت کی تعلیمات میں "ستی" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

بالفاظ دیگر ہندومت نے اگر کوئی تعلیم دی ہے تو اس میں نمایاں اہمیت کی حامل "ستی" ہے، اور یہ کہ عورت "ستی" ہونے کے بعد اپنے شوہر کا کفارہ بن جاتی ہے، اور وہ دونوں میاں بیوی نیک عمل یعنی عورت کے شوہر کی وفات کے بعد "ستی" ہو جانے کی بناء پر ساڑھے تین کروڑ سال تک جنت میں رہیں گے۔ اسی طرح ایک مذہبی کہاوت یہ بھی مشہور تھی کہ جس طرح سپیرا سانپ کو اپنے بین کے ذریعہ مسحور کرکے بل کے ذریعہ باہر نکال لاتا ہے۔ اسی طرح "ستی" ہونے والی عورت اپنے شوہر کو جہنم سے نکال لائے گی اور وہ دونوں جنت میں ساڑھے تین کروڑ سال تک رہیں گے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں ص ۲۵۴،

(۲)۔ A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P. 126.

فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان(Dr. G. Lebon) لکھتے ہیں!

''جس وقت اس اعلیٰ اور عیش کی زندگی کا جو بیوہ کو عالم بالا میں اپنے اپنے شوہر کے ساتھ نصیب ہوگا اس مصیبت اور ذلت کی زندگی سے موازنہ کیا جائے جو اسے اس عالم میں کاٹنی پڑے گی تو خوبی سمجھ میں آتا ہے کہ بے چاری ہندو بیوہ نہایت آمادگی اور جوش کے ساتھ اس طرح جان دینے پر راضی ہو جاتی تھی کہ اس کے گرد ایک مجمع جمع ہوتا تھا جو دعائیں پڑھتا ہوا اور کہتا ہوا شاباش اور مرحبا کے نعروں سے رخصت کرتا تھا۔(۱)

ڈاکٹر گستاؤلی بان مزید لکھتے ہیں!

''مذہبی اعتقادات جو صدیوں سے جاہل اقوام کی فطرتوں میں مستحکم ہو گئے اور وہ مصائب جس کا سامنا ملک کی رسم کی وجہ سے ہر بیوہ کو کرنا پڑتا ہے ''ستی'' کے اصلی اسباب ہیں۔ مذہب ہی وہ چیز ہے جو انسان سے اس قسم کے فدائی کام کراتا ہے۔ نہ صرف ہندو عورتیں بلکہ ہر زمانہ کے مذہب پرست محض قوت اعتقاد سے جلتی ہوئی آگ میں اس اُمید سے کودے ہیں کہ ان کے آگے جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔(۲)

عام لوگوں کے لئے بیوہ کا ''ستی'' ہونا ایک تفریح کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ تجربہ کار اور دور اندیش افراد ''ستی'' ہونے والی بیوہ کو دوسری دنیا میں جا... والے مقاصد کی حیثیت سے تصور کرتے تھے، وہ لوگ ''ستی'' کے ذریعہ دوسری د... کے باشندوں کے نام ہر طرح کے پیغامات بھجواتے تھے۔(۳)

جبکہ چند دیگر سماجی اُمور بھی اس رسم کے اجراء اور تسلسل کے ذمہ دار ہیں

☆☆

(۱)۔ گستاؤلی بان رتمدن ہند ص ۴۷۰،

(۲)۔ ایضاً، ص ۴۷۱،

(۳) محمد اشرف ر ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں ص ۲۵۴، ص ۲۵۵،

ان میں ستی کی رسم کی ہمت افزائی کرنے میں ہندو سماج میں بیوہ کی گری ہوئی حالت کا بھی بہت زیادہ ہاتھ ہے، ایسے ظاہری ثبوت ملتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ستی" کے امتناع سے فرار کی صورت میں اسے بہت تلخ اور شرمناک زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ اس لئے بیوہ یہی بہتر سمجھتی تھی کہ خود کو شعلوں کے سپرد کردے اس کے ساتھ ساتھ ہی کنبہ کے وقار کا مسئلہ بھی تھا۔ رائے عامہ اور مذہبی اعتقادات یہ بات ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہوتے کہ "ستی" ہونا عورت کی اعلیٰ ترین اور انتہائی قابل تعریف صفت ہے۔ اگر کوئی بیوہ اپنے متوفی شوہر کے ساتھ "ستی" نہیں ہوتی تو یہ اس کی وفاداری اور پاکبازی کی کمی کی دلیل تصور کیا جاتا تھا۔ (۱)

ڈاکٹر گستاؤلی بان مسٹر ملاباری کے حوالہ سے لکھتے ہیں!

> "ہندو کا مرنا اس کی بیوہ کے لئے ایسی مصیبت ہے جو ہر روز بڑھتی جاتی ہے وہ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی اور تادم مرگ یہ مصیبت اس کے ساتھ رہتی ہے، اس کا شمار انسانوں میں نہیں ہوتا، اس کی نظر منحوس سمجھی جاتی ہے، اور جس چیز کو وہ ہاتھ لگاتی ہے وہ نجس سمجھی جاتی ہے۔ اس ذلت اور رسوائی کی زندگی کو وبال سمجھتے ہوئے اسے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خیال کو ناپاک کردے یا ایک مصیبت اور تنہائی کی زندگی بسر کرے"۔ (۲)

بعض حالات میں ایسی عورت پر معاشی دباؤ بھی ڈالا جاتا تھا۔ "نکولا کونٹی" نے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن میں بیوہ کو ستی ہونے بصورت دیگر جہیز کو واپس کرنے کی شرط عائد کی گئی۔ متوخر الذکر حالت میں اس کے لئے اپنے بچوں کو چھوڑ کر تمام جہیز اس کے متوفی شوہر کے رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا۔ (۳)

مذکورہ اسباب اور نظریات کی بناء پر "ستی" کی رسم ہندومت میں فروغ

☆☆

(۱)۔ محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں ص ۲۵۴۔۲۵۵۔

(۲)۔ گستاؤلی بان / تمدن ہند ص ۴۷۰۔

(۳)۔ محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں ص ۲۵۶۔

پائی گئی اور معاشرہ میں اس کے اثرات وسیع تر ہوتے گئے۔

سات سو سے گیارہ سو بعد مسیح تک "ستی" کی رسم ہندوستان کے دیگر علاقوں کے علاوہ شمالی ہند اور کشمیر میں بہت زیادہ فروغ پا چکی تھی اور اس دوران کشمیر کے حکمراں خاندانوں میں یہ مذموم رسم انتہائی شدت کے ساتھ جاری رہی۔(۱)

ڈاکٹر گستاؤلی بان "ستی" کے اسباب، پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"اب سمجھ میں آئے گا کہ ہندو عورت کی محبت اور جان نثاری شوہر کے ساتھ کس درجہ پر ہے۔اور چونکہ یہ رسم صدیوں سے چلی آرہی ہے جاں نثاری عورت کی فطرت کا جزو بن چکی ہے، یہی وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر "ستی" کی رسم قائم ہوئی اور قائم رہی اور جس رسم کی بناء پر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ جلنے پر مجبور ہیں"۔(۲)

ہندو بیوہ کا شوہر کی چتا(لاش) کے ساتھ جلنے کا بیان بہت تکلیف دہ ہے اور اسے صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔وہ شوہر کی ارتھی کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتی تھی اور اسی کے ساتھ جلادی جاتی تھی۔ بعض حالات میں جلانے کا یہ عمل بہت طویل اور دلچسپ ہوتا تھا۔اس کے لئے بڑی ہمت اور ضبط کی ضرورت تھی۔

مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ نے دونوں قسم کے واقعات کی تفصیل دی ہے۔

ذیل میں ابن بطوطہ کے چشم دید مشاہداتی تاثر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جس میں ان تین ہندو بیواؤں کی "ستی" کا چشم دید مشاہدہ ہے جن کے شوہر دور دراز مقام پر جنگ میں مارے گئے تھے۔ابن بطوطہ لکھتا ہے!

☆☆

(۱)۔Dr. A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P. 126.

(۲)۔گستاؤلی بان / تمدن ہند ص ۴۰۷،

''جب تین بیواؤں نے ''ستی'' ہونے کا ارادہ کیا تھا تو وہ دن پہلے گانے بجانے اور کھانے میں مشغول ہو گئیں گویا دنیا سے رخصت ہونے کو تھیں، ان کے پاس ہر طرف سے عورتیں آتی تھیں اور چوتھے دن ان کے پاس ایک ایک گھوڑا لائے اور ہر ایک بیوہ بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر اس پر سوار ہوئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا، جس کو اچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جس میں منہ دیکھتی جاتی تھی، اور برہمن اس کے گرد جمع تھے اور ان کے رشتہ دار ان کے ساتھ ساتھ آگے آگے۔ نقارے اور نوبت بجتی تھی۔ ہر ایک ہندو اسے کہتا تھا میرا اسلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کہنا۔ وہ کہتی تھی اچھا اور ہنستی جاتی تھیں۔...... میں بھی اپنے دوستوں کو لے کر ان کے جلنے کی کیفیت دیکھنے گیا۔ ہم ان کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کے انبوہ سے اندھیرا ہو رہا تھا۔ بیچ میں چار گنبد تھے، ہر ایک گنبد میں ایک مت تھا، اور گنبد کے بیچ میں پانی کا حوض تھا، ان پر درختوں کے سایہ کے سبب دھوپ نہ پڑتی تھی، تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے پاس پہنچیں تو حوض میں اتر کر انہوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے، زیورات اتار کر علیحدہ رکھ دیئے، اور ان کے بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی، حوض کے پاس ایک جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلے مارنے لگی۔ چندرہ ایک آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑیوں کے گٹھے بندھے ہوئے تھے اور دس ایک آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ نقارے اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ ان عورتوں کی نظر اس پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی

ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور کہا! کیا میں جانتی نہیں کہ یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو۔ پھر اس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے تیئں ڈال دیا۔ اس وقت نقارے اور نفیریاں بجنی شروع ہوئیں اور لوگوں نے جو بہت سی لکڑیاں ہاتھ میں لئے ہوئے تھے آگ میں ڈالنی شروع کر دیں اور اس کے اوپر بڑے بڑے کندے ڈال دئے تاکہ وہ عورت حرکت نہیں کر سکے، حاضرین نے بھی بہت شور کیا۔ میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔(۱)

لیڈی ایمرسٹ نے اکتوبر ۱۸۲۵ء میں ''ستی'' کے ایک دلخراش واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ جسے اس نے اپنے روزنامچہ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے!

''ایک ہندو نوجوان ہیضہ سے مر گیا اور اس کی بیوہ نے اس کی چتا کے ساتھ جل مرنے ''ستی'' ہونے کا ارادہ کر لیا۔ ضروری کارروائیاں ہو گئیں اور مجسٹریٹ سے لائسنس حاصل کر لیا گیا۔ چتا کو متوفی کے قریبی رشتہ داروں نے آگ لگا دی لیکن جب آگ کے شعلے بیوہ تک پہنچے تو اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ دھویں کے بادلوں، ہجوم کے چیخ و پکار اور ڈھول، نقاروں کی سمع خراش شور و غل کے درمیان کسی نہ کسی طرح چتا سے اتر آئی اور لوگوں سے نظر بچا کر ذرا فاصلہ پر جنگل جا پہنچی۔ پہلے تو کسی کو اس کا خیال نہ آیا، لیکن جب دھواں کم ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ چتا پر نہیں ہے۔ اس پر لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور سب لوگ اس بد نصیب لڑکی کی تلاش میں جنگل کی طرف بھاگے، جنگل سے گھسیٹ کر اسے دریا کے کنارے لائے اور ایک ڈونگی میں ڈال کر منجھدار میں لے گئے۔ وہاں اسے زبردستی دریا میں پھینک دیا، بے چاری کو ایک بار ڈوب کر پھر آنا نصیب نہیں ہوا۔(۲)

(۱)۔ ابن بطوطہ ر عجائب الأسفار، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۳۸۔۳۹۔

(۲)۔ عبداللہ یوسف علی ر انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، دوست ایسو ایٹس لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۲۳۴۔

"ستی" کی ظالمانہ رسم کے بارے میں تیور نیئر نے لکھا ہے!

"برہمن گائے کی دم کا بال بھی بیکار نہیں کرتے، لیکن ایک جیتے جاگتے انسان کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دیتے ہیں۔ برہمن عورت کو "ستی" کی ترغیب اس لئے دیتے تھے کہ اس کے جل مرنے کے بعد کے زیورات اور متروکہ سامان انہی کو ملتا تھا۔ بعض اوقات نوجوان بیوؤں کو ان کی مرضی کے خلاف گھسیٹ کر چتا پر لے جاتے تھے۔ جہاں انہیں رسیوں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ کہ مبادا آگ سے گھبرا کر بھاگ جائیں۔ جو عورت کسی حیلے بہانے سے آگ میں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی اسے ذات سے خارج کر کے چوہڑے چماروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔(۱)

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ سلاطین دہلی نے ایک قانون وضع کیا تھا جس کی رو سے حکومت کی حدود میں ایک بیوہ کو جلانے کے لئے اجازت نامہ لینا ضروری تھا۔ غالباً یہ قانون اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ کسی عورت کو زبردستی یا سماج کے دباؤ کے ذریعہ جلنے پر مجبور نہ کیا جا سکے۔ مغل شہنشاہ ہمایوں کے دور حکومت میں "ستی" کے ایسے تمام اقدامات پر پابندی عائد کر دی تھی۔ کوئی بھی عورت جو بچہ پیدا کرنے کی عمر سے آگے نکل چکی ہو "ستی" نہیں ہو سکتی تھی۔ خواہ وہ برضا و رغبت ہی خود کو ستی ہونے کے لئے پیش کیوں نہ کرے۔ یہ سماجی اصلاح کا بہت دلیرانہ اقدام تھا، ہندو مذہبی طبقہ اور عوام نے نہ اس کی شدید مخالفت کی اور نہ اس کے خلاف کوئی مظاہرہ ہوا۔ مگر ضعیف الاعتقاد بادشاہ کو یقین دلایا گیا کہ دوسرے لوگوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی اور ایک مقدس رسم پر پابندی لگانے سے اس پر خدا کا قہر نازل ہو گا اور اس کی حکومت کو زوال ہو گا اور شاید یہ اس کی اپنی موت کا باعث بھی بنے ان امور کی بناء پر شہنشاہ کو اپنے سابقہ احکامات منسوخ کرنے پڑے۔

☆☆(۱)۔ سید علی عباس جلالپوری، روایات تمدن قدیم ص ۲۳۶،

بہر حال اس سلسلہ میں عام احکامات پر عمل ہوتا رہا، کیونکہ بیوہ کو جلانے کے مواقع پر سلطان کے افسر ہمیشہ موجود رہتے تھے، تاکہ لوگ زبردستی ناراضامند بیوہ کو جلنے ''ستی'' پر مجبور نہ کر سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے ''ستی'' کے چند مشہور واقعات میں بذات خود دخل اندازی کی تھی اور بیواؤں کو جلنے سے بچالیا تھا۔(۱)

ہندوستان کا مشہور سیاح ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے!

''آجکل پہلے کی بہ نسبت ''ستی'' کی تعداد کم ہو گئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کو نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے امتناع کے واسطہ کوئی قانون مقرر نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی پالیسی کا یہ جزو ہے کہ ہندوؤں کے معاملات میں دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ مذہبی رسوم کے بجالانے میں انہیں آزادی دیتے ہیں۔ تاہم ''ستی'' کی رسم و رواج کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روک دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ''ستی'' نہیں ہو سکتی۔ اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ جب تک واقعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ عورت ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آئے گی۔ صوبہ دار بیوہ کو بحث و مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے۔ اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنے محل سرا میں بھیج دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اسے اپنے طور پر سمجھائیں مگر باوجود اس کے ''ستی'' کی تعداد اب بھی بہت ہے، خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار نہیں ہے۔(۲)

☆☆ (۱)۔ محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں ص ۲۵۷۔۲۵۸۔

(۲)۔ برنیر / وقائع سیر و سیاحت جلد دوم، ص ۱۷۲، بحوالہ عبداللہ فہد فلاحی / تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۵۰۔

"The Position of Women In Hindo Civilization"

کے مصنف اے۔ ایس الیٹکر (Dr. A.S. Alteker) کے مطابق
تیرھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک "ستی" کی رسم کو تحفظ حاصل رہا اور ان ادوار میں "ستی" کا وقوع یقینی ہے۔ تاہم اس مخصوص عہد میں "ستی" کے بارے میں متعینہ اعداد و شمار کا حصول ایک ناممکن امر ہے، اور یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ ہندو معاشرہ میں راجپوتانہ میں "ستی" کے اعداد و شمار دس فیصد تک ملتے ہیں، جبکہ مجموعی ہندو معاشرہ میں ہزار میں ایک بیوہ عورت کے "ستی" ہونے کا وقوعہ امر یقینی ہے۔

اس امر کے بھی ٹھوس شواہد ملتے ہیں کہ عوامی اور سرکاری سطح پر اس مذموم رسم کے خاتمہ کے لئے انیسویں صدی کے ربع اول تک (ماسوائے اسلامی عہد کے) کسی قسم کے اقدامات نہیں کیے گئے۔

جبکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ممبئی اور مدراس میں اس کے اعداد و شمار پچاس سے اوپر ملتے ہیں۔ پونا میں ۱۸۰۰ء سے ۱۸۱۲ء تک سالانہ اعداد و شمار بارہ سے اوپر ملتے ہیں۔(۱)

برٹش گورنمنٹ کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق "ستی" کی مذموم رسم سب سے زیادہ بنگال کے ہندو طبقہ میں رائج تھی اور اس کے واضح اعداد و شمار بنگال میں بکثرت ملتے ہیں۔ ذیل میں چند اعداد و شمار درج کیے جاتے ہیں۔

۱۸۱۵ء سے ۱۸۲۸ء تک "ستی" کے اعداد و شمار	
نام ڈویژن	اعداد و شمار (مجموعی تعداد)
کلکتہ ڈویژن	۵۰۹۹
پٹنہ ڈویژن	۷۰۹
بریلی ڈویژن	۱۹۳
بنارس ڈویژن	۱۱۶۵

☆☆

(1)-A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P.138

مندرجہ بالا اعداد و شمار یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ بنگال میں "ستی" کی رسم ہندوؤں میں مروّج تھی۔...... اس سلسلہ میں "ستی" کے خاتمہ کے لئے سخت سے سخت اور مؤثر اقدامات بھی اس کے خاتمہ کے لئے مؤثر نہ ہو سکے۔(۱)

بنگال کے مختلف اضلاع میں ۱۸۱۵ء سے ۱۸۲۸ء تک "ستی" کے سالانہ اعداد و شمار

سن	اعداد و شمار (مجموعی تعداد)
۱۸۱۵ء	۳۷۸
۱۸۱۶ء	۴۴۲
۱۸۱۷ء	۷۰۷
۱۸۱۸ء	۸۳۹
۱۸۱۹ء	۶۵۰
۱۸۲۰ء	۵۹۸
۱۸۲۱ء	۶۵۴
۱۸۲۲ء	۵۸۳
۱۸۲۳ء	۵۷۵
۱۸۲۴ء	۵۷۲
۱۸۲۵ء	۶۳۹
۱۸۲۶ء	۵۱۸
۱۸۲۷ء	۵۱۷
۱۸۲۸ء	۴۶۳

☆☆

(1)-A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P.139

مندرجہ بالا اعداد و شمار میں بنگال کے علاوہ یوپی، بہار، اڑیسہ، اور آسام کے اعداد و شمار بھی شامل ہیں۔(۱)

جبکہ ممبئی اور مدارس میں "ستی" کے اعداد و شمار بنگال کے مقابلہ میں تقریباً نصف ملتے ہیں۔(ایضاً)

مسلم حکمرانوں کی طویل جدوجہد اور ہندومت کے مذہبی طبقہ کے شدید احتجاج کے باوجود بالآخر لارڈ ولیم بینٹک نے ۴ دسمبر ۱۸۲۹ء کو "ستی" کی مخالفت کا قانون منظور کر لیا۔ اس کی رو سے بیوہ کو جلانا اور زندہ دفن کرنا (یعنی "ستی" کی ہر صورت) خلاف قانون اور فوجداری عدالتوں میں قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا۔(۲)

"ستی" کی رسم کے خاتمہ اور اس کے خلاف عملی اقدامات کے سلسلہ میں سب سے پہلے ریاست جے پور نے پہل کی۔(۳)

تاہم فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان کے مطابق برٹش گورنمنٹ کی جانب سے "ستی" کی ممانعت کے قانون کے نفاذ کے بعد اس ممانعت اور قانون کی مخالفت عورتوں کی طرف سے ہوئی اور ایک مدت تک وہ خفیہ طور پر اپنی جانیں قربان کرتی رہیں۔(۴)

گستاؤلی بان مزید لکھتے ہیں!

باوجود جنگ بہادر کی کوششوں کے عورتوں ہی کی مخالفت نے اس رسم "ستی" کو نیپال میں موقوف نہیں ہونے دیا۔(۵)

☆☆

(۱)۔ A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization, P.139

(۲)۔ عبداللہ یوسف علی / انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۳۵،

(۳)۔ A.S Alteker/ 1983, P.141.

(۴)۔ گستاؤلی بان / تمدن ہند ص ۴۰۷،

(۵)۔ ایضاً، حوالہ سابقہ۔

ہندومت کے بااثر حلقوں، مذہبی رہنماؤں اور خود عورتوں کی جانب سے شدید مخالفت کے باوجود ۱۸۲۹ء میں "رسم ستی" کی قانونی ممانعت کے بعد کیا ہندومت میں عورت کے مقام میں کچھ فرق ہوا اور کیا بیوہ عورت کا ہندو معاشرہ میں مقام بلند ہوا اسے کچھ حقوق نصیب ہوئے یا اس میں کچھ بہتری پیدا ہوئی؟

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں!

"اگرچہ مشکل کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اس کی ممانعت سے کوئی فائدہ ہوا۔ کیونکہ ہندو سماج میں بیواؤں کی حالت جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں نہایت ہی دردناک ہے۔(۱)

شوہر کی موت کے ساتھ ہی عورت کے سامنے دو راستے رکھے جاتے تھے یا تو وہ اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی اور "ستی" کہلاتی یا ساری عمر دکھ بھگتی، بیوہ کا سر منڈا دیتے تھے، وہ صرف صبح کے وقت روکھی سوکھی کھا سکتی تھی اور ہر وقت میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتی، لوگ اس کے سایہ کو بھی منحوس سمجھتے تھے۔ انہی مصائب سے نجات پانے کے لئے موت کو زندگی پر ترجیح دے کر عورتیں "ستی" ہو جاتی تھیں۔

اسی حقیقت کو گستاؤلی بان مسٹر ملاباری کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"ہندو کا مرنا اس کی بیوہ کے لئے ایسی مصیبت ہے جو ہر روز بڑھتی جاتی ہے، وہ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی اور تادم مرگ یہ مصیبت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا شمار انسانوں میں نہیں ہوتا، اس کی نظر منحوس سمجھی جاتی ہے، اور جس چیز کو وہ ہاتھ لگاتی ہے وہ نجس سمجھی جاتی ہے، اس ذلت اور رسوائی کی زندگی کو وبال سمجھتے ہوئے اسے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خیال کو ناپاک کردے یا ایک مصیبت اور تنہائی کی زندگی بسر کرے"۔(۲)

☆☆

(۱)۔ گستاؤلی بان رتمدن ہند ص ۴۷۱۔

(۲)۔ ایضاً، ص ۴۷۰۔

ہندو مورخ "راما شنکر ترپاٹھی" اپنی کتاب "قدیم ہندوستان کی تاریخ" میں "شودروں اور عورتوں کا درجہ" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے!

"عورتوں کا درجہ سماج میں ہر حیثیت سے اونچا نہیں تھا ......
عورت باپ کی جائیداد کی وارث ہو سکتی تھی، نہ اپنی کسی ذاتی جائیداد کی مالک بن سکتی تھی، اگر وہ تھوڑا بہت کچھ کماتی تو وہ باپ یا شوہر کے حق کے اندر واگزاشت ہو جاتا۔ لڑکی کی ولادت بدنصیبی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔(۱)

برہموں کے دور کا یہ مقولہ تھا کہ لڑکی اپنے ساتھ مصیبتیں لاتی ہے، لڑکا ساتویں آسمان کا نور ہے۔(۲)

جنوبی ہند کے گونڈ اور ماریا قبائل فصلیں بوتے وقت جوان لڑکی کو قربان کرتے تھے۔ اس لڑکی کو کھمبے سے باندھ دیتے اور قبیلے کے سردار باری باری اس پر خنجر کے وار کر کے اس کا بہتا ہوا خون کھیتوں میں چھڑکتے تھے۔(۳)

قدیم ہندوستان میں عورت کے مقام و مرتبہ کے متعلق تاریخی معلومات و دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے!

(Dr. A.S Alteker/ The Position of Women in Hindu Civilization. Moti Lal Banarsidass, Delhi, 1983,)

نیز ہندو معاشرہ میں "ستی" کی تاریخی، تہذیبی اور مذہبی حیثیت سے متعلق مفصل معلومات مذکورہ کتاب کے ص ۱۱۴ تا ص ۱۳۹ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

☆☆

---

(۱)۔ راما شنکر ترپاٹھی / قدیم ہندوستان کی تاریخ، مترجم: سید یحییٰ حسن نقوی، مطبوعہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء، ص ۷۶،

(۲)۔ محمد مجیب / تاریخ تمدن ہند، پروگریسو بکس اردو بازار لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۵۷،

(۳)۔ سید علی عباس جلالپوری / رسوم اقوام، مطبوعہ جہلم ۱۹۹۳ء، ص ۹۲،

عورت اور قدیم چینی تہذیب

عورت جس طرح تمام دنیا میں عزت و احترام سے محروم تھی۔ اسی طرح چین میں بھی محروم تھی ۵۹۳ء میں چین کے علماء، حکماء کا یہ خیال تھا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں نہایت حقیر و ذلیل ہے۔ اس کی تعظیم کرنا عزتِ نفس کے خلاف ہے۔ اس کا دل مکر و فریب عیاری و چالاکی و شقاوت و عداوت اور خود غرضی و خود ستائی سے معمور ہے اور وہ ایسے پھل کے مانند ہے جو دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن ذائقہ میں تلخ ہے۔(۱)

عاصم ابن شریق اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے!

جب میں نے چین کی سیاحت کی تو بعض اہل علم سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ۵۹۲ء میں چین میں یہ دستور تھا کہ نکاح کے بعد دلہن کا باپ ایک ریشمی کوڑا پہلے خود اپنی لڑکی کے مارتا تھا اور پھر وہ تازیانہ ہدایت اپنے داماد کے حوالہ کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ تم بھی اس سے یہی کام لیتے رہنا، اور اسی زمانے میں یہ بھی دستور تھا کہ نکاح کی مجلس میں دلہن کا باپ ایک رسمی تقریر کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ ”میں نے اپنے رحم کرم کے جذبے سے متاثر ہو کر اس لڑکی کو پرورش کیا ہے اور اس کی شادی کا فرض ادا کرتا ہوں۔ لیکن میں دنیائے معاشرت کے نووارد و مسافر (یعنی دولہا) سے یہ کہتا ہوں کہ عورت ایک پیکر فساد اور مجسمہ فریب ہے اس کی عیاریوں اور چالاکیوں سے باخبر رہنا ضروری ہے، اس کی محبت آمیز باتیں اور جذبات آفریں ادائیں قابل اعتبار نہیں۔ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ معصوم، بےگناہ بے زبان اور پیکر معصومیت ظاہر کرتی ہے لیکن حقیقت میں وہ ہستی جس کو عورت کہتے ہیں مکر و فریب کی حامی اور فتنہ و فساد محرک ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ سالہا سال تک صراط مستقیم پر قائم رہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی فطرت سے جنگ کرے، کیا عجب ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت اپنی فطرت

(۱)۔ ترجمہ: ہسٹری آف دی ورلڈ،

عیاریوں سے کام لے اور انسان کو تباہ کرنے میں کوئی کمی نہ کرے۔(۱)

ابن شریق نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح اہل اسلام میں نکاح کا خطبہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ۵۹۲ء میں چین کے باشندوں میں نکاح کے وقت مذکورہ بالا عبارت کا پڑھنا ضروری تھا اس سے یہ ظاہر ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں چین کے باشندے عورت کو حقیر نظروں سے دیکھتے تھے اور اس کے جذبات کا احترام ضروری نہیں سمجھتے تھے۔(۲)

چین کی قدیم تہذیب میں شہنشاہ کی موت پر اس کی کنیزیں بھی اس کے ساتھ مقبرے میں دفن کر دی جاتی تھیں تاکہ اگلے جہاں میں بھی وہ ان کے حسن و جمال سے تمتع کر سکیں۔...... قحط کے دنوں میں ماں باپ اپنے بچوں کو اونے پونے فروخت کر دیتے تھے۔باپ اس بات کا مجاز تھا کہ اپنی بیٹیوں اور سرکش بچوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالے۔(۳)

چینی مرد کو یہاں تک عورت پر حق تھا کہ وہ اپنی بیوی کو زندہ دفن کر دے۔(۴)

☆☆

(۱)۔سفر نامہ ابن شریق مطبوعہ بیروت،

(۲)۔حوالہ مسلمان بیوی کے حقوق و فرائض ص ۱۲،

(۳)۔سید علی عباس جلالپوری ر روایات تمدن قدیم ص ۲۷۹،

(۴)۔محمد بن احمد بن اسماعیل المقدم ر عودۃ الحجاب، القسم الثانی المرأۃ بین تکریم الاسلام و اہانۃ الجاہلیۃ، دار طیبہ الریاض ۱۹۹۱ء، ص ۵۲،

عورت اور مذاہبِ عالم

﴿الہامی مذاہب﴾

یہودیت میں عورت کے حقوق :

یہود جو اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی انحطاط کے ساتھ حرص و طمع کے لئے ہمیشہ سے مشہور چلے آ رہے ہیں ظاہر ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ انصاف کیسے کر سکتے تھے، جبکہ عورت پر کسی مالی نفع کے بجائے اس پر خرچ ہی کیا جاتا ہو۔

اس لئے ان کے ہاں بیٹیوں کا درجہ بیٹوں سے کم بلکہ نوکر چاکر سے بھی بدتر تھا، بھائیوں کی موجودگی میں اسے میراث کا حق نہ تھا، حتیٰ کہ باپ اسے فروخت بھی کر سکتا تھا۔

''لغزش آدمؑ اور خمار گندم'' کا سارا خمیازہ یہودیوں کی تاریخ میں عورت ہی کو بھگتنا پڑا، وہ عورت کو گناہ اور غلطیوں کا سر چشمہ قرار دیتے تھے۔ ان کے خیال میں (نعوذ باللہ) حواؑ شیطان کا آلۂ کار اور ازل کی گنہ گار تھیں، جن کی وجہ سے آدمؑ کو جنت ابدی چھوڑ کر زمین پر آنا پڑا۔

''ٹرٹیلین (Tirtulion) ایک موقعہ پر عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے!

> ''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم سب حواؑ کی بیٹی ہو، اس لئے خدا کا حکم تم پر آج بھی قائم ہے گا اور تمہارا جرم باقی رہے گا، تم ہی شیطان کا دروازہ اور شجر ممنوعہ کو استعمال کرنے والی، خدا کی پہلی مخالفت کرنے والی، تم ہی وہ ہو جنہوں نے خدائی مرقع اس آسانی کے ساتھ میٹ دیا۔''

یہودیوں کی نگاہ میں ہر عورت شیطان کی سواری اور وہ بچھو ہے جو ضروری

طور پر۔ ہر انسان کو ڈنک مارنے کی فکر میں رہتا ہے، عورتوں کے بارے میں ان کے یہ افکار و تصورات ان کے عقیدہ کا جزو بن چکے تھے۔

وہ اپنی مجلسوں میں سوال کرتے تھے کہ کیا عورتوں کو بھی مردوں کی طرح خدا کی عبادت کا حق ہے؟ کیا وہ بھی جنت اور آسمانی بادشاہت میں داخل ہو سکتی ہیں؟ کیا اس میں انسان کی ابدی روح پائی جاتی ہے؟ یہ سوالات آگے بڑھ کر مستحکم عقیدہ کی شکل اختیار کر گئے، جس کے نتیجہ میں ان کا یہ خیال بن گیا کہ وہ انسان نہیں بلکہ خدمت کے لئے ایک انسان نما حیوان ہے، لہذا اسے ہنسنے، بولنے اور عام مواقع پر گفتگو سے بھی روک دینا چاہئے، اس لئے کہ وہ شیطان کا دروازہ ہے۔(۱)

یہودیوں کی مستند "جیوش انسائیکلوپیڈیا" میں ہے کہ معصیت اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی، لہذا اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم۔ شوہر اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی مملوکہ۔(۲)

عیسائیت میں عورت کے حقوق:

عیسائیت میں عورت کے متعلق یہ غلط نظریہ قائم کر لیا گیا ہے کہ عورت آدمؑ کو جنت سے نکالنے کی ذمہ دار ہے۔ عیسائیت میں عورت کو بہکانے والی کی نظر سے دیکھا گیا ہے کہ یہ آدمؑ کو زمین پر لانے والی اور اس کی ذمہ دار ہے اور دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

بائبل میں آدم و حواؑ کے قصہ کے متعلق یوں تحریر ہے کہ حواؑ کو شیطان نے بہکایا اور اس نے آدمؑ کو(۳)

اس بناء پر عیسائیت میں عورت کو گناہ گار اور بدی کی جڑ قرار دیا گیا، اسے

☆☆

(۱)۔ شمس تبریز خان ر مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۸۔۱۸۹،

(۲)۔ ایضاً حوالہ سابقہ ص ۱۹۰،

(۳)۔ پیدائش رباب سوم،

ہر معیبت کا محرک، شیطان کے آنے کا دروازہ اور دوزخ کا راستہ بتایا گیا ہے، عورت کو دنیا کی ہر معیبت، بدی کی جڑ، دنیا پر لعنت ملامت نازل کرنے والی قرار دیا گیا ہے۔(۱)

عیسائیت کے ابتدائی دور کی ممتاز شخصیت ترتولیون (Tirtulion) عورت کے متعلق یہ نظریہ ظاہر کرتا ہے کہ!

''وہ شیطان کا دروازہ، شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، خدا کے خلاف ورغلانے والی، مرد کو غارت کرنے والی ہے(۲)

ایک اور عیسائی عالم کرائی سوسٹم (Chry Sostem) کہتا ہے!

''عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، غارت گردلربائی ایک راستہ معیبت ہے۔(۳)

مسیحی پیشواؤں کا فتویٰ:

''رومۃ الکبریٰ'' کا مشہور مذہبی راہبر ''قدیس جرنا'' اپنے ایک خطبے میں کہتا ہے!

''عورت'' امن کی دشمن ہے اور اُس بچھو کی مانند ہے جو ہر وقت نیش زنی کے لئے تیار رہتا ہے، تم اس کے ساتھ کتنی ہی محبت کرو، لیکن وہ اپنی فطری شرارتوں سے باز نہیں آسکتی، یہ ممکن ہے کہ ایک خاص وقت تک تمہاری نصیحت و صحبت کا اثر قائم رہے۔ لیکن ایک لمحہ ایسا ضرور آئے گا کہ وہ اپنی سرشت کے مطابق تم کو رنج و غم میں ڈال دے گی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دے، ذرا سوچو کہ ہمارے تمہارے باپ حضرت آدمؑ کس قدر عیش و آرام میں تھے، کیسی

☆☆

(۱)۔ محمد بن احمد بن اسمٰعیل المقدم ر عودۃ الحجاب ص ۵۲۔

(۲)۔ دکتور مصطفیٰ السباعی ر المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۔

(۳)۔ محمد بن احمد بن اسمٰعیل المقدم ر عودۃ الحجاب ص ۵۲۔

اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن افسوس کہ عورت نے ان کو فردوسی راحتوں سے محروم کر دیا۔ اور تکلیفوں کا ہدف بنایا یہ واقعہ ہم نے تصنیف نہیں کیا بلکہ خدا نے ہم کو بتایا ہے تاکہ ہم عورت کی بے پناہ شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ ہم اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ عورت ایک ایسا جادو ہے جس سے شیطان ہماری روحوں پر قبضہ کرتا ہے۔ اور ہماری نیک قوتوں کو تباہ کرتا ہے اگر ہم عورت کو شیطانی جاسوس کہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ محض عورت کی وجہ سے شیطان نے دنیا پر غلبہ حاصل کیا۔ اور دنیا کو گمراہ کیا۔ اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا مرکز امن سمجھی جاتی۔ اور اس کے رہنے والے لازوال مسرتوں سے شادمان ہوتے۔(۱)

"یوحنا کا قول ہے کہ" عورت دنیا کے تمام خطرناک درندوں سے زیادہ خطرناک درندہ ہے، میں اپنے مشاہدات کی بناء پر کہتا ہوں کہ شیر کے حملوں سے جتنے آدمی مرتے ہیں اور سانپ کے کاٹنے سے جتنے ہلاک ہوتے ہیں ان بچھو کی نیش زنی سے جتنے بے قرار ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے اور ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جو عورت کے مکر و فریب اور اس کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ پس ہم جتنی نفرت شیر اور بچھو سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ عورت سے کرنی چاہیئے کیونکہ وہ سب سے زیادہ خطرناک ہے اور سب سے زیادہ ایذا پہنچاتی ہے"۔

ان خیالات کا یہ اثر تھا کہ ۵۷۱ء عیسوی میں رومتہ الکبریٰ جیسے ترقی یافتہ مرکز روحانیت میں عورتوں کی حالت لونڈیوں سے بدتر تھی ان پر جانوروں کی طرح حکومت کی جاتی تھی اور یقین کیا جاتا تھا کہ اس طبقے کو آرام پہنچانا بنی نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔ جب کسی عورت سے کوئی قصور سرزد ہوتا تو اس کو ہولناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ شارع عام پر اس کو ذلیل کیا جاتا تھا۔ کیونکہ تمام مذہبی پیشوا اور حکماء فلاسفر اس امر پر متفق تھے کہ عورت فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ تاریخ رومتہ الکبریٰ، ار ۱۴۳،

(۲)۔ بحوالہ مسلمان بیوی کے حقوق و فرائض ص ۶۔ ص ۸،

یہ مسیحیت کے ابتدائی دور کے واقعات ہیں بعد کے ادوار میں مسیحیت نے مرد اور عورت کے جائز تعلق شادی اور نکاح کو ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیا اور عورت سے دور رہنے اور تجرد کی زندگی پر زور دیا۔ ممتاز عیسائی پادریوں کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے عورت سے دوری اور تجرد کے باعث ماؤں تک سے راہ فرار اختیار کر کے جنگلوں میں پناہ لی اور ماؤں سے صرف اس بنیاد پر کہ وہ عورت ہیں دوری اختیار کر لی۔(۱)

عورت کے متعلق مشہور عیسائی اکابر کلیسا کی آراء :

☆...... سینٹ برنارڈ کا قول ہے! عورت شیطان کا ہتھیار ہے۔

☆...... سینٹ انتھونی کا قول ہے! عورت شیاطین کے ہتھیاروں کی کان ہے۔

☆...... سینٹ بوناوینٹر کا قول ہے! عورت ایک بچھو ہے جو ڈسنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے، وہ شیطان کا نیزہ ہے۔

☆...... سینٹ سائیرین کا قول ہے! عورت وہ ہتھیار ہے جسے شیطان ہماری روحوں پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

☆...... سینٹ جیروم کا قول ہے! عورت شیطان کا دروازہ، ظلم کی شرکت، اور بچھو کا ڈنک ہے۔

☆...... سینٹ جان دمشقی کا قول ہے! عورت جھوٹ کی بیٹی ہے، دوزخ کی سپاہی اور امن کی دشمن ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان نے بہشت کو کھویا، تمام وحشی درندوں میں عورت سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆...... سینٹ گریگری کا قول ہے! عورت سانپ کا زہر رکھتی ہے اور اژدھے کا کینہ۔(۲)

عیسائی کلیسا کی ایک مجلس نے جو ۵۸۲ء میں مشہور عیسائی ہستی "ماکون" کی زیر سرپرستی منعقد ہوئی، متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ عورت نجات پانے والی روح

☆☆

(۱)۔ مصطفیٰ السباعی ر المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۲۰،

(۲)۔ محمد ثانی (حافظ) ر تجلیات سیرتؐ، ص ۲۱۱،

خالی ہے اور وہ روح نہیں رکھتی۔(۱)

غیر الہامی مذاہب

ہندومت میں عورت کے حقوق:

نامور عرب محقق "عباس محمود عقاد" ہندو معاشرہ اور مذہب میں عورت کے مقام سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں!

"ہندوستان میں "منو" (۲) کے قانون کے مطابق باپ شوہر یا دونوں کی وفات کی صورت میں بیٹے سے علیحدہ عورت کا کوئی مستقبل نہیں اور کوئی حق نہیں، چنانچہ عورت بچپن میں باپ کی مطیع ہوتی ہے، جوانی میں شوہر کی، اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی، اگر بیٹے بھی نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی۔ لہٰذا عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ وہ خود مختار زندگی گزار سکے۔

وہ کسی معاملے میں بھی خود مختار نہیں، معاشی حالات میں اس کی حق تلفی سے بھی زیادہ سخت امر یہ تھا کہ شوہر کے مرنے کے ساتھ ہی مر جانا اور اس کی "چتا" پر "ستی" ہو جانا ضروری تھا۔

ہندوؤں کے ایک قانون کے تحت تقدیر، طوفان، موت، زہر، زہریلے سانپ بھی اس قدر برے اور خراب نہیں جتنی کہ عورت بری ہے۔(۳)

انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس (Encyclopedia of Rele-gion & Ethics) کا مقالہ نگار عورتوں کے بارے میں ہندوؤں کے نظریات ☆☆

(۱)۔ اسماعیل المقدم / عودۃ الحجاب، ص ۵۲، و عباس محمود عقاد / المرأۃ فی القرآن، دار الکتب العربی بیروت، ۱۹۶۷ء، ص ۷۶،

(۲)۔ "منو" کوشل خاندان کا بادشاہ تھا، اس نے ہندو قوم کے لئے ۸۸۰ قبل مسیح میں ہندوستان کے معاشرتی و عائلی قوانین کی تدوین کی جسے "منوسمرتی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆...... "منوسمرتی" ہندوستان کی سب سے قدیم قانون کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ (چوہدری غلام رسول ایم اے / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۱۴۲،

(۳)۔ عباس محمود عقاد / المرأۃ فی القرآن، ص ۷۳،

کے متعلق لکھتا ہے!

''عورت کبھی آزاد نہیں ہو سکتی، وہ میراث نہیں پا سکتی، شوہر کی وفات کے بعد اسے اپنے سب سے بڑے بیٹے کے ماتحت زندگی گزارنی ہو گی۔''(۱)

چانکیہ برہمن جس نے ہندوؤں کے مقنن منو مہاراج کی ''منوسمرتی'' کو حشو وزوائد سے پاک کیا عورت کے متعلق لکھتا ہے!

''جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی، یہ عورت کے کرداری عیوب ہیں''۔

ہندو وکیل بھگت رام کی رائے ملاحظہ کیجئے!

''جس طرح درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح قوموں کے تمدن اور تہذیب پر ان کے رسم ورواج کا اثر ہے۔ ہندو دھرم میں مردوں کے حقوق نہایت احتیاط کے ساتھ تمام معاملات میں محفوظ کر دئے گئے ہیں، مگر ایک افسوسناک امر یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کی گئی۔ نہایت رنجیدہ بات ہے کہ قدیم ہندو دھرم کی بناء پر عورت کو جائیداد سمجھا گیا ہے یا ایک ایسی ہستی جو مرد سے عقل اور اخلاق کی بناء پر نہایت کم درجہ ہے۔ اس لئے ہندو شاستروں کا زور عورت کے فرائض پر ہے حقوق پر نہیں، اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہندو سوسائٹی میں عورت کا کوئی حصہ نہیں، عورت کی پیدائش سے لے کر وفات تک تمام افعال زندگی، مشکلات اور مصائب بلکہ زندگی کے معمولی مقتضیات کھانے پینے، جاگنے سونے، غسل کرنے، باہر کے معمولی کاروبار میں مرد کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اسے عورت کے لئے نمبر ۴ خدا بنا دیا گیا ہے۔''(۲)

عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی، عورتوں کے دل حقیقت میں۔(۳) بھڑوں کی بھٹ ہیں ''اندر'' نے خود کہا ہے کہ عورت کا دل استقلال سے

☆☆

(۱)۔ Encyclopedia of Relegion & Ethics, Vol.V, P-271

(۲)۔ چوہدری غلام رسول ایم اے، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ص ۱۲۱،

(۳)۔ رگ وید منڈل (۱۰) سوکت ۹۵، منتر ۱۵،

خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے ایک نہایت ہلکی چیز ہے۔(۱)

عورت اور شودر دونوں کو نرد ھن (جائداد) سے محروم قرار دیا گیا ہے۔(۲)

لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں۔(۳)

کسی عورت کو خاوند سے حکومت نہیں مل سکتی۔(۴)

اگر کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی طرف سے جائیداد ملتی ہے تو اسے جائیداد کی خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہیں۔(۵)

اولاد کے ہوتے ہوئے بھی بیٹی وارث نہیں بلکہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) وارث ہوتا ہے۔(۶)

معاشرتی اور قانونی مقام :

خلع کی ممانعت ہے، خاوند خواہ کیسا ہی بے رحم اور ظالم ہو، دائم المریض ہو مگر عورت کو اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں۔(۷)

نکاح ثانی کی ممانعت ہے، کیونکہ جائیداد بلاوجہ دوسرے کے قبضہ میں نہیں جاسکتی۔(۸)

عورت کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں اور ان کی پرورش کریں اور

☆☆

(۱)۔رگ وید منڈل (۸) سوکت ۳۳، منتر ۱۷،

(۲)۔یجر وید ادھیا ۸، منتر ۵، منو ر ادھیا ۸، شلوک ۴۱۶، ادھیا ۹، شلوک ۱۹۹،

(۳)۔اتھر وید کانڈ (۱)، سوکت ۱۷، منتر (۱)، یجر وید ۸ / ۵، نرکت ۳، ۴، منو، ۹ / ۱۹۹،

(۴)۔اتھر وید کانڈ (۱)، سوکت ۱۷، منتر (۱)،

(۵)۔ایضاً حوالہ بالا،

(۶)۔منو ر ادھیا ۹،

(۷)۔منو ر ۵ / ۱۵۱،

(۸)۔ایضاً حوالہ بالا

ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں۔(۱)

کسی لڑکی، نوجوان عورت یا بوڑھی عورت کو کبھی گھر میں بھی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہئے، بچپن میں عورت کو باپ کا تابع رہنا چاہئے، جوانی میں شوہر یا بیٹوں کا، اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے تو اپنے اور اپنے شوہر دونوں کے خاندان پر بدنامی کا دھبہ ڈالے گی۔(۲)

ہندومت میں عورت کی عائلی و قانونی حیثیت کے متعلق مزید تفصیلات اور معلومات کے لئے ہندومت کی معاشرتی، عائلی اور قانونی دستاویز "ارتھ شاستر" آچاریہ کوتلیہ چانکیہ، مترجم: ناشر محمد اسماعیل ذبیح ٹکساس پرنٹرز کراچی مطبوعہ ۱۹۹۱ء کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مذہبی مقام:

عورت کے لئے مذہبی تعلیم کی ممانعت ہے۔(۳)

مرد اور عورت دونوں کے لئے نجات کے الگ الگ راستے ہیں، مرد اپنے زور بازو سے مکتی مارک (راہ نجات) پکڑ سکتا ہے۔ مگر عورت کی نجات خاوند پر مرشد سے ہی ہو سکتی ہے، وہ براہ راست خدا سے نجات حاصل نہیں کر سکتی۔(۴)

عورت اور شودر کو پاپ یونی (گناہ کا ذریعہ) قرار دیا گیا ہے۔(۵)

اگر شوہر بد چلن اوصاف حمیدہ سے خالی ہو اور عیاش بھی ہو تب بھی بیوی کو چاہئے کہ دیوتا کی طرح اس کی پرستش کرے، جو بیوی شوہر کے فرائض کو پورا نہ کرے وہ مرنے کے بعد رسوا ہو گی اور گیدڑ کے پیٹ میں جنم لے گی، اس گناہ

☆☆

(۱)۔ منو شاستر باب ۹/ ۲۷،

(۲)۔ منو شاستر باب ۵/ ۱۴۷، ۱۴۸،

(۳)۔ منو ۹/ ۱۸،

(۴)۔ منو ۲/ ۶۶، ۵/ ۱۵۵، ۹/ ۱۸

(۵)۔ گیتا ادھیا ۹، شلوک ۳۲،

پاداش میں وہ انواع واقسام کے امراض میں مبتلا ہوگی۔(۱)

مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے تمدن ہند ص ۴۱۴ تا ص ۴۱۷ ر ڈاکٹر گستاؤلی بان مترجم: مولوی سید علی بلگرامی مطبوعہ بک لینڈ کراچی ۱۹۶۲ء۔

''منوسمرتی'' میں عورت کی تحقیر کے حوالہ سے جو تنبیہات کی گئی ہیں ان کے مطابق ا

جھوٹ بولنا عورت کی فطرت کا خاصہ ہے۔(۲)

عورت کی عقل کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی، لہذا اس کی گواہی مقبول نہیں۔(۳)

عورت کا کوئی الگ یگیہ ہے نہ عبادت نہ برت، خاوند کی سیوا کرنا ہی اس کا پریم دھرم ہے۔(۴)

چنڈال، مرغ، کتا، حیض والی عورت اور نامرد یہ سب کسی برہمن کو بھوجن کرتے نہ دیکھیں۔(۵)

حیض والی عورت کا پکایا ہوا یا چھوا ہو کھانا نہ کھایا جائے۔(۶)

عورت کے لئے قربانی جائز ہے نہ برت، صرف شوہر کی اطاعت کافی ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد اس پر لازم ہے کہ کسی صورت دوسری شادی نہ کرے، تمام عمر بیوہ رہے اور بہت کم غذا پر اپنی زندگی گزارے۔(۷)

''چانکیہ برہمن'' جس نے ''منوسمرتی'' کو حشو وزوائد سے پاک کیا اور جس

☆☆

(۱)۔منوشاستر باب ۵ر ۱۵۴، ۱۶۴،

(۲)۔منوسمرتی ار ۱۷،

(۳)۔ایضا، ار ۷۸،

(۴)۔ایضا، ۵ر ۱۵۵،

(۵)۔ایضا، ۳ر ۲۳۹،

(۶)۔ایضا، ۴ر ۲۱۴

(۷)۔منوسمرتی ۶ر ۱۵۵، ۱۵۶، (حوالہ ایم ایس ناز ر اسلام میں عورت کی قیادت، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۴۵،

کی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا دستور العمل رہیں، اس کے ضابطہ اخلاق میں ہے!

دریا، سینگ دار جانور، بادشاہ اور عورت نا قابل اعتبار ہیں۔

یہ سات عیب عورت میں جبلی طور پر پائے جاتے ہیں، جھوٹ، فریب، بے وفائی، طمع، ناپاکی، بے رحمی، اور بے سوچے سمجھے کام کرنا۔

عالموں سے شیریں کلام، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے عیاری سیکھنا چاہئے۔

آگ، پانی، سانپ اور عورت چاروں موجب ہلاکت ہیں۔

اعلیٰ خاندان کی لڑکی خواہ بد صورت ہو اس سے شادی کرلو اور ادنیٰ خاندان کی حسین تر لڑکی کو ٹھکرا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱)

جین مت میں عورت کے حقوق :

جین مت (۲) عورت کا مقام "جین شاستروں" سے معلوم ہوتا ہے۔

جین شاستروں میں عورت کی مٹی بری طرح پلید کی گئی ہے۔

مہابیر سوامی عورت کو تمام برائیوں کی جڑ گردانتے تھے، ان کا کہنا تھا مردوں کے گناہوں کا سبب عورت ہی ہے۔ عورت سب سے بڑی آزمائش ہے۔ انسان کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ مرد کو چاہئے کہ عورت سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھے، اس کی طرف دیکھے، نہ بات کرے، اور نہ ہی اس کا کوئی کام کرے۔

☆☆

(۱)۔ حوالہ سابقہ ص ۴۵،

(۲)۔ جین مت ہندوستان کا مشہور مذہب جس کی اساس چھٹی صدی عیسوی میں رکھی گئی۔ جین مت ہمیشہ ہندوستان تک محدود رہا، موجودہ زمانہ میں گجرات میں جین مت کے پیرو ہیں اور گجرات جین مت کے مرکز کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔ (مزید تفصیلات اور جین مت کے متعلق معلومات کے لئے دیکھئے چوہدری غلام رسول ایم اے، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ص ۲۲۲۔ ۲۲۵)

جینی تو عورت کو اس قدر حقیر سمجھتے ہیں کہ ان کے خیال میں عورت کی نجات بھی مشکل اور مشروط ہے۔بار تھ رقم طراز ہے کہ!

جینیوں کا عقیدہ ہے کہ عورتیں موکش (نجات) حاصل نہیں کر سکتیں۔

ڈاکٹر مسز سٹیوسن کے بقول!

جب تک ▪ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے دوسرے جنم میں مرد نہ بن کر آئیں۔(۱)

بُدھ مت میں عورت کے حقوق :

ہندو مت کے بعد "بدھ مت" کو عروج حاصل ہوا اور یہ ہندوستان سے نکل کر سری لنکا، برما، جاپان اور چین تک جا پہنچا۔

"بدھ مت" کے تاریخی مطالعہ سے عورت کو کوئی مقام حاصل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس عورت سے نفرت اور اس کی تذلیل ▪ تحقیر کے ثبوت ملتے ہیں۔

"بدھ مت" میں عورت کے متعلق نظریات کا ایک نمونہ "انسائیکلوپیڈیا آف ریلی جن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Relegion and Ethics) کے مقالہ نگار نے ایک بُد▪ مفکر چھلاواگا (Chulla Wagga) کے قول سے پیش کیا ہے جسے اولڈ برگ نے اپنی کتاب "بدھا" (Buddha) مطبوعہ ۱۹۰۷ء ص ۱۶۹، پر نقل کیا ہے کہ!

"پانی کے اندر مچھلی کی ناقابل فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں"۔(۲)

☆☆

(۱)۔ایم ایس ناز اسلام میں عورت کی قیادت ص ۴۴،

(۲)۔Encyclopedia of Relegion & Ethics. Vol.V P-27`

بدھ مت کی تعلیمات اور عقائد کے مطابق عورت کی ذات مذہبی فرائض کی ادائے گی میں حائل ہوتی ہے اور ملتی اور نجات کے حصول کے لئے اس سے دوری ضروری ہے۔ عورت نجات کے حصول میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

انہی خیالات کا عکس "گوتم بدھ" کی تعلیمات وتلقیات میں نظر آتا ہے۔

گوتم بدھ نے اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ!

"اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنی عورتوں سے تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔ چنانچہ موصوف خود بھی اس نظرئے پر عمل پیرا ہوئے، بدھ نے اپنی چہیتی بیٹی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

"بدھ مت" کے فلسفہ کے مطابق مجرد زندگی نجات کے حصول کا سب سے بڑا اور منفرد ذریعہ ہے اور عورت سے تعلق تباہی اور نجات سے دوری کا راستہ ہے۔

"بدھ مت" جو ایک مشہور و معروف مذہب ہے جس کی تعلیم مساوات پر مبنی بتائی جاتی ہے اور جس کے ہاں برہمن، شودر، امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ اور بلند و پست سب برابر ہیں اور جو پریم شانتی کا حامی ہے وہ بھی عورت کے حق میں رحم دل نہیں ہے۔ مہاتما گوتم بدھ ایک "دیاکھیان" میں کہتے ہیں :-

"عورتوں سے میل جول مت رکھو، عورت مرد کے لئے خطرناک مصیبت ہے، اس کی طرف دیکھنا بھی پرہیزگاری کے خلاف ہے، عورت مجسم فریب ہے، وہ اپنی عیاریوں سے مردوں کے ایمان کو خراب کرنا چاہتی ہے، تم سے جہاں تک ہو سکے اس کی شرارتوں سے بچو۔"

آسما کا سدھار چاہنے والو! میں تم سے کہتا ہوں کہ عورت روحانی ترقیوں کے لئے سدِ راہ ہے۔ عورت کی طرف التفات کر کے اکتساب روحانیت ناممکن ہے۔

مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات کو پڑھ کر ایک عرصہ دراز تک ان کے ماننے والے شادی کی مخالفت اور رہبانیت کی تبلیغ کرتے رہے، لیکن یہ طرز عمل فطرت

انسانی کے خلاف تھا۔ اس لئے کامیابی سے محروم رہا۔ آج بدھ مت کے ماننے والے خود ان تعلیمات کے مخالف ہیں۔(۱)

عورت کے متعلق غیر مسلم دنیا

کی مشہور ضرب الأمثال:

☆ روسی ضرب المثل! دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔

☆ اطالوی ضرب المثل! گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔

☆ ہسپانوی ضرب المثل! عورت تیرا دوسرا نام کمزوری ہے۔

☆ قدیم ایرانی ضرب المثل! عورت کا دوسرا نام بے وفائی ہے۔

☆ چینی ضرب المثل! اپنی بیوی کی بات تو سننا چاہئے لیکن اس پر یقین ہر گز نہیں کرنا چاہئے۔(۲)

☆ ہندوستانی ضرب المثل! دبد ہوں کا بگولا، شوخی کا مسکن، بے باکی کی نگری، گناہوں کا مخزن، ہزار مکاریوں کا محل، بدگمانیوں کا ڈیرا، یہ پٹاری، جس میں ہر قسم کا جادو منتر بھرا ہے۔ یہ معمہ جس کے حل کرنے میں بڑے سے بڑے اور نامور سے نامور مرد قاصر ہے۔ یہ کل جس کا نام عورت ہے یہ امرت ملا ہوا زہر جس کو دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا کہ پارسائی کو میٹ دے۔(۳)

---

(۱)۔ حوالہ مسلمان میاں بیوی کے حقوق و فرائض ص ۲۹،

(۲)۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان ر تمدن عرب ص ۲۷۷،

(۳)۔ ایضاً، ص ۲۱۷،

عورت اور جدید مغربی تہذیب

تحریک حقوق نسواں اور نظریہ

مساوات مرد و زن ﴿آغاز وارتقاء﴾ :

مغرب میں مساوات مرد و زن کا نظریہ سب سے پہلے برطانیہ کے ایک دہریہ فلسفی، جو کہ ناول نگار بھی تھا، کی بیوی میری وولسٹون کرافٹ Mary Woll-stone Craft نے اپنی کتاب "حقوقِ نسواں" Vindication of the Rights of Women میں پیش کیا تھا، یہ کتاب ۱۷۹۲ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ :

"Women should receive the same treatment as men in education, work opportunities and politics and that the same moral standards should be applied to both sexes."

"تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کی وہی حیثیت تسلیم کی جائے جو حیثیت مردوں کو حاصل ہے اور دونوں صنفوں کے لئے اخلاقی معیار بھی یکساں ہونا چاہئے۔"

آگے چل کر جان سٹورٹ مل John Stuart Mill اور اس کے ہم خیال لوگوں نے "مساواتِ مرد و زن" کے حق میں دلائل فراہم کرنے شروع کئے۔ جلد ہی یہ تحریک یورپ اور پھر امریکہ میں پھیلنے لگی۔ زندگی کے ہر شعبے میں مساوات کا یہ نظریہ ایک ترقی پسندانہ نعرے Slogan کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جس کے خلاف کوئی بات کرنا گویا پس ماندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔(۱)

☆☆

(۱)۔ محمد رفیق چودھری؍ اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زنؒ، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۷۔

تحریک حقوقِ نسواں کے مختلف ادوار :

اُدھر امریکہ میں خواتین نے اپنے "حقوق" حاصل کرنے کے لئے جو تحریک چلائی اس کے تین ادوار ہیں :

۱...... پہلا دور وہ ہے جسے حقوقِ نسواں کی تحریک کا ابتدائی دور Early Women Rights movement کہا جاتا ہے۔

۲...... دوسرا دور وہ ہے جسے خواتین کی سفریجی تحریک The sufferage Movement کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۲۵ء تک کا دور ہے

۳...... تیسرا اور جدید دور "تحریکِ حقوق نسواں کا دورِ جدید، Current Women`s Rights movement کہلاتا ہے۔ یہ دور اسی صدی میں شروع ہوا اور تاحال جاری ہے۔

امریکہ میں شادی شدہ خواتین نے اُنیسویں صدی کے شروع میں دفتروں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرنا شروع کیا۔ اس سے پہلے وہ صرف گھریلو امور سرانجام دیتی تھیں۔

منشور حقوقِ نسواں

قرارداد و مطالبات :

امریکی خواتین کی تحریک میں اس وقت جوش و خروش پیدا ہوا جب ۱۸۴۸ء میں نیویارک کے قریب "سینیکا فالز" Seneca Falls کے مقام پر حقوقِ نسواں کے لئے ایک ملک گیر کنونشن منعقد ہوا۔ اسی کنونشن میں شریک خواتین نے اپنا مشہور و معروف، "جذبات کا منشور" Declaration of Senti-menta پیش کیا۔ یہی منشور بعد میں خواتین کی تمام سماجی سرگرمیوں کی بنیاد بنا۔

اس منشور کا خلاصہ یہ تھا :-

"خالق نے مرد اور عورت کو یکساں طور پر پیدا کیا ہے اور دونوں کو بنیادی حقوق عطا کئے ہیں جن میں حفظِ جان، آزادی اور حصول مسرت کے حقوق شامل ہیں۔ انہی حقوق کے تحفظ کی خاطر حکومتیں بنائی جاتی ہیں جو رعایا کی مرضی سے اقتدار میں

آتی ہیں اگر کوئی حکومت عوام کے بنیادی حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتی تو اُسے بدل کر نئی حکومت قائم کر لی جاتی ہے جو لوگوں کو حق و انصاف مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

موجودہ حکومت کے عہد میں عورت بہت مظلوم ہے، اس لئے وہ حکومت سے جائز طور پر یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسے بھی مرد شہری کے برابر مقام و مرتبہ دیا جائے۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ عورت ہمیشہ مرد کے ظلم و ستم کا شکار رہی ہے۔ آج بھی عورت کی یہ حالت ہے کہ موجودہ جمہوری نظامِ سیاست میں اُس کی کوئی آواز اور شنوائی نہیں۔ اُسے عوامی نمائندگی کا حق حاصل نہیں ہے۔ مرد اپنی مرضی سے حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے عورتوں کے خلاف قانون سازی کرتے ہیں اور عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ مردوں کے بنائے ہوئے یک طرفہ اور من مانے قوانین کی پابندی کریں۔ ملک کے جاہل اور گنوار مردوں کو وہ حقوق حاصل ہیں جن سے عورتیں بالکلیہ محروم ہیں۔ معاشرے میں ہر شادی شدہ عورت زندہ در گور ہے۔ اُسے ملکیت کا حق حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ جو کچھ وہ خود کمائی کرتی ہے وہ بھی اس کا اپنا نہیں ہے۔ اُس کی کمائی کا مالک بھی اس کا شوہر ہوتا ہے۔ شادی کرتے وقت عورت سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کے جائز و ناجائز حکم کو مانے گی۔ اس معاشرے میں عورت کو عورت کی حیثیت سے کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کے حقوق کا تعین کرنا مردوں کا کام ہے اور وہ عورت کو اس کے ہر جائز حق سے محروم رکھتے ہیں۔ جس عورت کا شوہر نہیں ہے اور اس کے پاس اگر کچھ جائیداد ہے تو مردوں کی حکومت اس سے صرف یہ سروکار رکھتی ہے کہ اُسے کتنا ٹیکس وصول کرنا ہے۔ تمام اچھی ملازمتوں پر مردوں کی اجارہ داری ہے۔ عورتوں کو مردوں سے کم تنخواہ دی جاتی ہے۔ دولت اور عزت و حیثیت کے تمام مواقع صرف مردوں کو حاصل ہیں۔ آج ایک عورت بھی مذہبی معلم، ڈاکٹر یا قانون دان نہیں ہے۔ اُسے کالجوں میں داخلہ نہیں مل سکتا اور وہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں جا کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ مذہب کا میدان ہو یا سیاست کا عورت صرف ماتحت اور محکوم ہے۔ عورت

اور مرد کے اخلاق کے لئے دوہرا معیار رکھا گیا ہے۔ کسی اخلاقی برائی کی صورت میں مرد سے زیادہ عورت کو بدنام کیا جاتا ہے۔ ان حالات میں عورت کی صلاحیتیں تباہ کی جارہی ہیں اور اُس سے اُس کی خود اعتمادی چھین لی گئی ہے۔ اس کی عزتِ نفس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، ذلت و محکومیت اس کا مقدر بن چکی ہے۔

اس ملک میں ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں مذہبی اور معاشرتی طور پر ذلیل و خوار کیا گیا ہے۔ ہم مظلوم ہیں، ہمارا استحصال ہو رہا ہے۔ ہمیں ہمارے جائز حقوق نہیں دیئے گئے۔ اب ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں امریکہ کے مرد شہریوں کے برابر اور مساوی حیثیت دی جائے۔"

پھر اسی منشورِ جذبات" کے آخر میں مندوب عورتوں نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا:-

"ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے پیشِ نظر مقصد کے حصول میں ہمیں بہت سی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن ہم ہمت نہیں ہاریں گی، ہم جائز ذرائع اور پرامن طریقے سے اپنی مہم جاری رکھیں گی۔ اور اس کنونشن کے بعد پورے ملک میں جگہ جگہ کنونشن منعقد کریں گی تاکہ رائے عامہ ہموار کرسکیں اور حکومت سے اپنے جائز مطالبات منوالیں۔"(۱)

منشور حقوق نسواں - نتائج و ثمرات:

اس طرح مظلوم اور استحصال زدہ امریکی عورت نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ جس کے نتیجے میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ خواتین کے لئے بہت سے شہری حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ اُسے ووٹ دینے اور ذاتی ملکیت رکھنے کا قانونی حق دیا گیا۔ وہ عملی طور پر سیاست میں بھی حصہ لینے لگی۔ بہت سے کاموں میں اُسے مرد کے برابر معاوضہ ملنے لگا۔ ملکی آئین و قانون میں مرد اور عورت سے جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا اور دونوں کے لئے یکساں قوانین اور مساوی حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ مرد اور عورت کا دوہرا اخلاقی معیار ختم ہوا۔ عورت کو طلاق دینے

☆☆(۱)۔ ایضاً ص ۱۹، ص ۲۰۔

کا حق حاصل ہو گیا۔ ان اصلاحات سے عورت کی عزت اور اس کے احترام میں اضافہ ہوا اور وہ مرد کے شانہ بشانہ ہر جگہ کام کرنے لگی۔ اب اس میں خود اعتمادی آگئی اور وہ آزادانہ فضا میں خود کو واقعی آزاد محسوس کرنے لگی۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مساواتِ مردوزن کا یہ تصوّر بھی عورت کے دکھوں کا مداوا ثابت نہ ہوا۔ وہ آج بھی اُسی طرح دکھی اور مظلوم ہے جس طرح آج سے تین سو برس پہلے دُکھی اور مظلوم تھی۔ اُس کی نئی آزادی کو ایک نئی غلامی نے ڈس لیا ہے۔ اُس کے لئے بعض جدید اور پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں "مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں" لکھ دینے سے عورت کے مسائل حل نہیں ہوئے، بلکہ اس کی مظلومیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

مغربی عورت نے اپنے جن مسائل کو حل کرنے کی خاطر آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگایا تھا۔ اُسی آزادی کے نتیجے میں اُس کے لئے بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ جو عورت پہلے سے شوہر کی محکوم و خادم تھی۔ اب اُسے کسی کمپنی، دفتر، کارخانے اور حکومت کا خادم محکوم بھی بننا پڑا۔ جس پر اس سے پہلے صرف گھر سنبھالنے کا بوجھ تھا اور اسے وہ ناقابلِ برداشت سمجھتی تھی۔ اب اسے گھر کے بوجھ کے ساتھ ساتھ فکرِ معاش کا دوہرا بوجھ بھی اٹھانا پڑا۔

اس مخلوط معاشرت کے ماحول میں عورت اپنی نسوانیت کھونے لگی، چنانچہ ژول سیمان نے آزادیٔ نسواں کے ایک زبردست حامی، نورویہ کی تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے ریویو آف ریویوز میں اپنے وقت کی عورتوں کو یہ انتہائی مخلصانہ مشورہ دیا کہ :-

"عورت کو چاہئے کہ وہ عورت رہے، ہاں عورت کو چاہئے کہ وہ عورت رہے۔ اسی میں اس کے لئے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اسے سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ یہی قدرت کا قانون ہے۔ یہی قدرت کی ہدایت ہے۔ (۱)

☆☆

(۱)۔ محمد رفیق چوھدری/ اسلام اور نظریہ مساوات مردوزن، ص ۲۱۔

حقوق نسواں کی عالمی بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ء

﴿تعارفی و تنقیدی جائزہ﴾

(ڈھاکہ سے بنگلہ زبان میں شائع ہونے والے اسلامی تحقیقی رسالہ ماہنامہ "پرتھیوی" (العالم) کے نومبر ۱۹۸۳ء کے شمارے میں شہید مبین کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں بیجنگ میں منعقدہ خواتین عالمی کانفرنس کے بارے میں ایک تجزیاتی رپورٹ پیش کی گئی ہے۔ ماہنامہ دعوۃ کے قارئین کے لئے اس مضمون کو لطف الرحمٰن فاروقی، ریسرچ ایسوسی ایٹ دعوۃ اکیڈمی نے اردو زبان میں منتقل کیا ہے)۔

"برابری، ترقی اور امن کے لئے لائحہ عمل" کے بنیادی موضوع کے تحت ۴ تا ۱۵، ستمبر ۱۹۹۵ء کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بیجنگ میں چوتھی عالمی خواتین کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے انعقاد سے قبل ۳۰ اگست کو بیجنگ ہی کے مضافات ہویرو میں خواتین سے متعلق این جی اوز فورم کی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

اس چوتھی عالمی کانفرنس برائے خواتین میں دنیا کے تمام خطوں کی خواتین کے مسائل صحیح طور پر پیش کرنے کی غرض سے انڈونیشیا، ارجنٹینا، آسٹریا، اردن، اور سینیگال میں بھی علاقائی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ان کانفرنسوں کو چوتھی عالمی کانفرنس برائے خواتین کے سلسلے میں پیشگی تیاری سے متعلق اجتماعات قرار دیا جاتا ہے۔

مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ۱۹۹۴ء میں عالمی آبادی اور ترقی سے متعلق جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں تمام ترقیاتی عمل کی بنیاد کے طور پر آزادیٔ خواتین کے تحفظ پر زور دیا گیا تھا۔

بیجنگ کانفرنس سے قبل خواتین کی تین عالمی کانفرنسیں منعقد ہو چکی تھیں۔ پہلی کانفرنس ۱۹۷۵ء میں میکسیکو (امریکہ) میں، دوسری ۱۹۸۰ء میں کوپن

ہیگن (ڈنمارک) میں، اور تیسری ۱۹۸۵ء میں نیروبی (کینیا) میں منعقد ہوئی تھی۔ مگر ۱۹۹۵ء میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس جیسی وسیع پیمانے پر کانفرنس ماضی میں کبھی منعقد نہیں ہوئی تھی۔ بیجنگ کانفرنس میں دنیا بھر کے ۱۸۰ ممالک سے تقریباً ۳۰ ہزار مندوبین شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کے انعقاد پر ۷۰ کروڑ چینی ین یعنی ۸ کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر خرچ آیا، جس میں این جی او فورم کانفرنس کے اخراجات شامل نہیں ہیں۔ جس کے شرکاء کی تعداد تقریباً سترہ ہزار تھی۔ یاد رہے کہ این جی اوز کانفرنس کی مرتب کردہ سفارشات اصل کانفرنس کے لئے خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

بیجنگ میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس کے حوالے سے ڈھاکہ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی، کیونکہ سارک کے دو ممالک یعنی بھارت اور بنگلہ دیش کو فوکل پوائنٹ بنایا گیا تھا۔ اب تک منعقد ہونے والی خواتین کی عالمی کانفرنسیں انتہائی بدنظمی کی حالت میں شور شرابے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی پر ختم ہوئیں۔ پہلی عالمی خواتین کانفرنس ترقی پذیر دُنیا کی خواتین کے مندوبین کے واک آوٹ پر ختم ہوئی، جبکہ تیسری کانفرنس ترقی یافتہ دنیا کی خواتین کی امتیازی حیثیت، رنگ و نسل کی تفریق اور اسرائیل کے مقبوضہ عرب علاقوں پر غیر قانونی تسلط کے خلاف احتجاج کے باعث ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تحریری طور پر بہت ساری تجاویز کی منظوری کے باوجود ان کو عملی جامہ پہنانے کے بارے میں کسی بھی ملک کی جانب سے حوصلہ افزائی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ چوتھی عالمی کانفرنس برائے خواتین میں بھی کچھ اس سے ملتی جلتی صورتحال پیش آئی۔

۱۹۹۵ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے لئے جو ایجنڈا (یا پلیٹ فارم فار ایکشن) تیار کیا گیا اس میں خواتین کی ترقی کی راہ میں حائل ۱۲ چیزوں کی نشاندہی کی گئی تھی جو یہ ہیں: - ﴿۱﴾ غربت، ﴿۲﴾ تعلیم، ﴿۳﴾ صحت، ﴿۴﴾ تشدد، ﴿۵﴾ اسلحہ کے ذریعہ مار پٹائی، ﴿۶﴾ اقتصادی معاملات میں شرکت، ﴿۷﴾ حکومت اور پالیسی سازی میں حصہ داری، ﴿۸﴾ قومی اور بین الاقوامی

اداروں میں نمائندگی، ﴿۹﴾ انسانی حقوق، ﴿۱۰﴾ ابلاغ عامہ، ﴿۱۱﴾ ماحول و ترقی، ﴿۱۲﴾ لڑکی کی پیدائش کا مسئلہ۔(۱)

بیجنگ کانفرنس کی تیاری بیس سال سے کی جارہی تھی۔ اس مقصد سے پہلی کانفرنس میکسیکو سٹی میں ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی، یہیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ دس سالوں میں اقوام متحدہ صنف نازک کو پوری دنیا میں مساویانہ حقوق دلانے کے لئے سارے وسائل اختیار کرے گا۔ چنانچہ دوسری کانفرنس ڈنمارک میں ۱۹۸۰ء میں، پھر تیسری کانفرنس نیروبی میں ۱۹۸۵ء میں منعقد کی گئی۔ ان تینوں کانفرنسوں کا بنیادی مقصد ''امن، خوشحالی اور مرد و عورتوں کے درمیان مساوات'' قرار پایا۔

ایک سو تہتر صفحے کے بڑے سائز میں بیجنگ کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے جو دستاویز تیار کی گئی اس کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قاہرہ کانفرنس میں پیش کئے گئے دستاویز کی فوٹو کاپی یا اس کا چربہ ہے۔ جو نئے اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، بیجنگ کانفرنس میں بھی جنسی اختلاط کو عام کرنے اور انسانوں اور جانوروں کے درمیان فرق و امتیاز کو ختم کرنے کی یہ دوسری منحوس کوشش ہے۔ جس پر دنیا کے ایک سو نواسی ملکوں کا پیسہ پانی کی طرح خرچ کیا۔

☆...... بیجنگ دستاویز کے مطالعہ سے پہلا تاثر یہی ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ یہودیوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، جو اوّل و آخر اپنے وجود کے لئے امن اور خوشحالی چاہتا ہے اور غیر یہودی قومیں ان پر فریب نعروں کے ذریعہ تباہ و برباد اور پوری انسانیت کا قتل عام اور اس کی عزت کو پامال بلکہ سر بازار نیلام اور رسوا کرنے کا کام کر رہا ہے۔ یہودی بازی گروں نے صومالیہ اور بوسنیا میں مغربی قوموں کو جس طرح پوری دنیا میں ذلیل و رسوا کیا ہے اس کی مثال غلامی کی تاریخ میں شاید ہی ملے۔

☆...... تیسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی روایتی قومی چالاکی و مکاری، دھوکے بازی اور فراڈ (یحرّفون الکلم عن مواضعہ) سے کام لیا ہے اور پوری دستاویز میں زہر ہلاہل کو خوبصورت پیکنگ میں آب حیات بنا کر پیش کیا ہے۔

---

(۱)۔ ماہنامہ دعوۃ اسلام آباد، جنوری فروری ۱۹۹۶ء۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ پوری دنیا کی غیر مسلم خواتین کی اکثریت کو تباہ وبرباد کیا جاچکا ہے۔ عالم اسلام کے معاشرہ کا ایک بڑا حصہ بکھرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اسلام مانع ہے، اس رکاوٹ کو دھن اور دھونس کے ذریعہ دور کیا جارہا ہے۔

بیجنگ، دستاویز، یا "مرگ امومت" کا پروانہ :- اقبال نے کہا تھا۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت

بیجنگ دستاویز دراصل مرگِ امومت کی دستاویز ہے۔ جس پر دستخط کر کے تمام غیر یہودی قوموں کو حوالے کیا جائے گا۔

اس دستاویز کے صفحہ ۴۴ اور فقرہ نمبر ۹۴ میں کہا گیا ہے "خواتین کو پورے طور پر اس بات کی ضمانت ملنی چاہئے کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ زندگی بھر صحت کے اعلیٰ معیار اور تمام مادی سہولتوں سے مستفید ہوسکیں۔ اگرچہ مردوں کی صحت بھی بعض اوقات متاثر ہو جاتی ہے لیکن صنف نازک کو فقر و فاقہ، اقتصادی بدحالی و پسماندگی، مردوں کی طرف سے تشدد، باہمی معاملے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس کا اثر عورتوں کی جنس زندگی اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پر پڑتا ہے، اس سے ان کی صحت متاثر ہوتی ہے۔"

دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں کھانے پینے اور عیش و نعم کے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں، اس کے برعکس خواتین کو کم عمری میں شادی، حمل اور ولادت کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔

لڑکیوں کو بالغ ہوتے ہی یہ حق ملنا چاہئے کہ جنسی اختلاط کے طریقوں، اور ناپسندیدہ حمل سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیروں سے واقف ہوں، تعلیمی اداروں میں عملی طور پر نوجوانوں کو جنس کی تعلیم دی جائے، دوسرا بنیادی حق ان کو یہ ملنا چاہئے کہ ناپسندیدہ حمل یا اسقاط حمل، یا ناجائز اولاد کی صورت میں والدین اور سماج نگاہ میں ان کو تمام حقوق دیے جائیں اور ان کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسے ایک شادی

شدہ عورت کا کیا جاتا ہے۔

غیر قانونی اولاد کا تصور ختم ہونا چاہیے، سماج اور حکومت کو چاہیے کہ ان کی مکمل سرپرستی کریں۔

والدین، سماجی اداروں اور تعلیمی مراکز کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو ایڈز سے بچنے کے طریقے بتائیں، انہیں محفوظ مامون جنسی اختلاط کی تدبیر سے آگاہ کریں اور مواقع فراہم کریں۔

صفحہ نمبر ۷۵ میں یہ بات کھل کر کہی گئی ہے کہ سماج کے ہر فرد کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ جنسی اختلاط میں ان کو مکمل آزادی ہو، وہ والدین، سماج اور دین واخلاق کے بدھنوں اور دباؤ سے آزاد ہو کر فیصلہ کریں کہ کب اور کن سے وہ جنسی تعلقات قائم کریں، کس حمل کو ساقط کرائیں اور کب بچے پیدا کریں۔

صفحہ ۴۴ پر کہا گیا ہے کہ نفسیاتی اور جسمانی صحت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو آزادانہ جنسی اختلاط اور اس کو راز میں رکھنے کا حق ہے۔

ایک بنیادی حق یہ بھی دیے جانے کی سفارش ہے تاکہ مرد وزن کے درمیان مکمل مساوات ہو جائے اور وہ یہ کہ جس طرح خواتین کو وضع حمل کی رخصت اور سہولت دی جاتی ہے اسی طرح مردوں کو بھی اس طرح کی رخصت اور سہولت دی جائے۔

شاعر مشرق نے مغربی تہذیب کو فساد قلب و نظر سے تعبیر کر کے مغرب میں کارفرما آزادئ افکار کو اس کی تباہی وبربادی کا سبب قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے ۔

ہو اگر خام تو آزادی، افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

آزادی فکر کے داعیوں نے اس دستاویز میں ایک طرف تو ایڈز کو برا کہا ہے، اور اس کے خلاف دلائل وشواہد کا انبار لگا دیا ہے۔ دوسری طرف اس سے بچنے کے بجائے ایسا طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے کہ محفوظ ومامون رہے، یعنی

"دامن تر مکن ہوشیار باش"

عالمی ادارۂ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق اس سال ۱۹۹۵ء تک ایڈز میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد پوری دنیا میں پینتالیس لاکھ ہو جائے گی۔ جب سے اس مرض کا انکشاف ہوا ہے اس وقت سے اب تک ساڑھے انیس ملین مرد و عورت اس میں مبتلا ہو چکے ہیں، اس صدی کے آخر تک یہ تعداد بڑھ کر اکیس ملین ہو جائے گی۔

اس دستاویز میں جگہ جگہ ذمہ دارانہ جنسی تعلقات کا ذکر تو کیا گیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ آزادانہ جنسی اختلاط صحت کے لئے مضر ہے اور نہ ہی اشارے کنائے میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف شادی ہی کے ذریعہ اس موذی مرض (ایڈز) سے بچا جا سکتا ہے۔

تیسری بات اس دستاویز میں یہ کہی گئی ہے کہ تنہائی کی زندگی گزارنے والی خواتین کو سرکاری، سماجی سرپرستی حاصل ہونی چاہئے۔ لیکن ذمہ دارانہ زندگی شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کا قطعی تذکرہ نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اولاد پیدا کرنے کو عورت کی صحت کے لئے مضر کہا گیا ہے لیکن اسقاط کے مضر صحت ہونے کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ بلوغ کے بعد کمسنی میں شادی کو تمام مشکلات کا سبب تو قرار دیا گیا ہے لیکن لڑکیوں کو عفت و عصمت کی زندگی گزارنے میں دین و اخلاق کے رول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں صنف نازک کے ساتھ جنسی استحصال اور تشدد اور عدم مساوات کا اس انداز میں ذکر ہے کہ گویا یہ سارے امراض اور خرابیاں ترقی پذیر ملکوں میں عموماً اور مسلم معاشرہ میں خصوصاً پائے جاتے ہیں، لیکن مغربی ملکوں میں عورتوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہو رہی ہے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔

سب سے عجیب اور ناقابل فہم تضاد یہ ہے کہ مغربی میڈیا اور یورپ و امریکہ کے سماجی ادارے اور خود اقوام متحدہ کی یہ کانفرنسیں ایک طرف تو عورتوں کو جبر و

استحصال سے بچانے اور ان کو تمام جنسی حقوق دینے کی زبردست وکالت کرتی ہیں۔ دوسری طرف میڈیا کی تمام طاقت کو عورتوں کے جنسی استحصال اور تجارتی پروپیگنڈہ کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

یہودیوں نے مغربی معاشرہ کو جس طرح مکمل تباہی و بربادی سے دوچار اور اس کو جس طرح کھوکھلا کر دیا ہے وہ اقبال کے الفاظ میں فسادِ قلب۔ نظر اور عصمت پیر کشت حرف غلط بن گئی ہے اور جس کے وجود سے تصویر کائنات میں رنگ تھا اس کے بنیادی رول کو نظر انداز کر کے یا "مرگ امومت" سے خود مغربی سوسائٹی کس طرح مادی و معنوی خسارے سے دوچار ہو رہی ہے اس کا اندازہ مغربی ماہرین کے پیش کئے ہوئے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆...... امریکی سوسائٹی میں ہر دس منٹ پر ایک عورت کی آبروریزی کی جاتی ہے۔

☆...... امریکی معاشرہ میں خاندانی شیرازہ بکھرنے کی وجہ سے صرف ۱۵ فیصد بچوں کو والدین کی سرپرستی حاصل ہے۔

☆...... ڈنمارک، برطانیہ، فرانس و امریکہ میں ناجائز بچوں کا تناسب ۱۵ فیصد ہے۔

☆...... جرمنی میں ایک کروڑ بیس لاکھ افراد تنہا زندگی گزارتے ہیں۔ ان میں سے ۴۳ فیصد نے شادی ہی نہیں کی۔ شادی کے بغیر مرد و عورت کے اکٹھا رہ کر زندگی گزارنے والوں کا تناسب ۲۷ فیصد ہے، دو کروڑ تیس لاکھ شادی شدہ جوڑوں کے ساتھ ایک کروڑ بیس لاکھ جوڑے ایسے بھی ہیں جو بغیر شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

☆...... ایک سال میں ہونے والی چار لاکھ چار ہزار شادیوں میں سے ۶۴ فیصد کا انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۹۹۴ء ۵۹ فیصد کا اضافہ ہوا۔

☆...... ایک جرمن بچے کو ۲۴ گھنٹے میں ماں باپ کے اوقات میں سے اوسطاً آدھا گھنٹہ ملتا ہے جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے، جبکہ ایک جرمن ماں روزانہ اوسطاً آدھا گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پر گپ شپ اور پانچ گھنٹے ٹی وی اور سینما اور دوسرے تفریحی پروگراموں میں گزارتی ہے۔ ایک جرمن بچہ روزانہ اوسطاً ڈھائی گھنٹے ٹی وی

کے سامنے گزارتا ہے جہاں پچاس مناظر قتل اور جنسی عمل کے دیکھتا ہے۔

جرمنی میں ۲۶ لاکھ خواتین ایسی ہیں جو بچے کے باپ کے بغیر ایک ایک بچے کی پرورش کر رہی ہیں۔ بچوں سے محروم جرمن جوڑوں کی تعداد ۸۶ لاکھ ہے۔

☆...... امریکہ کی مرکزی حکومت کے دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کی تقریباً ۸۲ فیصد تعداد کو جنسی طور پر پریشان کیا جاتا ہے۔

ریاستی حکومتوں کے دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کی ۸۵ فیصد خواتین نے بتایا کہ ان کے لئے جنسی بدسلوکی ایک عام تجربہ بن چکی ہے۔

☆...... امریکہ میں نکاح و طلاق کا تناسب برابر ہو چکا ہے۔

☆...... امریکہ میں کام کرنے والے مردوں کے درمیان عورتوں کا تناسب پہلے ۴ فیصد تھا اب یہ تناسب گھٹ کر ۲۵ فیصد ہو گیا ہے، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تنخواہ ۴۴ فیصد کم ہوتی ہے۔

فرانس میں ۳۱ فیصد کم، ڈنمارک میں ۶۵ فیصد کم، برطانیہ میں ۴۲ فیصد کم اٹلی میں ۳۵ فیصد کم، جرمنی میں ۴۴ فیصد کم۔

جہاں تک سیاسی اور سماجی زندگی میں خواتین کی شمولیت اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کا تعلق ہے تو امریکہ کے سماجی کارکن بتاتے ہیں کہ ۹۹ فیصد عورتوں کو گھر سے باہر رہ کر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے میں جنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے بغیر وہ ترقی نہیں کر سکتیں۔

مختلف مغربی ملکوں میں سیاسی میدانوں میں عورتوں کی شمولیت کا تناسب مردوں کے مقابلہ میں حسب ذیل ہے۔

فن لینڈ ۳۹ فیصد، ناروے ۳۵ فیصد، سویڈن ۳۳ فیصد، جرمنی ۲۰ فیصد، اسپین ۱۴ فیصد، پرتگال ۶ فیصد، امریکہ ۶ فیصد، فرانس ۵ فیصد، برطانیہ ۵ فیصد۔

یہ ہے مغربی سوسائٹی کا وہ آئینہ جس کو دیکھ کر وہاں کے دانشور بوکھلا گئے ہیں، اور اسقاط حمل اور جنسی آزادی کے خلاف تحریکیں چل رہی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسیحی دنیا کے مذہبی پیشوا بھی یہودیوں کے دباؤ میں آکر بدکاری اور جنسی

آزادی کو فروغ دینے میں تعاون پیش کر رہے ہیں، اس لئے کہ خود مسیحی پادریوں کی اکثریت گلے گلے اس دلدل میں پھنس چکی ہے۔

اس تاریک صورتحال میں اسلام ہی ہے جو ناخدا بن کر مغربی سماج کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ خبر تو آپ کے علم میں ہو گی کہ برطانیہ اور جرمنی میں مجموعی طور پر بیس ہزار سے زیادہ خواتین اسلام قبول کر چکی ہیں، سماجی سروے میں بھی یہ بات آچکی ہے کہ مغربی سوسائٹی کی خواتین نے اسلام کے حقوق نسواں کو سب سے بہتر اور محفوظ ضمانت قرار دیا ہے۔ اب وہاں مقیم داعیوں کا کام ہے کہ وہ اس صورتحال کو اسلامی دعوت کے فروغ کے لئے کام میں لائیں۔(۱)

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

نظریۂ مساوات مرد و زن ﴿نتائج و ثمرات﴾:

مساواتِ مرد و زن کا نظریہ دو سو برس تک مغرب میں آزمایا جا چکا ہے اور عملی طور پر یہ تجربہ ہر اعتبار سے ناکام ثابت ہوا ہے۔ قانونی لحاظ سے برابری کا درجہ پانے کے باوجود عورت کو اشتراکی اور سرمایہ دارانہ جمہوری ممالک میں حقیقی طور پر مرد کے ساتھ برابری کا مقام حاصل نہ ہو سکا۔ آج بھی مغرب میں مرد اور عوت کی معاشرتی حیثیت میں واضح تفاوت موجود ہے اور دونوں کی پوزیشن الگ الگ ہے۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ عورت اب گھر سے باہر آگئی ہے اور وہ ہر جگہ مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی اور کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُس نے "مرد" بننے کی کوشش کی، مگر اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کوشش میں اُس نے اپنی نسوانیت بھی کھوئی ہے اور اس کے بدلے میں جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتی تھی اُسے وہ بھی نہیں ملا۔ وہ انسانی زندگی پر سے مرد کی بالادستی اور غلبے کو ختم کر کے اپنے لئے مساوی مقام کی خواہش مند تھی۔ اسکے لئے اُس نے سارے جتن کیے۔ فریادیں کیں۔ واویلے مچائے، عصمت لٹائی، بے حیائی پھیلائی، جرائم میں حصہ لیا، مگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اُسے برابری کا

---

(۱)۔ ماہنامہ الفاروق کراچی، شوال ۱۴۱۶ھ

مطلوبہ اور پسندیدہ مقام حاصل نہ ہوا۔ جنسِ غالب Dominant Sex پھر بھی مرد ہی رہا۔(۱)

مساوات مرد وزن کے عملی نتائج:

مغرب میں نظریۂ مساواتِ مرد وزن کے تحت آزادیٔ نسواں کے نام سے جو تحریک چلی اُس کے نتیجے میں وہاں کے معاشرے میں بے حیائی، عریانی اور فحاشی کا ایک طوفان بد تمیزی اُمڈ آیا۔ یہاں تک کہ زنا بالرضا کوئی جرم نہ رہا۔ ہم جنسی کے فعل اور شادی کو قانونی جواز مہیا کیا گیا۔ داشتہ عورت کو بیوی کے حقوق میں۔ ناجائز اولاد کو بھی جائز قانونی اولاد تسلیم کیا گیا۔

پھر اس اخلاقی انحطاط اور معاشرتی ابتری نے ایسی بے شمار پیچیدگیاں، اُلجھنیں اور گمبھیر مسائل پیدا کر دیئے، جن کو حل کرنا مغرب کے بس میں نہ رہا۔ حالت یہ ہو گئی ہے کہ مغربی تہذیب اب اپنے ہی خنجر سے آپ خودکشی کر لینے کا سروسامان مہیا کر چکی ہے۔ بقول اقبالؔ ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

آج مغرب جن گمبھیر مسائل سے دوچار ہے ان میں خاندانی نظام کا خاتمہ، منشیات کا کثرتِ استعمال، کثرتِ زنا بالجبر، کنواری ماؤں کا مسئلہ، اسقاطِ حمل (Abortion) ناجائز بچوں کی خوفناک شرحِ پیدائش، جنسی امراض کی کثرت، خودکشی کا عام رجحان، بچوں سے بدسلوکی، بڑھاپے کی بے سہارا زندگی، آبادی میں کمی، عورتوں کو مار پیٹ کا مسئلہ، نوجوانوں کا شادی سے گریز، والدین کے جیتے جی بچوں کی یتیمی کا مسئلہ، ایڈز کی وبا، نوجوان نسل کا جرائم پیشہ ہونا، عام بے راہ روی اور بے مقصدیت، جنس تبدیل کرانے کا جنون، اور اس طرح کے بے شمار پیچیدہ اور لاینحل مسائل ہیں جن کی اصل جڑ مساواتِ مرد و زن کا نظریہ اور آزادیٔ نسواں کی تحریک ہے جس کی

☆☆

(۱)۔ محمد رفیق چوھدری/اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن ص ۳۲۔

کوکھ سے یہ سب پیدا ہوئے ہیں۔(۱)

مردوزن کے مخلوط معاشرہ میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ان میں عورتوں اور بچوں کی غربت، دوہرا کام، عورتوں میں ذہنی بیماریوں کی کثرت (مثلاً ڈیپریشن Depression، عورتوں کو مارپیٹ اور زنا بالجبر کے مسائل ہیں، چنانچہ Women in the Workplace (عورت ملازمت میں) کے صفحہ نمبر ۱۹۶ پر ہے:

"Some of the costs of the sex gender system. The poverty of women and children, the double day, high rates of mental illness (especially depression) among women. Women battering and rape.

مذکورہ کتاب ہی میں ہے:

"ہماری زبان اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ مرد اور عورت مختلف صلاحیتیں، شخصیتیں اور زندگی کے مقاصد رکھتے ہیں۔"

Our Language reinforces the idea that Women and men have different abiulities, personalities and goals of life (Richardson. P-31)(۲)

سابق روسی صدر گورباچوف کا اعتراف:

روس کے سابق صدر گورباچوف نے ایک کتاب لکھی ہے "پروسٹرائیکا" آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور مطبوعہ شکل میں ہے، اس کتاب میں گورباچوف نے عورتوں کے بارے میں Status of Women کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے اس میں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں یہ بات لکھی ہے!

"ہماری مغربی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اسے گھر سے

☆☆

(۱)۔ محمد رفیق چودھری/ اسلام اور نظریہ مساوات مردوزن ص ۳۸،

(۲)۔ ایضاً ص ۹۳،

باہر نکالنے کے نتیجہ میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے، اور پیداوار میں اضافہ ہوا، اس لئے کہ مرد و زن دونوں کام کر رہے ہیں، لیکن پیداوار کی زیادتی کے باوجود نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجہ میں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافہ کے نتیجہ میں ہمیں حاصل ہوئے، لہٰذا میں اپنے ملک میں "پروسٹرائیکا" کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اسے واپس گھر میں کیسے لایا جائے؟ ایسے طریقے سوچنے پڑیں گے ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو رہا ہے۔ اس طرح پوری قوم تباہ ہو جائے گی۔ (۱)

تحریک آزادی و حقوق نسواں۔ نتائج و ثمرات:

﴿نو مسلم مغربی خواتین کے تاثرات﴾:

۹ نومبر ۱۹۹۳ء "لندن ٹائمز" لکھتا ہے کہ بہت سی نو مسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے، جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں، اور ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک آزادی نسواں" کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے۔

اخبار کے الفاظ یہ ہیں:-

Many Muslims contrast the status of women in Islam with what they see as the dismal plight of women in the West. They note that here women work full time out of financial necessity, remaining lumbered with the housework and children. It is a puzzling version of emancipation

☆☆

(۱)۔ ماہنامہ قومی گزٹ کراچی، مارچ ۱۹۹۶ء،

"بہت سے مسلمان اسلام میں عورت کے رتبے کا مقابلہ مغرب میں نظر آنے والی عورت کی افسوس ناک حالت زار سے کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں (مغرب میں) عورتیں اپنی معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہمہ وقت معاشی پیشے اختیار کرتی ہیں، اس کے باوجود خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بدستور دبی ہوئی ہیں۔ یہ "تحریک آزادیٔ نسواں" کا ناقابل فہم رخ ہے"۔(۱)

نظریۂ مساوات مرد و زن کی حقیقت:

اقوام متحدہ کی اقتصادی اور معاشرتی کونسل کے اعداد و شمار کے مطابق پچھلے پچیس سالوں میں معاشی زندگی کی سرگرمیوں میں عورتوں کا حصہ توقع سے بھی زیادہ بڑھ چکا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں دنیا کے تمام ملازم پیشہ لوگوں میں سے پینتیس فیصد خواتین تھیں۔ اسی طرح ملازم پیشہ عورتوں کی سب سے بڑی تعداد روس میں ہے جہاں سو میں سے بیاسی عورتیں کام کرنے کی اہل ہیں اور رجسٹرڈ ہیں۔ مشرقی جرمنی میں اسی فیصد عورتیں، بلغاریہ میں چوہتر فیصد عورتیں، ہنگری میں تہتر فیصد عورتیں اور پولینڈ میں تریسٹھ فیصد عورتیں کام کرتی ہیں۔ ان ممالک کے بعد فن لینڈ، سویڈن، چیکوسلوویکیہ، ڈنمارک اور جاپان کا نمبر آتا ہے۔ برطانیہ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا، امریکہ اور مغربی جرمنی ممالک کے گروہ میں عورتوں کی تقریباً نصف تعداد (۴۹ سے ۵۲ فیصد تک) ملازم پیشہ ہے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ مفتی محمد تقی عثمانی / مغربی خواتین میں اسلام کا رجحان، میمن اسلامک پبلشرز کراچی ۱۴۱۵ھ، ص ۲۳۔

(۲)۔ علی عزت بیگووچ / اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۲۴۱۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۸۴ء نے جدید معاشرہ میں عورت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتصادی میدان میں گھر سے باہر کام کرنے والی عورتیں بہت زیادہ تعداد میں کم تنخواہ والے کاموں میں ہیں۔ اور ان کا درجہ سب سے نیچا ہے۔ حتیٰ کہ عورتیں ایک ہی کام میں مرد سے کم تنخواہ پاتی ہیں۔ امریکہ میں خاتون کارکنوں کی اوسط تنخواہ مردوں کے مقابلہ میں ۶۰ فیصد ہے۔ جاپان میں یہ اوسط ۵۵ فیصد ہے۔ سیاسی طور پر عورتیں بہت بڑے پیمانہ پر نمائندگی سے محروم ہیں۔ قومی اور مقامی حکومتوں میں نیز سیاسی پارٹیوں میں :

In the economic sphere women who work outside the home are heavily concentrated in the lowest paying work and that having the lowest status. Women also earn less than men in the same kinds of jobs. The median pay of women workers in the U.S. was 60 percent that of men in 1982. In Japan the percentage of average pay was 55. Politically, women are greatly under represented in national and local governments and in political parties (X/732).(۱)

امریکہ کی مشہور ناول نگار خاتون اور تحریک نسواں کی لیڈر رہوڈالر من اپریل ۱۹۸۷ء میں ہندوستان آئیں۔ یہاں نئی دہلی میں انہوں نے ٹائمس آف انڈیا کے ایک اسٹاف رپورٹر کو انٹرویو دیا۔ یہ انٹرویو اخبار مذکور کے شمارہ ۳۰ اپریل ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ پورا انٹرویو علیحدہ صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔

رھوڈالر من نے کہا کہ میں بہت بری خبر لے کر آئی ہوں۔ سماج میں عورت کے بدلتے ہوئے کردار پر بولتے ہوئے انہوں نے انکشاف کیا کہ امریکہ کے غریبوں میں ۷۷ فیصد تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اس کا سبب وہ غیر معمولی فرق ہے جو مردوں اور عورتوں کی کمائی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

☆☆

(۱)۔ وحید الدین خان ر خاتون اسلام، فضلی سنز کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۔

مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی کمائی ۶۲ فیصد ہے۔ صرف اس لئے کہ انہیں ہلکے قسم کے کام دیے جاتے ہیں۔ یکساں مواقع اور یکساں تنخواہ، یکساں کام کے لئے محض ایک افسانہ ہے۔ عورتیں ابھی تک صرف نچلے اور درمیانی انتظامی شعبوں میں داخل ہو سکی ہیں۔(۱)

A Pyrrhic Victory

"I come with very bad news," says Rhoda Lerman, American novelist and a leader of the women's movement. Speaking on the changing role of women in society, she revealed that 77 per cent of the poor in america are women and children.

The reason she offers is the high wage differential between the earnings of men and women. Women earn 62 per cent of what men earn, merely because of the "pink-collared" jobs offered to them. "Equal opportunities and equal pay for equal work are just a myth, "she declares. Women, by far have been able to infiltrate only the lower and middle management and are offered innumerable jobs in food chains and the secretarial cadres.

حقوق نسواں کی علمبرداری کا دعویٰ کرنے والی نام نہاد مغربی دنیا کیا اس ناقابل تردید تاریخی شہادت کو جھٹلا سکتی ہے کہ اس نے عورت کو ووٹ کے استعمال یا آزادی اظہار رائے کا حق بیسویں صدی میں دیا، چنانچہ "نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" جلد ۱۲ ص ۴۳۷ کے مطابق خواتین کو مغربی دنیا میں ووٹ کا حق مندرجہ ذیل سالوں میں پہلی دفعہ ملا!

روس ۱۹۱۷ء، یوگوسلاویہ ۱۹۴۶ء، آسٹریلیا ۱۹۰۲ء، فرانس ۱۹۴۴ء،

☆☆

(۱) ایضاً ص ۱۲۹۔

جرمنی ۱۹۱۴ء، اٹلی ۱۹۴۵ء، جاپان ۱۹۴۵ء، چین ۱۹۴۷ء، سویڈن ۱۹۱۹ء، کینیڈا ۱۹۴۸ء، برازیل ۱۹۳۲ء، انگلینڈ ۱۹۲۸ء، ریاستہائے متحدہ امریکہ ۱۹۲۰ء، آئرلینڈ ۱۹۲۲ء، سوئزرلینڈ ۱۹۷۱ء۔(۱)

عورت اور امریکی معاشرہ

ٹائم میگزین کا تفصیلی جائزہ :

"ٹائم" مشہور امریکی ہفتہ وار میگزین ہے۔ اس کی ہر اشاعت میں کسی خصوصی موضوع پر تفصیلی رپورٹ ہوتی ہے۔ اس کی ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں "امریکی عورت" سے متعلق معلومات درج ہیں۔ اس رپورٹ کو میگزین کے وسیع ادارتی اسٹاف کی ۲۰ خواتین نے خصوصی جدوجہد سے مرتب کیا ہے۔ پرچہ کا بیشتر حصہ اسی موضوع پر مشتمل ہے۔ پرچہ کے ہر شعبہ کے ماہرین نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ یہاں اس تفصیلی رپورٹ کے کچھ اجزاء کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ڈپارٹمنٹ آف لیبر کے ایک سروے کے مطابق، امریکی عورت عام طور پر مرد کے مقابلہ میں کم مہارت اور کم تنخواہ کے کام کرتی ہے۔ کئی ملازمتوں میں وہ ایک ہی کام کے لئے مساوی تنخواہ نہیں پاتی۔ کسی کارخانہ میں چھانٹی ہو تو اس کا حال کالوں کا سا ہوتا ہے، اس کو سب سے پہلے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شادی کا عدمِ استحکام اور طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔

اعداد و شمار :

۱۹۶۴ء میں لنڈن جانسن نے صدارتی حکم جاری کیا کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ سرکاری ملازمتوں میں لیا جائے۔ ۱۹۶۷ء میں فیڈرل سول سروس کے مکمل اعداد و شمار شائع کئے۔ جس میں عورتوں کا تناسب بتایا گیا تھا۔ اونچے اسکیل

☆☆

(۱)۔ لیاقت علی خان نیازی / مطالعۂ سیرت ﷺ پروگریسیو پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء، ۳۶۵، ۳۶۶۔

سرکاری ملازمتوں جن کی تنخواہ ۲۸ ہزار ڈالر سالانہ سے شروع ہوتی ہے اس کے مطابق ۱۹۶۶ء میں صرف ۱/۶ فیصد عہدے عورتوں کے پاس تھے۔ صدر نکسن نے وعدہ کیا کہ وہ زیادہ عورتوں کو سرکاری محکموں میں لیں گے، حتیٰ کہ انہوں نے عورتوں کی بھرتی کا ایک شعبہ وہائٹ ہاؤس میں کھول دیا۔ مگر واشنگٹن کی عورتیں مشکل ہی سے اونچے سرکاری عہدوں پر پہنچ پاتی ہیں۔ یہاں کوئی عورت کبھی سپریم کورٹ کی جج نہ بن سکی۔ صرف دو عورتیں ہیں جنہیں امریکہ کی تاریخ میں کابینہ میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ اس وقت صرف ایک عورت امریکی سینیٹ میں ہے اور گیارہ عورتیں ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو میں۔ نیویارک واحد اسٹیٹ ہے جہاں ایک خصوصی ویمنز ایڈوائزری یونٹ برائے گورنر قائم ہے۔ مگر اس کا بھی حال یہ ہے کہ اس کی سیاہ فام خاتون صدر نے کہا:

ہم تو صرف ایک علامتی ایجنسی ہیں۔(۱)

خاتون نے مزید کہا، نیویارک اسٹیٹ گورنمنٹ میں ۶۳ علیحدہ ایجنسیاں ہیں ان میں سے صرف ۱۳ ایسی ہیں جن میں سیکرٹری سے اوپر کا کوئی عہدہ کسی عورت کو ملا ہے۔ پورے امریکہ میں صرف چند خاتون میئر ہیں۔ آخری اسٹیٹ گورنر الباما میں تھی، جس کا نام لورلین ویلیس تھا۔ ۵۰ ریاستوں کے لیجسلیچر اداروں میں مجموعی طور پر سات ہزار ممبران ہیں، جن میں صرف ۳۴۰ عورتیں ہیں۔ ان میں سے چند ہی ایسی ہیں جو کوئی اثر رکھتی ہیں۔(۲)

امریکہ میں کام کرنے والوں کے درمیان عورتوں کی تعداد ۴۰ فیصد ہے۔ مگر امریکہ کے ۳۵۰۰۰۰ سائنس دانوں میں خاتون سائنس دانوں کی تعداد صرف ۱۰ فیصد ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری یافتہ خواتین مردوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اس لئے وہ اعلیٰ سائنسی عہدوں پر بہت کم پہونچ پاتی ہیں۔ مثلاً نیشنل اکیڈمی آف سائنس کے منتخب ممبروں کی تعداد ۸۰۰ سے زیادہ ہے۔ جس میں خواتین صرف ۹ ہیں۔

☆☆

(۱)۔ Time Magazine / March 18, 1972.

(۲)۔ ایضاً حوالہ سابقہ۔

سائنس کا نوبل پرائز پانے والے ۲۷۸ لوگوں میں صرف ۶ عورتیں شامل ہیں۔(۱)

دوسرے شعبوں کے برعکس جرنلزم میں عورتیں بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ ان کی بہت کم تعداد ملے گی جو اہم پوزیشن کی مالک ہو۔ وہ یا تو رپورٹر ہیں یا ایڈیٹر ہیں۔ ان کی بڑی تعداد یا تو ہفتہ وار اخباروں میں یا چھوٹے درجہ کے روزناموں میں کام کرتی ہے۔ جس میں تنخواہیں عام طور پر کم ہیں۔ کوئی اخباری ادارہ یا کوئی اشاعتی تنظیم ایسی نہیں ہے جو عمومی ہو اور اس کی صدر کوئی خاتون ہو۔ حالانکہ ۱۹۷۱ء میں امریکہ کے جرنلزم اسکولوں کے طلبہ میں ۴۴ فیصد خواتین تھیں، جب کہ ۱۹۵۱ء میں ان کی تعداد ۳۵ فیصد تھی۔

امریکہ کے نیوز پیپرس میں خاتون ایڈیٹروں کی تعداد ۳۵ فیصد ہے۔ مگر یہاں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ امریکہ کے عظیم ادارہ ایسوسی ایٹڈ پریس میں اسٹاف ممبروں کی تعداد ۱۰۵۰ ہے۔ جس میں صرف ۱۱۲ عورتیں ہیں اور صرف دو عورتیں بیورو منیجر ہیں۔ یونائٹڈ پریس انٹرنیشنل کے ملازمین کی تعداد ۹۰۰ ہے، مگر ان میں عورتیں صرف ۸۱ ہیں۔ ان میں سے ایک عورت جنرل نیوز ایڈیٹر ہے۔ نیویارک ٹائمز میں ایڈیٹروں، رپورٹروں، کاپی ریڈروں کی تعداد ۶۲۹ ہے، جس میں عورتیں صرف ۶۴ ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ میں ۳۸۵ میں ۷۰ عورتیں ہیں۔ یہی دوسرے بڑے اخباری اداروں کا حال ہے۔(۲)

میڈیسن مردوں کی دنیا ہے۔ عورتیں ابھی حال میں اس میدان میں داخل ہوئی ہیں۔ وہ ڈاکٹر کے بجائے زیادہ تر نرس کی حیثیت سے کام کرتی رہی ہیں۔ ۱۰ سال پہلے امریکہ کے ۲۶۰۰۰۰ ڈاکٹروں میں عورتیں صرف ۶ فیصد تھیں۔ اب وہ ۳۴۵۰۰۰ ڈاکٹروں میں ۷ فیصد ہیں۔ سرجنوں میں صرف ایک فیصد ہیں۔ جو اس پیشہ میں سب سے زیادہ کمائی والا میدان ہے۔ پبلک ہیلتھ فزیشین میں وہ ۲۶ فیصد ہیں۔ جن کی آمدنی دیگر ڈاکٹروں کے مقابلہ میں صرف اوسط درجہ کی ہوتی ہے۔

☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۳۱۔

(۲)۔ وحید الدین خان / خاتون اسلام، فضلی سنز کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۷۱۔

ابتدائی تعلیم میں ۸۵ فیصد ٹیچر خواتین ہیں۔ مگر ان اسکولوں کی پرنسپل صرف ۲۱ فیصد عورتیں ہیں۔ ہائی اسکول میں خاتون پرنسپلوں کا تناسب صرف ۳ فیصد ہے۔ اور اگر ایک عورت کالج کی صدر بننا چاہے تو اس کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اسے نن بننا چاہئے۔ ۱۹۷۰ء میں کالج اور یونیورسٹی کے شعبوں میں عورتوں کی تعداد ۲۰ فیصد تھی، مگر ان میں صرف ۹ فی صد پروفیسر تھیں۔ عورتوں کی تنخواہ بھی مردوں کے مقابلہ میں عام طور پر کم ہوتی ہے۔ ۴۵ فیصد نوجوانوں کا یہ خیال ہے کہ عورتیں بے دماغ رفیق ہیں۔ وہ صرف اس لئے ہیں کہ مردوں کی ضروریات پوری کریں۔ ایک خاتون نے کہا "مردوں نے ابھی تک نہیں سیکھا کہ وہ عورتوں کو ذہنی اعتبار سے اپنا مساوی سمجھیں"۔(۱)

امریکی سپریم کورٹ کی عمارت پر یہ فقرہ لکھا ہوا ہے: "قانون کے تحت یکساں انصاف" مگر امریکی عورت پر یہ الفاظ مشکل سے چسپاں ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ میں کوئی خاتون جج نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ سپریم کورٹ کے ۹ ججوں میں سے صرف ایک جج کے یہاں خاتون کلرک ہے۔ فیڈرل اپیل کورٹ کے ۷■ ججوں میں صرف ایک خاتون جج ہے۔ فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ کے ۴۰۲ ججوں میں چار کے سوا سب مرد ہیں۔

پورے امریکا میں تمام ججوں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ ان میں صرف ۲۰۰ کے قریب عورتیں ہیں۔ کوئی اٹارنی جنرل خاتون نہیں۔ فیڈرل سروس میں ۹۳ ڈسٹرکٹ اٹارنی ہیں جو سب کے سب مرد ہیں۔ قانون کے پیشہ میں نسبتاً عورتیں کافی ہیں۔ جو عورتیں قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ان کے ۱۷ سالہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ قانون داں عورتوں کی ۸۴ فیصد تعداد پرائیویٹ پریکٹس کرتی ہے۔ مگر خاتون وکلاء کی ۱۲ فیصد سے کم تعداد ایسی ہے جس کی آمدنی ۲۰۰۰۰ ڈالر سے اوپر ہے۔ جب کہ مرد وکلاء میں ان کی تعداد ۵۰ فیصد ہے۔ ۳۲۵۰۰۰ وکیلوں میں خواتین کی تعداد ۹۰۰۰ ہے۔ جو ۲ فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔ امریکن بار ایسوسی ایشن میں آج تک ☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۳۔۷۴۔۷۴،

کوئی خاتون صدر نہ ہو سکی۔

نفاذ قانون کے دائرہ میں عورتیں زیادہ تر زیر نفاذ ہیں، نہ کہ نفاذ کرنے والی۔ پولیس میں خواتین نیچے درجہ کی ملازمتوں میں ایک فیصد سے کچھ زیادہ ہیں۔ گرٹروڈ شمل نیویارک کی پہلی پولیس کیپٹن ہے۔ "کیا وہ کسی عورت کے پولیس کمشنر بننے کی امید کر سکتی ہے۔" اس سے پوچھا گیا۔ "صرف اس وقت جب کہ نیویارک میں پہلی خاتون میئر مقرر ہو گی۔" اس کا جواب تھا۔(۱)

امریکی عورت آج اقتصادی میدان میں کافی سرگرم ہے۔ مگر فیڈرل سروے کے مطابق ہمہ وقتی کام میں عورت کا اوسط تین ڈالر ہے۔ جب کہ اسی کام میں مرد کو اوسطاً پانچ ڈالر دئے جاتے ہیں۔ اگر عورتوں کو مردوں کے برابر اجرت دی جائے تو اجرت کی مقدار ۱۰۹ بلین ڈالر زیادہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت نے متعدد احکامات جاری کئے ہیں اور عدالتوں نے فیصلے دیئے ہیں کہ عورتوں کو مساوی اجرت دی جائے اور ان سے امتیاز نہ برتا جائے۔ ان میں ایسے فیصلے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ عورتوں سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور بھاری بوجھ نہ اٹھوائے جائیں۔

سان فرانسسکو کی ایک فرم لیوی اسٹراس اینڈ کو میں ۱۸ ہزار ملازم ہیں جن میں ۸۵ فیصد عورتیں ہیں۔ مگر کمپنی نے جب ایک بار جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ عورتیں عام طور پر کم تنخواہ کے مناصب پر ہیں اور بڑے بڑے عہدے زیادہ تر مردوں کو حاصل ہیں، اس کے ۲۷۵ منیجروں میں صرف ۹ فیصد عورتیں ہیں۔ امریکہ کے دو ملین سکریٹریوں میں تقریباً سب کی سب عورتیں ہیں۔ مگر بیشتر کم تنخواہ پانے والی ہیں۔ بعض شکایات کے جواب میں مارچ ۱۹۷۲ء میں امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے یہ آرڈر جاری کیا کہ سکریٹریوں کو فاضلاً مددگار کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ خاتون سکریٹریوں میں اس بات پر زیادہ سے زیادہ ناراضگی پیدا ہو رہی ہے کہ وہ تفریح طبع کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۷۵،

(۲)۔ ایضاً ص ۷۷،

یہ ہے مساواتِ مرد و زن کا فریب کہ ابھی تک مغرب میں مردوں اور عورتوں کی ملازمتوں اور معاوضوں میں واضح طور پر فرق پایا جاتا ہے اور مساواتِ مرد وزن عملی طور پر ناپید ہے۔

چنانچہ امریکہ میں چھپی ہوئی ایک کتاب "عورت ملازمت میں" وہاں کے بارے میں لکھا ہے:

A 1981 labour Department study show that the women were paid considerably less than men in the same occupation. Men averaged 366 dollers a week in sales work, women only 190 dollers Women in the Workplace, P -91.

"محکمۂ محنت نے ۱۹۸۱ء میں ایک جائزہ لیا جس کے مطابق وہاں (امریکہ میں) ایک ہی پیشے سے منسلک عورتیں اور مردوں میں عورتیں کم تنخواہ پاتی ہیں۔ کاروباری ملازمت میں مرد ہفتے میں ۳۶۶ ڈالر اور عورتیں صرف ۱۹۰ ڈالر فی ہفتہ کماتی ہے۔"(۱)

ایشیائی خواتین کی حالتِ زار :

ایشیائی خواتین کی حالتِ زار کا اندازہ اس چارٹ کی مدد سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی شرح تعلیم، روزگار کے مواقع، عمر کا تناسب، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ایگزیکٹو اعلیٰ عہدوں پر فائز خواتین کا تناسب اور کابینہ میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد کا تناسب فیصد میں ظاہر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ترقی پذیر اور صنعتی ممالک سے موازنہ بھی کیا گیا ہے۔

☆☆

(۱)۔ محمد رفیق چودھری ر اسلام اور نظریۂ مساوات مرد وزن ص ۹۲۔

نمبر شمار	شرح خواندگی فیصد	اوسط عمر سال	روزگار کے مواقع فیصد	اعلیٰ عہدوں پر فائز خواتین کی تعداد فیصد	قانون ساز اداروں میں تعداد	کابینہ میں تعداد فیصد
بنگلہ دیش	۵۱	۵۵ء۶	۷۳	۵	۱۰	۸
برما	۸۶	۵۹ء۳	۵۶	☆	☆	۰
کمبوڈیا	☆	۷۳ء۹	۷۹	☆	۲۰	۸
چین	۷۹	۷۰ء۴	۸۱	۱۳	۲۱	۶
ہانگ کانگ	۹۰	۸۱ء۸	۶۲	۱۹	۵	۱۰
انڈیا	۵۵	۶۰ء۴	۳۴	☆	۷	۳
انڈونیشیا	۸۶	۶۴ء۵	۴۴	۷	۱۲	۶
جاپان	☆	۸۲ء۵۰	۶۴	۹	۷	۶
ملائیشیا	۸۶	۷۳ء۰	۵۵	☆	۱۰	۷
پاکستان	۴۷	۶۲ء۶	۱۶	۳	۲	۴
فلپائن	۹۹	۶۸ء۲	۴۴	۳۸	۱۱	۸
سنگاپور	۸۸	۷۷ء۴	۵۸	۱۹	۴	۰
جنوبی کوریا	۹۷	۷۴ء۹	۵۲	۴	۱	۴
سری لنکا	۹۲	۷۴ء۲	۳۶	۷	۵	۳
تھائی لینڈ	۹۵	۷۱ء۸	۷۷	۲۹	۴	۰
ویتنام	۹۳	۶۷ء۳	۸۲	☆	۱۸	۵
تمام ایشیا کا تناسب	۸۲	۶۹ء۹	۵۷	☆	۹	۵
ترقی پذیر ممالک کے ہر ملک کا اوسط	۹۳	۶۲ء۹	۵۵	☆	۱۰	۵
صنعتی ممالک کے ہر ملک کا اوسط	☆	۷۹ء۴	۶۱	☆	۱۲	۸

نوٹ :- ☆ سے مراد ہے صحیح اعداد و شمار دستیاب نہ ہو سکے۔(۱)

☆☆

---

(۱)۔ مڈویک میگزین روزنامہ جنگ کراچی ۱۳ نومبر ۱۹۹۶ء

اعترافِ حقیقت

﴿نعرۂ مساوات مرد وزن، فطرت سے جنگ﴾

۱۲-۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء کو نئی دہلی (دگیان بھون) میں ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں پندرہ ملکوں کے فلسفی، سائنٹسٹ، مصنف اور آرٹسٹ شریک ہوئے۔ اس پانچ روزہ کانفرنس کا عنوان تھا: نئے آغاز کی طرف Towards New Begining اس کانفرنس کا اہتمام مرکزی حکومت ہند نے کیا تھا۔

اس عالمی کانفرنس میں مغربی دنیا کی کئی ممتاز خواتین بھی شریک ہوئیں، جو اب بڑھاپے کی عمر میں ہیں اور انہوں نے اپنی پوری زندگی آزادئ نسواں کی تحریک چلانے میں گزاری ہے۔ مگر اب وہ مایوسی کا شکار ہیں۔ آسٹریلیا کی جرمین گریر جو بین اقوامی شہرت کی مالک ہیں۔ ان کے بارہ میں انڈین ایکسپریس (۱۴ جنوری ۱۹۸۷ء) کے نامہ نگار کے الفاظ یہ ہیں کہ آج کل وہ بہت دھیمی نظر آتی ہیں۔ ان کا وہ جوش جو فیمیلی یونک نامی کتاب لکھنے کے وقت ان کے اندر تھا وہ حیرت انگیز طور پر غائب نظر آتا ہے۔ جرمین گرٹر نے مغرب کی آزادی نسواں کی تحریک پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا اس نے کچھ مسائل حل کئے ہیں اور ہم کو کچھ نئے قسم کے مسائل میں مبتلا کر دیا ہے۔

جرمین گریر اپنی جوانی کی عمر میں اتنی آزاد خیال تھیں کہ وہ نکاح کے طریقہ کو ختم کرنے کی وکیل بنی ہوئی تھیں۔ مگر اب وہ بدل چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شاید مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی ماؤں کو اپنے ساتھ نہیں لیا۔ ہم نے انہیں پیچھے چھوڑ دیا اور ان کو قدامت پرست سمجھ لیا۔ اب جب کہ ہم میں سے اکثر ماں بن چکی ہیں۔ اور ہمارے ساتھ لڑکیاں ہیں تو اب ہم مسائل کو کسی قدر مختلف انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ شاید اب ہم اپنی ماؤں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ مغرب کے پاس مرد اور عورت کے درمیان نابرابری کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔ مغربی عورت کا یہ خیال غلط ہے کہ پردہ دار عورتوں کو

برابری حاصل نہیں ہے اور وہ عورتیں جو بناؤ سنگار کے ساتھ اور کھلے سر ہوتی ہیں وہ آزاد ہیں۔ اس فکر کو اب رد کر دیا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ نام نہاد مہذب مغرب میں بھی عورتوں کے مارنے کے واقعات موجود ہیں۔ مزید یہ کہ امریکہ اور انگلینڈ جیسے ملکوں میں بھی تنخواہ اور ملازمت کے معاملہ میں عورتوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، انگلینڈ میں جرائم کی چوتھائی تعداد عورتوں کے خلاف تشدد سے متعلق ہے۔ امریکہ کی ۱۵ فیصد عورتوں کو ان کے شوہر یا بوائے فرینڈ مارتے پیٹتے ہیں۔ (۱)

فرانس کی مز لیمی اس معاملہ میں اور بھی زیادہ کھل کر بولتی ہیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ خواتین نے جو کچھ چاہا تھا وہ سب انہوں نے پالیا۔ مگر ان کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ عورتیں بہت مخصوص قسم کی اخلاقی اقدار رکھتی ہیں۔ انسانیت کے بارے میں وہ ایک مختلف نقطۂ نظر کی حامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کا نقطۂ نظر بہتر ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ عورتوں کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے کو عورت ثابت کریں نہ کہ غیر حقیقی طور پر مرد بننے کی کوشش کریں۔

مذہب کی تعلیمات کے مطابق عورت کا رول ماڈل یہ تھا کہ وہ گھر کو سنبھالے اور بچوں کی تربیت کرے۔ موجودہ زمانہ میں عورتوں کا رول ماڈل یہ بنایا گیا کہ وہ باہر کی زندگی میں نکلیں اور ہر شعبہ میں بالکل مردوں کی طرح کام کریں۔ یہ دوسرا ماڈل تجربہ کے بعد قابل عمل ثابت نہ ہو سکا۔ اپنے بڑھاپے کی عمر میں وہی مغربی خواتین پرانے رول ماڈل کی حمایت کر رہی ہیں، جنہوں نے اپنی جوانی کی عمر میں نئے رول ماڈل کی پر جوش وکالت کی تھی۔

کیا اس کے بعد بھی مذہب کے بتائے ہوئے رول ماڈل کی معقولیت پر شبہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ (۲)

☆☆

(۱)۔ ڈیلی گراف ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۷ء،

(۲)۔ وحید الدین خان ر خاتون اسلام ص ۱۰۱، ص ۱۰۲،

Whither Women's Lib?

They arefe minists of defferent hues – Ms. Germaine Greer. the outspoken, aggressive writer from Australia, and Ms Gisele Halimi, a Tunisianborn lawyer who spearheaded the women's movement in France along with Simone de Beauvoir and others. But both voice a concern that is troubling feminists in the West tody Whiter women's lib? Ms Greer seems more mellow today, the fire that raged in "The Female Eunuch" is strangely missing. "The movement has solved some problems and left us with a different set of problems' exclaimed Ms Grer. Perhaps the problem was that we didn't take our mothers with us. We left them behind, found them antiquated. And now that many of us are mothers ourselves with teenaged daughters, perhaps we understand our mothers better.(1)

The West has no answers to the problems of inequality between sexes, says the internationally acclaimed writer Germaine Greer. The erroneous beliel of the western women that the females in veils are unequal and the ones with make-up minus the head-cover are free and liberated has to be rejected. Referring to the prevalance of wife-beating' even in the so-called' civilised' West, she asks, how about the unequal treatment meted out to females in the US and England in the areas of wages and Jobs? Well. one 'ourth of the crimes in England enmates from vio

☆☆

(1)-Indian Express, January 14, 1987,

lence against women. The man-woman relationship understood in the West as an extension of role-models is the primary cause of strain in the sexual relationships. All the western women identify themselves with the 'bahu' - the bride- forgetting that the motherin-law and the sister-in-law are also the specific role-models to be played by females. She says that child for a woman is a unique investment. 'The joys of motherhood fill the blanks that cannot be satirtated in the specific husband-wife role models. 'Known for her non-conformist and non-traditional views, she advocates 'Coitus interrupts' in the area of birth-control. 'The array of occlusive devices, spermicidal creams, quinine pessaries, douches, syringes, abortifacient pills and rubber goods of all shapes and sizes are the ill-effects of a growing consumer-culture. These have achieved nothing but added strain in the sexual relationships. (1)

Ms Halimi, is more frank. 'It is a bad time for the women's movement,' she admitted. It is down at the movement and we are trying to find the reasons for it. Perhaps we got everything women wanted too fast - contraception, abortion, and divorce. And the problemes that face women today are not strong enough to give the movement new force and strength. 'Women have very specific values and morals. They have a different view of humanity. I am not saying that it is better than that of men but it is different. And women have to prove that they are women, and not, men, she emphasised.(2)

☆☆ (1)-The Hindustan Times, January 12, 1987,
(2)- Indian Express, January 14, 1987.

مرد اور عورت کا فرق

جدید سائنس کا اعتراف :

تاریخ کے ہر دور میں عورتیں، مردوں کے ماتحت رہی ہیں۔ حتیٰ کہ آج بھی مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ صورت حال مکمل طور پر موجود ہے۔ نام نہاد آزادیٔ نسواں تحریک کے مغربی علم بردار اب تک یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ کوئی فطری تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ سماجی حالات Social Conditioning نے مصنوعی طور پر یہ فرق پیدا کر رکھا ہے۔ تاہم حال میں اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں۔ انہوں نے اس مفروضہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

امریکہ کے پروفیسر اسٹیون گولڈبرگ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے : ''نظام سرداری کی ناگزیریت''۔ مصنف کہتے ہیں کہ معاشرہ میں عورت مرد کے فرق کی وجہ حقیقت کوئی سماجی دباؤ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں جنسوں میں بنیادی فطری فرق اس کا سبب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کو امریکہ کی انتہا پسند خواتین کی طرف سے نہایت سخت خطابات ملے ہیں۔ مثلاً ''ظالم خنزیر'' اور ''مرد سادی'' وغیرہ۔

سادیت، کونت دی سادے (۱۸۱۴۔۱۷۴۰) کی طرف منسوب ہے۔ اس سے مراد ایک قسم کی جنسی کجروی ہوتی ہے۔ جس کے مبتلا کو اس میں لطف آتا ہے کہ وہ معشوق کو جسمانی تکلیف دے۔ ''مرد سادی'' کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مرد جو عورت کے حق میں ظالم ہو۔

کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر گولڈبرگ سے جب ''ڈیلی ایکسپریس'' کا نمائندہ ملا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا ''مساواتِ نسواں کی علم بردار خواتین مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تمام انسانی معاشروں میں مرد کا عمومی غلبہ Male dominance صرف سماجی حالات کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔''

اس فرق کی زیادہ حقیقت پسندانہ توجیہ یہ ہے کہ اس کو مردانہ ہارمو
Male Hormone کا نتیجہ قرار دیا جائے جو کہ ابتدائی جرثومہ حیات پر اس وقت
غالب آجاتے ہیں جب کہ وہ ابھی رحم مادر میں ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ چھوٹے
ہمیشہ چھوٹی بچیوں سے زیادہ جارح ہوتے ہیں اور یہ فرق عین اس وقت ظاہر ہو جا
ہے جب کہ ابھی وہ سماجی حالات کے زیر اثر بھی نہ آئے ہوں۔

مساوات نسواں کے علم برداروں کا مقدمہ، خالص علمی، اعتبار سے زیادہ
مضبوط نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ مرد کا غلبہ سماجی حالات کی وجہ سے ہے نہ
پیدائشی خصوصیات کی وجہ سے، تو یقیناً کبھی نہ کبھی دنیا کے کسی خطہ میں ایسا معاشرہ
ضرور بنتا جس میں عورتوں کو غلبہ حاصل ہوتا۔ جب کہ پوری معلوم تاریخ میں ایسی
کوئی مثال نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ اشتراکی معاشرہ میں بھی ایسا نہیں ہے۔ جو جنسی مساوات
سب سے بڑا علم بردار ہے۔ روس کی وزارتی کابینہ میں ۲۲ طاقتور وزراء شامل ہیں
ان میں کوئی ایک بھی خاتون ممبر نہیں۔

علم الانسان کی ماہر خاتون ڈاکٹر مارگریٹ میڈ، جو خود بھی مساوات نسواں
کی تحریک سے تعلق رکھتی ہیں، انہوں نے ساری عمر مختلف انسانی معاشروں کا مطالعہ
کیا ہے، تاہم وہ لکھتی ہیں:

"ایسے تمام دعوے جن میں زور شور کے ساتھ ایسے معاشروں کا انکشاف
کیا گیا ہے جہاں عورتوں کو غلبہ حاصل تھا، بالکل لغو ہے۔ اس قسم کے عقیدہ کے لئے
کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ہر دور میں مرد ہی امور عامہ کے قائد رہے ہیں اور گھر
کے اندر بھی اعلیٰ اختیار ہمیشہ انہیں کو حاصل رہا ہے۔"

پروفیسر گولڈبرگ کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد عورتوں سے بہتر
Better ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورتوں سے مختلف dif-
ferent ہیں۔ مرد کا دماغ اس سے مختلف طرز پر کام کرتا ہے جس طرح عورت
دماغ کام کرتا ہے۔ یہ فرق چوہوں وغیرہ کے نر اور مادہ میں بہت واضح طور پر تجربہ
جا چکا ہے۔ کچھ عورتیں مستثنیٰ ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ بہت معمولی اقلیت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں، رحم مادر سے لے کر سوچنے کی صلاحیت تک، یہ فرق دونوں کی حیاتیاتی نوعیت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کے سماجی حالات سے۔(۱)

WOMEN ARE BORN SUBORDINATE

It's a rough old world for women, as the feminists never cease to remind us. They blame centuries of social conditioning-a kind of conspiracy whereby men all over the world somehow contrive to keep women in a subordinate role. A much simpler, and more probable explanation is that universal male dominance stems not from social oppression but fundamental differences between the sexes. This is the view put forward by Professor Steven Goldberg of New York in his Book, *The Inevitability of Fatriarchy* which has carned him some shrill abuse from feminists in America ("Fascist Pig" and "Male Sadist" are two of the milder epithets). and has upset a few here too, since the arrived to launch the British publication, "The feminists hate me." Goldberg told me cheerfully. "I like to think their intense wrath stems from my inherent rightness. Putting it simply I believe that the universlity of male dominance in all societies cannot be explained by social conditioning."

"But it can be explained by the male hormone

(۱)۔ وحید الدین خان رخاتون اسلام ص ۱۳۱۔ ص ۳۳۔

testosterone which 'programmes' the infant male for a life of greater aggression and dominance while he is still in the womb. "That's why little boys are clearly more aggressive than little girls even before they've had a chance to be socially conditioned. "and in later life this same dominance means that men are far more ready to sacrifice holidays, health and family for the sake of their career." In truth the feminist case is none too strong. If it really were true that male dominance was due to social conditioning rather than innate male qualities. then surely somewhere in the world at some time a society would have evolved in which women were dominant. None has. And even in societies like those behind the iron Curtain which boast of sexual equality. one sex is obviously "more equal" than the other. You can seeit in Russia's 62-strong council of ministers. Not one is a woman.

After a lifetime spent researching the diverse societies of the world that expert woman anthropologist Margaret Mead, Who is commonly thought to be on the feminist side, has declared:

"All the claims so glibly made about societies ruled By women are nonsense. We have no reason to believe that they ever existed...... Men have always been the leaders in public affairs and the final authorities at home."

Does that mean that men are better than women? Professor Goldberg wags warning finger. "Not better but different." The male brain works differently

from the female brain. In I.Q. tests with men and women of similar intelligence levels, the men tend to score higher on logical and deductive problems, though the women will generally do better in verbal skills.

"Unquestionably women have greater emotional awareness even before they have children. Little girls are commonly more thoughtful ana sensitive to parental moods than little boys."

Professor Goldberg's proposition is quite simply. that they are much less likely to get to the top-and all becaus of testosterone. The masculinization of the brain by this hormone has been demonstrateu conclusively by experiments on female rats and other mammals. "And we have now found the same thing with human beings." Says Goldberg.

The professor concludes: "The central fact is that men and women are different from each other from the gene to the thought to the act. These differences flow from the biological natures of man and woman."

Women who deny their natures and covet a state of second rate manhood are torever condemned to argue against their own juices. The experience of men is that there are few women who can out-fight them and few who can out-argue them. but when a woman uses feminine means she can deal with may man as an equal. In this and every other society men look to women for gentleness, kindness

and love. The basic male motivation is protection of women and children. "The feminist cannot have it both ways: If she wishes to sacerifice all this, all that she will get in return is the right to meet men on male terms. She will lose." (1)

بنیادی فرق :

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر الکس کیرل (۱۸۷۳ء۔۱۹۴۴ء) نے مذکورہ موضوع پر نہایت نفیس بحث کی ہے۔ وہ اس معاملہ کی حیاتیاتی تفصیلات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

مرد اور عورت کے درمیان جو فرق پائے جاتے ہیں وہ محض جنسی اعضا کی خاص شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلیم کی وجہ سے نہیں ہیں۔ وہ اس سے زیادہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ وہ خود نسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور پورے نظامِ جسمانی میں خصوصی کیمیائی مادے کے سرایت کرنے سے ہوتے ہیں جو کہ خصیۃ الرحم سے نکلتے ہیں۔ ان بنیادی حقیقتوں سے بے خبری نے ترقی نسواں کے حامیوں کو اس عقیدہ تک پہونچایا ہے کہ دونوں صنفوں کے لئے ایک طرح کی تعلیم، ایک طرح کے اختیارات اور ایک طرح کی ذمہ داریاں ہونی چاہئیں۔ باعتبارِ حقیقت عورت نہایت گہرے طور پر مرد سے مختلف ہے۔ عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔ یہی بات اس کے اعضاء کے بارے میں بھی درست ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کے بارے میں۔ عضویاتی قوانین بھی اتنا ہی اٹل ہیں جتنا کہ فلکیاتی قوانین اٹل ہیں۔ ان کو انسانی خواہشوں سے بدلا نہیں جاسکتا۔ ہم مجبور ہیں کہ ان کو اسی طرح مانیں جیسے کہ وہ ہیں۔ عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو خود اپنی فطرت کے مطابق ترقی دیں، وہ مردوں کی نقل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تہذیب میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے جتنا کہ مردوں کا ہے، انہیں اپنے مخصوص عمل کو ہرگز چھوڑنا نہیں چاہئے۔

(1)- Daily Express, London, July 4, 1977, (ایضاً) ☆☆

Woman Differs Profoundly From Man

The differences existing between man and woman do not come from the particular form of the sexual organs, the presence of the uterus, from gestation, or from the mode of education. They are of a more fundamental nature. They are caused by the very structure of the tissues and by the impregnation of the entire organism with specific chemical substances secreted by the ovary. Ignorance of these fundamental facts has led promoters of feminism to believe that both sexes should have the same education, the same powers and the same responsibilities. In reality woman differs profundly from man. Every one of the cells of her body bears the mark of hersex. The same is true of her organs and, above all, of her organs and, above all, of her nervous system. Physiological laws are as inexorable as those of the sidereal world. They cannot be replaccd by human wisbes. We are obliged to accept them just as they are. Women should develop their aptitiudes in accordance with their own nature, without trying to imitate the males. Their part in the progress of civilization is higher than that of man. They should not abandon their specific functions.(1)

☆☆

(1)- Dr. Alexis Carrel, Man, The Unknown New York, 1949 P-91

مغربی تہذیب کے مخصوص نظریات میں سے ایک نظریہ مرد اور عورت کی مساوات تھا۔ مغربی دنیا میں پچھلے سو سال سے اس نظریہ کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ مگر یہ تجربہ سراسر ناکام ثابت ہوا ہے۔ کسی بھی شعبہ میں یہ ممکن نہ ہو سکا کہ مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا جائے۔ قانون کے اعتبار سے برابر کا درجہ پانے کے باوجود عملی طور پر دونوں سماج کے اندر برابر کا مقام حاصل نہ کر سکے۔

اس فرق کے بارہ میں ابتداً یہ کہا گیا کہ یہ فرق ماحول Environment کا پیدا کردہ ہے۔ مگر جدید تحقیقات اس مفروضہ کو سراسر بے بنیاد ثابت کر رہی ہیں۔ مختلف شعبوں میں تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ یہ فرق حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے۔ تمام تر پیدائشی ہے نہ کہ تاریخی۔

نیویارک کے نیوزویک ۱۸ مئی ۱۹۸۱ء میں ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں مختلف امریکی محققین کے نتائج تحقیق درج ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ عورت اور مرد کی بناوٹ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرد کا مسائل کو حل کرنے میں زیادہ بہتر ثابت ہونا، عورتوں کا جذباتی طور پر سوچنا، لڑکیوں کے مقابلہ میں لڑکوں کا زیادہ بہادرانہ انداز سے کھیلنا، ریاضیات میں مردوں کا زیادہ برتر رہنا، یہ سب دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے نہ کہ محض ماحول کا۔

محققین کا خیال ہے کہ قائدانہ خصوصیتیں Leadership capac-ities مردوں میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ جدید تحقیقات لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف لے جا رہی ہیں کہ سابقہ خیال کے برعکس پرورش Nurture نہیں بلکہ فطرت Nature جدا جدا ہوتے ہیں اور وہی دونوں کے درمیان فرق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کچھ محققین نے نر کے ہارمون Harmone testoste-rone کو مادہ کے جسم میں داخل کیا تو مادہ کے اندر نر کی خصوصیات محسوس کی جانے لگیں۔ کچھ لڑکیوں میں پیدائش سے پہلے مردانہ ہارمون داخل کر دیے گئے۔ چنانچہ پایا گیا کہ پیدائش کے بعد ان میں گڑیوں سے کھیلنے کا شوق بہت کم تھا، ان میں لڑکوں کی

طرح جارحیت کا مزاج زیادہ پایا گیا۔

محققین نے پایا ہے کہ ہارمون خود دماغ کے ڈھانچہ کو بدل دیتے ہیں۔ نر اور مادہ کے دماغ Brain میں فرق پایا گیا ہے۔ اور اس کا سبب دونوں کے ہارمون کا فرق ہے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ دونوں صنفوں کے درمیان ناقابل انکار فرق Un-deniable difference موجود ہے۔

یہ تحقیقات واضح طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ عورت اور مرد کی تخلیق میں فرق ہے اور جب دونوں میں فرق ہے تو دونوں کا دائرہ عمل الگ الگ ہونا چاہئے۔ مگر جو لوگ لمبی مدت تک پچھلے خیال کے ساتھ وابستہ رہے ہیں وہ ابھی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ایک مغربی عالم نے کہا کہ :

Whether these physiological difference destine men and women for separtate role in society and far more delicate question.

کیا یہ عضویاتی فرق مردوں اور عورتوں کے لئے سماج کے اندر الگ الگ کردار مقرر کرتے ہیں، یہ ایک علیحدہ اور زیادہ پیچیدہ سوال ہے (۱)

اس سے پہلے امریکہ کے ایک اور ہفتہ وار میگزین ٹائم ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء نے اس موضوع پر تفصیلی رپورٹ شائع کی تھی۔ میگزین کے وسیع ادارتی اسٹاف میں سے ۲۰ تعلیم یافتہ خواتین کو مقرر کیا گیا کہ وہ "جدید امریکہ میں عورتوں کی حالت" کا جائزہ لیں۔ انہوں نے ہر میدان میں اس کا جائزہ لیا اور ہر شعبہ کے ماہرین سے مدد لی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مفصل رپورٹ تیار کی جو خصوصی نمبر کے طور پر مذکورہ میگزین میں شائع ہوئی۔ اس رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس کے تمام متعلقہ شعبوں کی تحقیق کے مطابق مرد جنس غالب Dominant sex ہے۔

ٹائم کی اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ سو سالہ جدوجہد کے باوجود امریکی عورت ابھی تک اسی مقام پر ہے جہاں وہ سو سال پہلے تھی۔ مرد اب بھی عملاً امریکہ

☆☆

(۱)۔ ریڈرس ڈائجسٹ، اکتوبر ۱۹۸۱ء

میں جنس برتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ قدیم نظریہ کے مطابق، سماجی نہیں ہے بلکہ تمام تر حیاتیاتی اور نفسیاتی ہے۔ مغرب میں آزادیٔ نسواں کی تحریک سو سالہ تجربہ کے بعد اب اس رائے پر پہنچی ہے کہ حیاتیاتی حقائق عورت کو مرد کے برابر مقام دینے میں رکاوٹ ہیں۔ یہ قدرت کا ظلم ہے نہ کہ سماج کا ظلم۔ اس لئے اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ سائنس آف ایو جینکس کے ذریعہ رحم مادہ میں جینٹک کوڈ کو بدل دیا جائے اور اس طرح نیا حیاتیاتی نظام وجود میں لایا جائے جس میں نئے قسم کی عورتیں پیدا ہوں اور مردوں کی برتری ختم ہو کر یکساں صنفی صلاحیت کا سماج بن سکے۔ یہ تجویز ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بطور خود یہ نظریہ قائم کرلے کہ مچھلی اور بکری دونوں ایک ہی صنف سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے مچھلی کو بھی دودھ دینا چاہئے، جس طرح بکری دودھ دیتی ہے اور جب کوشش کے باوجود مچھلی دودھ نہ دے تو وہ کہے ہم میڈیکل سائنس کے ذریعہ نئی قسم کی مچھلیاں پیدا کریں گے جو بکری کی مانند دودھ دینے لگیں۔

فطرت سے جنگ :

کسی ڈاکٹر کو ایک روز خیال آجائے کہ منھ کا مقام چہرہ پر نہیں بلکہ پیٹ پر ہونا چاہئے اور اس کے بعد وہ آپریشن کے ذریعہ منھ کو چہرہ سے ہٹا کر پیٹ پر منتقل کرنا شروع کردے۔ تو دنیا اس کی بیوقوفی پر ہنسے گی۔ کیونکہ فطرت نے کسی چیز کا جو مقام متعین کردیا ہے وہاں سے اس کو ہٹایا نہیں جاسکتا۔ ہماری کامیابی یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ کر معاملہ کریں۔ نہ کہ خود ساختہ نظریہ کے تحت اشیاء کی ترتیب بدل کر ایک نیا نقشہ بنانے کی مہم شروع کردیں۔

اس تخیل پسندی کی ایک مثال عورت کا مسئلہ ہے۔ جدید تہذیب نے زندگی کا نیا نقشہ بنانا شروع کیا، تو اس میں اس کا ایک نعرہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات ہونی چاہئے۔ اس خوش نما تخیل کو وجود میں لانے کے لئے خاندان اور معاشرت کا سارا ڈھانچہ الٹ پلٹ دیا گیا۔ مگر آخر میں جو چیز حاصل ہوئی

یہ کہ عورت گھر سے باہر تو آگئی۔ مگر عملی زندگی میں وہ مرد کی ہم سر نہ ہو سکی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ یہاں فطرت نے انسانی تخیل کا ساتھ نہیں دیا۔ (۱)

انسانیت کے تاجدار حقوقِ نسواں کے مثالی علمبردار ﷺ

تاریخ اُمم، تہذیب اقوام، اور مذاہب عالم کے تاریخی، تحقیقی اور تقابلی مطالعہ کی روشنی میں "صنف نازک" پر تاریخ انسانی کے تاریک ترین ادوار اور بہیمانہ مظالم کی اس طویل تاریخ کے مطالعہ کے بعد صنف نازک کے محسن اعظم اور حقوق نسواں کے مثالی علمبردار انسانیت کے تاجدار ﷺ کے طبقۂ نسواں پر احسان عظیم پر مبنی فرامین کی اہمیت و عظمت کے متعلق یہ کہنا کہ آسمان نے روز و شب کی ہزار کروٹیں بدلیں، لیکن احترام نسواں کے لئے اس سے زیادہ پر درد اور پر خلوص آواز نہیں سنی۔ مبالغہ نہیں۔

ایک زمانہ تھا جب صنف نازک تہذیب، تاریخ، اقوام اور مذاہب عالم میں بہیمانہ مظالم کا شکار تھی، اسے مجسم گناہ، گناہوں کا مخزن، ہزار مکاریوں کا محل۔ امرت ملا ہوا زہر، زہریلی ناگن اور اژدھے کے غصہ سے تشبیہ دی جاتی تھی، جہنم کا دروازہ اور بدی کا منبع تصور کیا جاتا تھا۔

عورت مظلوم و مقہور، محکوم و مجبور، مردوں کے طرح طرح کے مظالم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس ذلت و رسوائی کے سیاہ بادلوں کے خاتمہ کے لئے دست بدعاء تھی کہ رحمت خداوندی جوش میں آئی، عورت کی دنیا پر چھائی ہوئی تاریکی کے مہیب بادل چھٹ گئے۔ اس کی شام غم صبح عید سے بدل گئی کہ!

۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ ۶ مارچ ۶۳۲ء کو طبقۂ نسواں کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار نفوس قدسیہؓ سے "خطبۂ حجۃ الوداع" کے موقعہ پر فرمایا!

☆☆

(۱)۔ حوالہ سابقہ (خاتون اسلام)، ص ۷۹۔ ص ۸۰۔

"اے لوگو!

تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے ......بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ .. اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اور ان کو اپنے اوپر اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہذا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو"۔(۱)

عورت اور محسن انسانیت ﷺ

غیر مُسلم مفکرین اور مشاہیر کا اعترافِ حقیقت:

عورت چونکہ تمدنِ انسانی کا مرکز و محور اور باغ انسانیت کی زینت ہے، اس لئے اسلام نے اسے باوقار طریقے سے وہ تمام معاشرتی حقوق عطا کئے جن کی وہ مستحق تھی۔ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ قرار دیا، دیگر اقوام و تہذیبوں کے برعکس اسے اپنا ذاتی مال و ملکیت رکھنے کا حق دیا، شوہر سے ناچاقی کی صورت میں خلع کا حق دیا۔ نکاح ثانی کرنے کی اجازت دی، وراثت میں اس کو اس کا حصہ دلایا۔ اسے معاشرے کی قابل احترام ہستی قرار دیا۔ اور اس کے تمام جائز قانونی، معاشی و معاشرتی حقوق کی نشاندہی کی۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ!

"ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی شے نہیں سمجھتے تھے۔ (یعنی معاشرہ میں اس کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں تھی) مگر جب اسلام آیا اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا خصوصی تذکرہ کیا تو پھر احساس ہوا کہ ہم پر عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ☆☆

(۱)۔ صارد انش ر خطبہ حجۃ الوداع ص ۱۱۔

جیسا کہ ہمارا ان پر حق ہے۔(۱)

قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات سے قطع نظر ہم غیر مسلم مؤرخین، اور دانشوروں کی آراء کو پیش کریں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہی درحقیقت حقوق نسواں کا علمبردار، حقیقی ضامن، نجات دہندہ اور محسن ہے۔

اب ان نام نہاد آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کے علمبرداروں اور مغرب پرست حلقوں اور دین اسلام کے نکتہ چینیوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ خود مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم فلسفیوں، مؤرخوں، مفکروں، ادیبوں، راہبان کلیسا، غیر مسلم ارباب فکر و نظر، دانایان فرنگ اور دانشوران عالم نے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے دین اسلام کو "علمبردار حقوق نسواں" اور نجات دہندہ قرار دیا ہے۔

معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان "اسلام کا اثر مشرقی عورتوں کی حالت پر" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہے!

"اسلام نے مسلمان عورتوں کی تمدنی حالت پر نہایت مفید اور گہرا اثر ڈالا انہیں ذلت کے بجائے عزت و رفعت سے سرفراز کیا اور کم و بیش ہر میدان میں ترقی سے ہمکنار کیا۔ چنانچہ قرآن کا قانون وراثت و حقوق نسواں یورپ کے قانون وراثت و حقوق نسواں کے مقابلہ میں بہت زیادہ مفید اور زیادہ وسیع اور فطرت نسواں سے زیادہ قریب ہے۔

موصوف مزید لکھتے ہیں!

"عورتوں کی حالت پر اسلام کے اثر کو دریافت کرنے کا عمدہ، طریقہ یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ قبل از اسلام ان کی کیا حالت تھی؟ جو برتاؤ قبل از اسلام عورتوں کے ساتھ ہوتا تھا اس کا پتہ ہمیں قرآن کے بعض احکام و نواہی سے ملتا ہے۔

مثلاً ارشاد ربانی ہے!

☆☆

(۱)۔ بخاری ر کتاب اللباس،

"اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ، مگر جو پہلے ہو چکا، یہ بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا چلن ہے، حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی۔ اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں، اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ جن کو کہ جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی، اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اس نکاح میں، اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں، اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا ہے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (۱)

ان احکام و نواہی سے معلوم ہوا کہ جن اقوام نے ان احکام پر عمل کیا ان کا کردار کتنا بلند اور اخلاق کیسا پاکیزہ رہا ہے۔

موصوف مزید رقمطراز ہیں!

"اگر ہم معلوم کرنا چاہیں کہ اسلام نے عورتوں پر کیا اثر ڈالا تو ہمیں تمدن اسلامی کے زمانہ میں ان کی حالت کو دیکھنا چاہئے، اقوال مؤرخین سے جن کو ہم اب نقل کریں گے معلوم ہو گا کہ تمدن اسلام میں عورتوں کو بالکل وہی مرتبہ دیا گیا تھا جو انہیں بہت مدتوں بعد یورپ میں حاصل ہونے والا تھا۔ یعنی بعد اس کے کہ اندلس کے عربوں کا سپاہیانہ برتاؤ یورپ میں جاری ہوا ہم دیکھ چکے ہیں کہ اہل یورپ میں سپاہیانہ اخلاق جس کا ایک بڑا جزو عورتوں کا برتاؤ تھا، عربوں سے آیا، اور وہ مذہب عیسائی نہ تھا، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا تھا، بلکہ اسلام تھا جس نے عورتوں کو اس وقت کی گری ہوئی حالت سے ترقی دی، دیکھئے۔ (۲)

اس بحث کے بعد کہ اسلام نے عورتوں کو علوم و ادب میں نہایت بلند مرتبہ پر فائز کیا رقم طراز ہیں!

☆☆

(۱)۔ سورۃ النساء آیت ۲۲، ۲۳۔

(۲)۔ گستاؤلی بان / تمدن عرب ص ۲۷۳، ۲۷۴

پس ہم نے ثابت کر دیا کہ ہمارا قول بالکل صحیح ہے، کہ اسلام نے عورتوں کے درجہ کو گھٹانے کے بجائے بڑھایا ہے، یہ رائے ہم نے ہی پہلے ظاہر نہیں کی ہے بلکہ ہم سے پہلے "موسیو کوسان دی پر سواں" کا بھی یہی قول تھا اور حال ہی میں "موسیو مار تھالیمی سینٹ ہیلر" نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ اسلام نے عورتوں کی حالت کی بہت اصلاح کی ہے اور یہی مذہب ہے جس نے ایسا کیا، بہت آسانی سے ثابت ہو سکتا ہے کہ کل مذاہب اور اقوام میں جو عربوں سے پہلے تھیں عورتوں کی حالت بہت ہی ابتر تھی۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنے اس قول کی تائید کے لئے بر سبیل اختصار لکھتے ہیں!

یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے، جن کا مصرف صرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا، اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس عورت کو مار ڈالتے تھے۔

موصوف مزید رقمطراز ہیں!

زمانہ قدیم کے کل مقنوں نے عورتوں کے ساتھ ایسی ہی سختی کی ہے۔ ہندوؤں کا قانون کہتا ہے! تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ، ان میں کوئی اس قدر خراب نہیں ہے جتنی عورت۔ کتاب مقدس بھی اس سے کچھ کم سخت نہیں اس میں بھی لکھا ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے، عہد نامہ قدیم کے باب "واعظ" میں لکھا ہے جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا، ہزار آدمیوں میں میں نے ایک خدا کا پیارا دیکھا ہے لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی کہ جو خدا کی پیاری ہوتی۔ (۱)

یورپ کا مشہور مؤرخ آرتھر گلمن Arthur Gilman اپنی کتاب "History of The Islam" میں لکھتا ہے کہ:-

"میں کافی تحقیقات کے بعد لکھتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ سو برس بعد عورت کو نہایت حقیر و ذلیل سمجھ لیا گیا تھا، اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اور اس

---

(۱)۔ حوالہ سابقہ ص ۳۷۶۔

کے کچھ حقوق نہ تھے۔ ۶۱۱ء میں پیغمبر اسلام نے عورتوں کو بلندی عطا کی۔ اور ان کو ذلت سے نکال کر عزت و عظمت کے عرش پر پہنچادیا۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کا جتنا احترام کیا ہے دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا۔ اور پیغمبر اسلام ﷺ نے عورت کی جیسی حمایت کی ہے دنیا کے کسی ریفارمر نے نہیں کی، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے عورتوں کی ڈوبتی ہوئی عزت کو سہارا دیا اور تباہی سے بچایا۔ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں عورت کی ذلت حد سے گزر چکی تھی۔ عرب میں لڑکیاں موجب ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں اور اگر وہ حسین و جمیل نہ ہوتی تھیں تو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ یونان میں کمزور اور بد صورت لڑکیاں مار ڈالی جاتی تھیں، اور یونان کے بعض صوبوں میں لوگ اپنی بیویوں کو عارضی طور پر قرضے میں دیدیا کرتے تھے۔ اور قرضہ ادا ہونے کے بعد واپس لیتے تھے۔ انگلستان میں بھی عورت کی حیثیت نہایت ہی ذلیل تھی۔ عورتوں کو نوکروں کے زمرئے میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے سرپرست اور پادری کی غلامی کرے۔ عیسائیوں کی ایک مذہبی جماعت کا یہ خیال تھا کہ "عورت" انسانی روحوں کے تباہ کرنے کا شیطانی آلہ ہے۔ اس خیال کی وجہ سے سمجھدار آدمی بھی اس کو حقیر سمجھتے تھے۔ آج بھی یورپ میں عورت کو جو آزادی حاصل ہے وہ کسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ یورپ نے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ایسا کیا ہے۔ عیسائی مذہب کے قانون میں عورت کی حمایت نہیں کی گئی۔ جو مذہبی خیال کے عیسائی نہیں وہ اب بھی عورت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ اور اکثر مذہبی حلقوں میں عورت کو "بچے پیدا کرنے کی مشین" سمجھا جاتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ۶۱۱ء میں عورت کی ذلیل حیثیت تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے عورت کی پرزور حمایت کی، حضرت محمد ﷺ کی سیرت پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کا بہت احترام کرتے تھے۔ میں نے جہاں تک اسلامی تعلیم کا مطالعہ کیا ہے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں حقوق قریب قریب برابر رکھے گئے ہیں۔ اور عورت کو محض "بچے پیدا

کرنے کی مشین" اور "روحوں کو تباہ کرنے کا شیطانی آلہ" قرار نہیں دیا گیا۔ اسلام کا حکم ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرو اور مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے شادی نہ کرو ان کو تکلیف نہ دو اور اُن کے عزیز و اقرباء کے ساتھ بہتر سلوک کرو اور ان کی تعلیم میں سعی و کوشش کرو، مجھے معلوم ہے کہ عیسائی مذہب کے قانون کی وجہ سے کوئی عورت عیسائی مذہب کی عالمہ نہیں کہلائی جا سکتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ گرجا کی خادمہ بن سکتی ہے، اور نوکروں کی طرح اپنی زندگی وقف کر سکتی ہے برخلاف اس کے اسلام میں "تحصیل علم" عورت و مردوں کے لئے یکساں ضروری ہے۔ "فضل اور تعلیم و تربیت کا دروازہ ہر ایک کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے۔

اسلامی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ مسلمان عورتیں عالم، فاضل و شاعر، خطیب، سیاست داں، حکمراں اور ہر فن میں باکمال ہوئی ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ جیسے مذہبی آدمی نے نفیسہ خاتونؒ سے تعلیم حاصل کی تھی اور حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے آسیہ بیگمؒ سے کتابیں پڑھی تھیں اور حضرت محی الدین عربیؒ نے آمنہ بیگمؒ ایک خاتون کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ غرض اسلام نے ہر طرح زندگی کے ہر شعبے میں عورت کے حقوق کا لحاظ رکھا ہے اور اس کو غلامی کی سطح سے بلند کر کے اہل فضیلت کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا ہے۔ (۱)

والٹیر Voltaire اپنے مضمون بعنوان "فلسفۂ قرآن" کے تحت ڈکشنری آف فلاسفی Dictionary Of Philosophy میں لکھتا ہے!

"ہم اس سے ناواقف نہیں کہ قرآن، عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے، جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے۔ لیکن قرآن اس بارے میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو "خدائی سزا" نہیں مانتا۔ جیسا کہ سفر التکوین احق میں الثالث نمبر ۱۶ میں ہے۔

یہ غلط بیانی اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد (ﷺ) جیسے عظیم شارع کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناانصافی منسوب کی جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ!

☆☆

(۱)۔ ترجمہ ہسٹری آف دی اسلام، انڈیا (س۔ن) ص ۱۴۱۔

قرآن کہتا ہے کہ!

فَاِنْ کَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (۱)

"اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۲)

"اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور ان سے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں فکر سے کام لیتے ہیں۔"

ایک دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب "Defence of Islam" میں لکھتا ہے :-

"اگر معاشرتی نقطۂ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچ گئی ہے، تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی و قانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ و مقام میں اس سے کم ہے جو مسلمان عورت کو عالم اسلامی میں حاصل ہے۔" (۳)

☆☆

(۱)۔ سورۃ النساء آیت ۱۹،

(۲)۔ سورۃ الروم آیت ۲۱،

(۳)۔ حوالہ سید ابوالحسن علی ندوی ر کاروان زندگی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۶/۱۷۹، ۱۸۰،

مشہور ہندو ادیب اور سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد "عرب کا چاند" میں
ام سے قبل عورت کی معاشی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے!
انسان کی بہیمیت کی صفات اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہو گئی تھیں،
توں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا...... پانچ پانچ سات سات
کی نوعمر پھول سی بچیوں کو کھلا پلا کر اور خوبصورت کپڑے پہنا کر باہر لے جا کر کسی
ھے میں دھکیل کر پیوند زمین کر دینا ان کے ظلم و ستم کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔(۱)

مسٹر MR. N. Coulson لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں
ے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین
ر تعداد میں ہیں جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ
یوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں، اسے قانونی شخصیت عطا کی
جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی
یلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے"۔(۲)

مشہور پارسی لیڈر سی۔اے۔سورما اپنے مضمون "حضرت محمد ﷺ اور
ورتوں کی ترقی" میں لکھتے ہیں!

"اسلام نے عورت کا درجہ بہت بلند کیا ہے اور ان کی حالت میں جو اصلاح
لی ہے وہ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کی، اس لئے ہم حضرت محمد ﷺ کو عورتوں
کے حقوق کا سب سے بڑا علمبردار کہہ سکتے ہیں، اسلام کے متعلق متعصب مصنفین اور
اندھے علماء نے بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی ہیں اور ان کے ضمن میں یہ بھی مغالطہ کیا
جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے عورتوں کو ان کی سابقہ پوزیشن سے گرا دیا، حالانکہ یہ
قطعی غلط ہے۔

☆☆

(۱)۔سوامی لکشمن پرشاد رعرب کا چاند، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور (طبع ہفتم) ص ۳۶، ص ۳۷،
(۲)۔ Mr.N. Coulson/ Islamic Surveys A History of Islamic Law Ediunburg . 1971. P-14.

مزید لکھتے ہیں!

پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچ
ہوں کہ پیدائش سے لے کر وفات تک رسول اسلام علیہ السلام نے اپنی ساری زند
سرگرمی اور کوشش عورتوں کا درجہ بلند کرنے میں صرف کر دی اور آپ علیہ السلام
ان کے سیاسی، عمرانی اور تمدنی حقوق کے تحفظ اور ان کی اصلاح کے لئے جس
کوششیں کیں وہ اپنی جگہ اس قدر وزنی ہیں کہ ان سے کوئی صحیح العقل انسان گریز نہ
کر سکتا، عورتوں کے مردوں کے مساوی حقوق دینے میں حضرت محمد علیہ السلام
کوششیں جس قدر مفید ثابت ہوئی ہیں اس کا اندازہ عورتوں کی موجودہ پوزیشن
قبل از اسلام حالت کے موازنہ سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت محمد علیہ السلام کی وفات سے قبل عرب کی کیا حالت تھی، فواحش
گاری، اخلاقی جرائم، دختر کشی کا دور دورہ تھا، وحشت و بربریت، انسانیت سوز حرکت
اور عالم انسانیت پر مظالم کا ایک طوفان تھا۔ جو ہر وقت صحرائے عرب میں ا
رہتا تھا، پیغمبر اسلام کا یہ ہی معجزہ کیا کم ہے، کہ آپ علیہ السلام نے عورتوں کے درجہ
بلند کر دیا۔ عرب کی کایا پلٹ کر دی، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت بھی عورتو
میں بعض عورتیں بہت ممتاز اور اہم درجہ رکھتی تھیں، بعض تجارت میں بہت ا
درجہ کی ساکھ رکھتی تھیں۔ مثلاً ایک خاتون کا مال تجارت لے کر پیغمبر اسلام علیہ السلام
باہر چلے گئے، اور پھر بعد میں آپ علیہ السلام نے ان ہی محترم خاتون کو اپنی زوجیت میں
لیا۔ رسول اسلام علیہ السلام کو اس ہی وقت سے معلوم ہوا کہ دراصل ان کی زندگی کا مقصد
عورتوں کی اصلاح ہے، گو بعض عورتیں اچھی حالت میں ہیں لیکن عمومی طور پر عربوں
کی تمام خواتین کی پوزیشن قطعی ناگفتہ بہ ہے اور اس کا تجربہ اُنہیں ذاتی مشاہدہ سے
ہوا۔ آپ علیہ السلام نے کہا کہ عورت ہی ہے جس سے سکون نفس اور آرام جان میسر آتا
ہے اور مردوں کے بنانے بگاڑنے، یعنی سوسائٹی کی تعمیر میں سب سے بڑا ہاتھ
عورتوں ہی کا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر عربوں کی اصلاح کرنی ہے تو ان کی عورتوں کی
پوزیشن بلند پُر عظمت کرنی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے آپ ﷺ کی زوجہ ہی ایمان لائیں، اور
ب حق نے عورتوں کو ہی یہ اعزاز بخشا کہ وہ ایمان کی حفاظت اور جہاد حریت کی
میں آگے رہیں۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی نظر
عورتوں کا وقار کس درجہ آسودہ و درخشاں تھا۔ معزز رسول ﷺ نے فرمایا کہ
ت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور یہ کہ تم بہشت میں صرف عورتوں کے
سطے داخل ہوگے۔ ان پروقار ارشادات سے رسول کریم ﷺ نے عورتوں کی
گی اور درجہ جس قدر بلند کر دیا ہے اور عملی طور پر عورتوں کی حیات جس قدر
دار مادی اپنی جگہ نہایت زبردست چیز ہے۔

اس کے ساتھ ہی رسول کریم ﷺ نے عورتوں کا قانونی حق بھی تسلیم کیا،
کو مردوں کے مقابلہ میں جائیداد اور املاک کا مالک تسلیم کیا گیا۔ ان کے شہری و
نی حقوق مانے گئے اور ان کا قانون ہستی ایک علیحدہ وجود کی حیثیت سے مانا گیا۔

عورتوں کو اپنے خاوند، بھائی، باپ یا رشتہ قائم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔
لام نے ۱۴ سو سال پہلے انہیں وہ حقوق اور رعایتیں دی تھیں جو یورپ کی مجالس
ین ساز نے گزشتہ صدی کے آخر میں یورپ کی عورتوں کو دی یا اب دی جا رہی
ں۔

قانونی، عمرانی و تمدنی حقوق کے علاوہ معاشرتی شادی بیاہ، طلاق وغیرہ کے
وق میں عورتوں کو حد درجہ آزادی اور سہولت اسلام نے دیدی ہے۔ جو دنیا کے
ی مذہب نے نہیں دی۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کا پیغام عورتوں کے ہر آنے
الے زمانہ کے لئے ایک مستقل شاہراہ ابدی شمع ہدایت ہے۔(۱)

آئرینا میڈمکس تعلیمات نبوی ﷺ میں عورت کے مقام و مرتبہ پر بحث
رتے ہوئے رقمطراز ہے!

"عورت کے حقوق کا تحفظ جس طرح محمد ﷺ نے کیا اس کی مثال دنیا کی
پوری قانونی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسلام میں ایک شادی شدہ مسلم عورت کو آج بھی
☆☆

(۱)۔ حوالہ ماہنامہ پیشوا دہلی جولائی ۱۹۳۳ء،

کسی انگریز عورت سے بہتر قانونی تحفظ حاصل ہے۔ اسلام نے عورت کو وہ ح
عطاء کیے جو آج کی فرانسیسی عورت کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ (۱)

بیروت کے مسیحی اخبار ''الوطن'' نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسا
کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ ''دنیا کا سب سے عظیم انسان کون ہے؟ اس
جواب میں ایک عیسائی عالم ''داور مجاعص'' نے لکھا! دنیا کا سب سے عظیم انسان
محمد بن عبداللہ قریشی عرب اور اسلام کے پیغمبر...... خاندانی اور ازدواجی اصلاحات
ان کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، انہوں نے نکاح اور وراثت کے احکام مقرر
عورت کا مرتبہ بلند کیا (۲)

ریورنڈ آر میکسویل کنگ نے ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء میں ایک لیکچر قد
لیبائٹرین چرچ نیوٹارٹز میں دیا، جس کا عنوان ''دین اسلام'' تھا۔ اس میں مو
نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اسلام کی بنیاد جمہوریت پر ہے۔ اور وہ تمام انسا
برابر سمجھتا ہے۔ اسلامی جمہوری تعلیم کا ایک حصہ عورتوں سے بھی متعلق ہے،
میں جہاں کہیں عورتوں کا ذکر آیا ہے وہاں تعظیم واحترام کے الفاظ استعمال کے
ہیں۔ ان کی محبت و تعظیم، اور بیوی کی محبت و شفقت پر زور دیا گیا ہے۔ (۳)

معروف یورپی عالم لیبان اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''اسلام اور عربی تمد
میں لکھتا ہے! اسلام کی فطری وحدت اپنی بنیاد واساس کے اعتبار سے واحد ہے اس
کہ اس کا مدار ایک کتاب پر ہے اور وہ قرآن ہے، لکھتا ہے!

یہ کتاب دینی، سیاسی اور اجتماعی اعتبار سے قانون ہے۔ اس کے بعد لیبان رقمط
ہے! اسلام کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کا احترام قائم ہو گیا، ملاحظہ ہو۔ (۴)

☆☆

(۱)۔ محمد ثانی (حافظ) / تجلیات سیرت ص ۲۲۶،

Women In Islam 1930. ......☆

(۲)۔ اخبار الوطن بیروت ۱۹۱۱ء،

(۳)۔ حوالہ فاران ستمبر ۱۹۷۶ء،

(۴)۔ ایچ جی ویلز / اسلام اور عربی تمدن، مترجم: شاہ معین الدین ندوی، ندوۃ المصنفین
دہلی (س۔ن) ص ۶۹۔ ص ۷۰،

کینیڈا کے ایک جج اور ماہر قانون مسٹر جسٹس کریا ئٹس نے لکھا ہے!

"حضرت محمد ﷺ غالباً دنیا میں حقوق نسواں کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔"

نامور فرانسیسی قلمکار آندرے سرو میئر نے بھی اس رائے کی تائید کی وہ لکھتا ہے!

"محمد ﷺ نے عورتوں کا حامی بننے کی سعی کی۔ وہ ان کے سلسلہ میں فراخدلی سے بات کرتے ہیں اور انہوں نے انہیں بلند مرتبہ کرنے کی سعی بلیغ کی۔ ان کی اصلاحات سے قبل عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں ملتی تھی۔ اور سب سے قابل مذمت بات یہ تھی کہ متوفی کا سب سے قریبی رشتہ دار عورتوں اور ان کی املاک پر اس طرح قابض ہو جاتا جس طرح وہ اپنے غلاموں اور ان کی املاک پر قابض ہوتا تھا۔"

پیغمبر اسلام ﷺ کے آخری خطبہ (خطبہ حجۃ الوداع) میں یہ تاریخی الفاظ شامل تھے اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرو، کیونکہ تمہاری مدد کی طلبگار ہیں اور اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتیں (۱)

مشہور مستشرق اور لندن یونیورسٹی میں عربی کا سابق پروفیسر ہملٹن اے۔ آر گب Hamilton A.R. Gibb اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے!

"یہ بات آفاقی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی اصلاحات نے عورتوں کے مرتبہ کو عام طور پر بلند کر دیا تھا۔" (۲)

مسز اینی بسنت Mrs. Annie Besant جو جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارہ تھیاسوفیکل سوسائٹی کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، وہ اپنی کتاب "ہندوستان کے عظیم مذاہب" میں لکھتی ہیں۔

☆☆

(۱)۔ نور احمد ر مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۱۷۹،

(۲)۔ Hamilton. A.R. Gibb/ Mohammadan ism, London 1953, P- 33

"قرآن مجید کی آیت ہے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ○ (۱)

اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

پیغمبر محمد ﷺ کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں، بلکہ عورتوں کی وراثت کے لئے پورا قانون قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ قانون اپنے عدل و انصاف اور آزادی کی وسعت اور کار فرمائی میں اس مسیحی و انگریزی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے جس پر اب سے بیس سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے، اسلام نے عورت کے لئے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے، اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور امکانی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے، اور ان کے کسی ایسے حصہ پر (جو وہ اپنے اعزاء و بھائیوں اور شوہروں سے پائیں) دست درازی کا سدباب کر دیا ہے۔ (۲)

ممتاز مغربی اسکالر مانسیور یغنیل کا بیان ہے!

اگر ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہوگا کہ عورتوں کے لئے جو مفید احکام پیغمبر اسلام ﷺ نے صادر کئے ہیں کسی نے نہیں کئے۔ عورتوں پر آپ ﷺ کے بہت احسانات ہیں۔ قرآن میں عورتوں کے حقوق کے متعلق بہت سی مہتم بالشان آیات ہیں۔ بعض آیتوں میں یہ بیان ہے کہ عورتوں سے کس قسم کے تمتعات ناجائز ہیں۔ بعض میں یہ تفصیل ہے کہ کس حشمت و وقار کے ساتھ ان سے معاملہ کرنا چاہئے۔ (۳)

☆☆ (۱)۔ سورۃ النساء آیت ۱۲۴۔

(۲)۔ کتاب، ہندوستان کے عظیم مذاہب، حوالہ سید ابوالحسن علی ندوی / کاروان زندگی، ۶/۷/۱۷۔

(۳)۔ شبلی نعمانی / مقالات شبلی جلد اول، اعظم گڑھ انڈیا، ص ۱۶۴۔

کینیڈا کے مشہور جج اور ماہر قانون مسٹر جسٹس کریا ئٹس نے ایک موقعہ پر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا!

"حضرت محمد ﷺ غالباً دنیا میں حقوق نسواں کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔"(۱)

قدیم دنیا میں مختلف توہماتی خیالات کے تحت عورت کو حقیر سمجھ لیا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں عورت کو جن حقوق سے محروم کیا گیا ان میں سے ایک جائداد کا حصہ تھا۔ خاندان کی جائیداد میں عورت کا حصہ ختم کر دیا گیا۔ یہ اسلام تھا جس نے تاریخ میں پہلی بار باقاعدہ طور پر عورتوں کا وراثتی حصہ مقرر کیا۔

جے ایم رابرٹس نے لکھا ہے:

Its coming was in many ways revolutionary. It kept women, for example, in an inferior position, but gave them legal rights over property not available to women in many European countries until the nineteenth century. Even the slave had rights and inside the community of the believers there were no castes nor inherited status. This revolution was rooted in a religion which-like that of the Jews-was not distinct from other sides of life but embraced them all. (2)

"اسلام کی آمد بہت سے پہلوؤں سے انقلابی تھی۔ مثال کے طور پر اس نے عورتوں کو اگرچہ کم درجہ دیا، مگر اس نے عورتوں کو جائداد پر قانونی حق دیا۔ جو کہ یورپ کے اکثر ملکوں کی عورتوں کو ۱۹ ویں صدی عیسوی تک بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ حتیٰ کہ غلام بھی حق رکھتے تھے اور اہل ایمان کی جماعت کے اندر نہ ذات پات تھی اور نہ پیدائشی درجات۔ اس انقلاب کی جڑیں ایک ایسے مذہب میں جمی ہوئی

☆☆

---

(۱)۔ بحوالہ مولوی نور احمد ر مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۱۷۹،

(۲)۔ J.M. Roberts, The Pelican History of the World New York. 1984, P-334

تھیں جو کہ یہودیوں کی مانند صرف دوسری زندگی سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ سب کچھ اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔

"دہلی ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس مسٹر راجندر سچر نے یہی بات قدیم ہندوستان کے حوالہ سے کہی۔ نئی دہلی کی ایک تقریب میں مسٹر جسٹس سچر نے کہا کہ تاریخی طور پر اسلام عورتوں کو جائداد کے حقوق دینے میں بہت زیادہ فراخ دل اور ترقی پسند رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۵۶ء میں ہندو کوڈ بل بننے سے پہلے ہندو عورتوں کا جائیداد میں کوئی حصہ نہ تھا۔ جب کہ اسلام مسلم عورتوں کو یہ حقوق ۱۴۰۰ سال پہلے دے چکا تھا"۔:

Mr. Justice Sachar said that historically Islam had been very liberal and progressive in granting property rights to women. The fact that there were no property rights to Hindu women untill 1956 when the Hindu Code Bill was passed whereas Islam had granted these rights to Muslim women over 1400 years ago.(1)

جی ڈبلیو لائیٹنر قمطراز ہے!

"عورت کو جو تکریم اور عزت محمد ﷺ نے دی وہ مغربی معاشرے اور دوسرے مذاہب اسے کبھی نہ دے سکے تھے"۔(۲)

پروفیسر راما کرشنا راؤ نے چند سال قبل محسن انسانیت ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب تصنیف کی۔ اسلام اور جدید تہذیب کا مطالعہ کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنی کتاب "اسلام کے پیغمبر محمد" "Muhammad The Prophet of Islam" میں لکھتے ہیں:

"اسلام کی یہ جمہوری روح ہے جس نے عورت کو مردوں سے نجات دلائی

☆☆

(1)۔ The Statesman, Delhi, April 26, 1986

☆ بحوالہ وحید الدین خان، خاتون اسلام، فضلی سنز کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۴۸۔

(2)۔ Leitner, G.W/ Mohammadan ism in religious Systems of the World, Lahore, 1893,

پروفیسر کرشنا راؤ سر چارلس ایڈورڈ ارجبلڈ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان موروثی طور پر گناہوں سے پاک ہوتا ہے مرد اور عورت ایک ہی خمیر سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں ایک ہی روح ہے، ان میں ذہنی، روحانی، اور اخلاقی صلاحیتیں مساوی ہوتی ہیں۔

موصوف مزید لکھتے ہیں!

عربوں کی ایک مضبوط روایت تھی کہ وہ وارث ہو سکتا ہے جو برچھے سے کھیل سکے اور تلوار استعمال کر سکے۔ لیکن اسلام کمزور جنس کا دفاع کرتا ہے اور عورت کو ماں باپ کے ورثہ میں سے حصہ دیتا ہے۔ اسلام نے صدیوں قبل ہی عورت کو جائداد رکھنے کا حق دیا، لیکن ۱۳ صدیاں گزرنے کے بعد ۱۸۸۱ء میں انگلستان نے جو جمہوریت کا بانی سمجھا جاتا ہے اسلام کے اس اصول کو اپنایا اور ایک قانون بنایا جسے "شادی شدہ عورت کا قانون" **(The Married Women`s Act)** کا نام دیا گیا ہے۔

صدیوں قبل پیغمبر اسلام ﷺ نے اعلان کیا تھا کہ خواتین مردوں کی جڑواں نصف حصہ ہیں، خواتین کے حقوق مقدس ہیں اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عورتیں اپنے تسلیم شدہ حقوق سے محروم نہ رہنے پائیں۔ (۱)

میرے کرابائٹس نے جو (مصر کی مخلوط ٹریبونل کا سابق امریکی جج تھا) اپنے ایک مقالہ میں جس کا عنوان ہے "محمد ﷺ نے عورت کے لئے کیا کیا؟"

یہ اعتراف کیا ہے کہ حقوق نسواں کے سلسلہ میں محمد ﷺ کا شاندار کارنامہ وہ حق ملکیت ہے جو انہوں نے اپنی امت کی عورت کو عطا کیا، قانونی درجہ عورت کا بالکل وہی ہے جو اس کے شوہر کا ہے۔

جہاں تک ایک مسلمان بیوی کے حق ملکیت کا تعلق ہے اس کو وہی آزادی حاصل ہے جو کسی پرندے کو پرواز کی حاصل ہوتی ہے، اسلامی قانون اس کی اجازت

☆☆

(۱)۔ راما کرشنا راؤ، اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ، مطبوعہ کریسنٹ پبلشنگ دہلی، ص ۹،

دیتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی رائے کے بغیر اپنے مال و متاع کو دستور کے مطابق جس طرح چاہے صرف کرے۔(۱)

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان (Dr. G. Lebon) لکھتا ہے!

"میراث کے وہ اصول جو قرآن میں آئے ہیں عدل وانصاف کا ایک واضح مظہر ہیں، ان کے اور ان حقوق و قوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے جو فرانس و انگلستان میں عورت کے بارے میں ہیں، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو (جن کے بارہ میں مغرب میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے) میراث کے وہ حقوق دیئے ہیں جن کی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی۔ اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا، اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کر دیا، ان تمام دعاوی و مزعومات کے خلاف جو بغیر کسی دلیل و مطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں، اسلام میں عورتوں کے مرتبہ واہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو بلند علمی وادبی مقام رکھتی تھیں"۔(۲)

ایچ سٹپ رقمطراز ہے!

صدیوں پر محیط ایک طویل عرصہ ہے جس میں مغرب کی عورت کو اپنے باپ دادا کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ مل سکتا تھا وہ اس کی قانونی حقدار نہیں سمجھی جاتی تھی اور اب بھی یورپ کے بہت سے ممالک ہیں جہاں بیٹی کو قانونی طور پر مرنے والے باپ کے ورثہ سے حصہ نہیں ملتا، ہاں اگر باپ وصیت میں اس کے لئے کچھ چھوڑ جائے تو وہ وارثوں میں شامل ہو سکتی ہے۔ محمد ﷺ نے عورت کو قانونی سطح پر یہ مرتبہ بخشا کہ وہ اپنے والد کی جائیداد میں حصہ دار ہے۔

☆☆

(۱)۔ حوالہ نقوش رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۸۲ء جلد سوم ص ۱۱۵،

(۲)۔ گستاؤلی بان رتمدن عرب ص ۳۶۵۔ ص ۳۶۸،

ایس پی اسکاٹ لکھتا ہے!

"محمد ﷺ ہی وہ واحد قانون عطا کرنے والے ہیں جنہوں نے دنیا میں پہلی بار طبقۂ نسواں کے لئے قوانین وضع کئے اور ان کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔ عورت کو اس سے پہلے مردوں کے پدری سماج نے بے آسرا اور بے سہارا بنا دیا تھا، معاشی اعتبار سے اس معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ محمد ﷺ نے ایسے قوانین بنائے اور نافذ کئے کہ تعدد ازدواج کو محدود کر دیا اور عورت کو وراثت کا حقدار قرار دیا۔(۱)

مسٹر پیئر کرپٹس لکھتا ہے!

محمد ﷺ نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی، اس کی قانونی ہستی قائم ہوئی جس کی بدولت وہ مال کی وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی۔ وہ خود اقرار نامے کے قابل ہے۔ اور برقعہ پوش مسلمان خاتون کو ہر ایک شعبۂ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہیں جو آج بیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیمیافتہ آزاد عیسائی عورت کو بھی حاصل نہیں"۔(۲)

جان بیگٹ (جنرل گلپ پاشا) ایک طویل مدت تک عرب ممالک میں قیام پزیر رہے اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب (The Life and Times of Muhammad) تصنیف کی، وہ اس میں لکھتے ہیں!

مالی طور پر حضور ﷺ نے عورتوں کی مدد اس طرح کی کہ وہ میراث کے ایک مقررہ حصہ کی مالک ٹھہرائی گئی۔ اپنے ماں باپ کی جائیداد کے وارثوں میں عورت کو شامل کیا گیا، اسلام سے قبل صرف بیٹے ماں باپ کی جائیداد کے وارث ہوتے تھے۔

حضور ﷺ نے نومولود لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم کو بالکل ختم کر دیا، بیٹوں کو باپ کی بیویوں سے شادی کرنے سے منع فرمایا۔(۳)

☆☆

(۱)۔ حوالہ اردو ڈائجسٹ رحمت للعالمین نمبر، جلد دوئم مئی ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۱۔

(۲)۔ فاران سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء

(۳)۔ جان بیگٹ جنرل گلپ پاشا رمحمد رسول اللہ ﷺ ص ۳۱۰۔

مسز اینی بیسنٹ (Anne Besant) اسلام میں عورت کی حیثیت، مقام، اور حقوق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں!

"یاد رکھیے اسلام کا قانون موجودہ زمانہ تک جب کہ اس کے اجزاء پر انگلینڈ میں بھی عملدر آمد شروع ہو گیا ہے سب سے زیادہ منصفانہ قانون ہے۔ اس قانون میں جہاں تک جائیداد کا تعلق ہے یا طلاق کے معاملات طے کرنا ہے یہ مغربی قوانین سے بہت سبقت لے جا چکا ہے۔ اسلامی قانون کے تحت عورتوں کے عام حقوق کو وسیع تر کر دیا گیا ہے یہ نسبت ان قوانین کے جنہیں آج ہم قانون خیال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔(۱)

مشہور غیر مسلم سیرت نگار آر۔ وی۔ سی۔ باڈلے (R.V.C. Bodley) اسلام اور جدید تہذیب اور مذاہب میں عورت کی حیثیت اور مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"اس طرح ان قوانین نے عرب میں عورت کی وقعت و عزت اس وقت کے مغربی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ بلند کر دی۔ در حقیقت آج بھی ایک مسلمان مرد کو اپنی بیوی کی جائیداد پر اتنے حقوق نہیں ہیں جتنے اکثر یورپین ممالک میں شوہر کو ہیں۔ اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عورت کو اپنی ملکیت کے حقوق میں شوہر سے قطعی آزاد اور خود مختار بنا دیا تھا"۔

باڈلے مزید لکھتا ہے!

"جب کوئی شخص ان احکام کو اور اسی قبیل کے بہت سے احکام کو پڑھتا ہے جو حضرت محمد ﷺ نے اپنی زندگی میں وضع کیے تو اس ضمن میں آپ ﷺ کو بدنام کرنے والوں کی بے انصافیوں پر حیران رہ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ عورت کے متعلق اسلام کی تعلیمات کی دل کھول کر بدگوئی کر کے اور مسلمان عورت

☆☆

1- Annebesant The Life and Teaching of Mohammad /, Madars, 1932, P-3

کو دنیا کی دوسری عورتوں کی نظروں میں ذلیل اور بے عزت کر کے خوش ہوتے ہیں۔(۱)

ممتاز یورپی مصنف پروفیسر "ڈی۔ایس۔مارگولیوتھ-"D.S. Margol-ioth" جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ دشمنی، بہتان تراشی، اعتراضات اور الزامات کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ پر اپنی کتاب میں من گھڑت اعتراضات کا ایک طوفان بپا کیا ہے۔بااین ہمہ نیش زنی ایک موقعہ پر حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

دور جاہلیت کے عرب تو ایک طرف رہے، عیسائیت اور ہندومت میں بھی یہ تصور تک نہ کیا جاسکتا تھا کہ عورت بھی صاحب حیثیت اور صاحب جائیداد ہو سکتی ہے۔یہ مذاہب عورت کو اس کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ وہ مرد کی طرح معاشی اعتبار سے خوشحال ہو سکے۔ عورت کی حقیقی حیثیت ان مذاہب اور ثقافتوں اور معاشروں میں ایک باندی کی سی تھی، جو مرد کے رحم و کرم پر اپنی زندگی بسر کرتی تھی۔ محمد ﷺ نے عورت کو آزادی عطا کی، خود مختاری دی، اور اسے خود اعتمادی سے جینے کا حق دیا۔(۲)

"انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن" (Encyclopedia of Religion and Ethics) کا مقالہ نگار لکھتا ہے ا

پیغمبر اسلام ﷺ نے یقینا عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو قدیم عرب میں اسے حاصل تھا۔ خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ سے محروم نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہو گئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔طلاق کی حالت میں شوہر پر واجب ہو گیا کہ وہ اسے وہ

☆☆

(1)- Bodley, R.V.C./ The Messenger, London, 1964, P-356

(2)- Margoliouth, D.S/ Mohammad and The rise of Islam New York, 1905,

سب چیزیں دے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں، اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین
علوم اور شاعری سے دلچسپی لینے لگیں، اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ مسلم
طبقہ کے عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوند کی خوشی اور
میں شریک ہونے لگیں وہاں ان کی عزت کی جانے لگی۔(۱)

مغربی دانشور رابرٹ گلک (Robert Gullick) لکھتا ہے!

"تیرہ سو سال قبل حضرت محمد ﷺ نے عورتوں کو جائیداد کی ملکیت
وراثت کے حق سے نوازا تھا۔ یہ وہ حق تھا جو انگلستان نے ۱۸۷۵ء سے قبل
عورتوں کو نہیں دیا تھا"(۲)

نومسلم مغربی خواتین کے تاثرات:

لندن کے مشہور روزنامہ ٹائمز نے اپنی ۹/ نومبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں
برطانیہ میں اشاعت اسلام کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون شائع کیا جس کا عنوان
تھا برطانوی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟" لندن ٹائمز نے لکھا ہے کہ اگر
مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ منفی تصور پیش کرتا ہے اس کے
باوجود برطانوی باشندوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ان برطانوی نومسلموں
میں بھاری اکثریت خواتین کی ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں
بھی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے اور برطانیہ میں
نومسلموں میں بھاری اکثریت انہی کی ہے۔ اخبار لکھتا ہے!

"It is even more ironic that most british converts should be women, given the widespread view in the west that islam treats women poorly."

☆☆

1- Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1921, P-271.

2- Robert Gullick/ Mohammad the Educator, Lahore, 1975, P-50,

یہ اور بھی ستم ظریفی ہے کہ اکثر برطانوی نو مسلم عورتیں ہیں، حالانکہ مغرب میں یہ نظریہ بہت پھیلا ہوا ہے کہ اسلام عورتوں سے گھٹیا سلوک کرتا ہے

خواتین کے انٹرویو:

اس کے بعد "لندن ٹائمز" نے ایسی بہت سے خواتین کے انٹرویو بھی شائع کیے ہیں جو برطانوی نژاد ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور انہوں نے پوری طرح بصیرت کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔ ایک، اتالیس سالہ خاتون، جس نے اپنا اسلامی نام میمونہ رکھا ہے۔ شروع میں عیسائی۔ پھر اس نے عیسائیت کے تمام فرقوں پر ریسرچ کی، اس نے یہودیت، بدھ مت، اور ہری کرشنا کا گہرا مطالعہ کیا۔ بالآخر اس نے اسلام کو منتخب کیا۔ متعدد نو مسلم خواتین نے بتایا کہ ہم کلیسا کی رسمی درجہ بندیوں کے خلاف ہیں، اور اسلام کی یہ ادا ہمیں پسند آئی ہے کہ ہر مسلمان براہ راست اپنے خدا سے رشتہ قائم کر سکتا ہے۔

☆...... ایک اٹھائیس سالہ برطانوی خاتون جو ھدیٰ خطوب کے اسلامی نام سے مشہور ہے۔ اور اس نے مسلم خواتین کے لئے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ دس سال پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

> "عیسائیت" ہر وقت بدلتی رہتی ہے، مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے میں کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہوں، جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو، یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذھب ہے۔ اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہی ہیں۔ اسی طرح دن میں پانچ وقت کی نمازوں کے احکام میں تسلسل ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس دل میں رکھتا ہے۔ اور اس طرح آپ کے پاس ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک بنیاد موجود رہتی ہے۔

☆...... اگرچہ عام تاثر یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں۔ اور اپنی اس خواہش سے دست بردار ہونا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔ لیکن برطانیہ کی جن نو مسلم خواتین سے "لندن ٹائمز" نے گفتگو کی۔ اس میں ان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے۔ جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی ساخت کے عین مطابق ہے، ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک نسائیت" (Femininism) درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی۔ "تحریک آزادی نسواں" پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ

"Women copying men, an exercise in which womanhood has no intrinsic value."

"عورتیں مردوں کی نقالی کریں، اور یہ ایک ایسا عمل ہے
جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔"

☆...... اسکاٹ لینڈ کی ایک چھتیس سالہ خاتون کو ۱۹۷۴ء میں قرآن کریم کی بعض آیات (العیاذ باللہ) ایک ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملیں۔ جنہیں اس نے اٹھایا۔ اور انہیں پڑھ کر اس کے دل میں اسلام کا داعیہ پیدا ہوا، وہ مسلمان ہوئی اور اس نے اپنا اسلامی نام "نوریہ" رکھا۔ ایک گفتگو کے دوران "نوریہ" نے مغربی خواتین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

Most of the women in this country are traitors to their sex, it`s almost as if we have been defeminised.

"اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں۔ اور یہ طرز عمل تقریباً ایسا ہے جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے۔"

☆...... نوریہ ہی کی ایک سہیلی، جس نے اپنا نام "رخسانہ" رکھا ہے ۱۹۸۸ء میں مسلمان ہوئی، حجاب کے احکام کی پابند ہے، اور کہتی ہے کہ:

"کم از کم میں اپنی صنف کی باغی نہیں ہوں"

پردہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ "اس سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے، اور ہماری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے، نوریہ نے کہا کہ ابھی تک مغرب میں یہ رسم جاری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد بھی عورت کا نام تک مرد کے تابع ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمیں اسلام میں مردوں سے بالکل الگ حقوق عطا کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں اس نے جائیداد، وراثت، بچوں کی تحویل وغیرہ کے بارے میں اسلامی احکام کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ حالات جس طرف جارہے ہیں، مجھے اس ملک (برطانیہ) میں عورت کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔ انجام آخر عورت ہی کے حق میں برا ہوتا ہے۔

"Scratch any `new man` and you find an old man trying to get out. Men will always be the same Women are changing much faster, but they are not trying to get what they want. Everything the feminist movement is aiming for except abortion and lesbianism we`ve got".

"کسی بھی 'نئے مرد' کو کھرچ کر دیکھئے، اندر سے ایک پرانا مرد برآمد ہوتا نظر آئے گا، مرد ہمیشہ ایک جیسے ہی رہیں گے، عورتیں کہیں زیادہ تیز رفتاری سے بدل رہی ہیں۔ لیکن جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ "نسوانیت" (Feminism) کی تحریک جن مقاصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہے، ان میں سے اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کے سوا سب چیزیں ہم پہلے ہی "اسلام" میں حاصل کر چکے ہیں۔" (۱)

بون یونیورسٹی کے ایک جرمن پروفیسر روڈلف شنجبر نے اپنے دورۂ قاہرہ ۱۹۹۳ء میں انکشاف کیا کہ گزشتہ دس ماہ کے دوران دس ہزار جرمن عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

جرمن سے شائع ہونے والے ایک کثیر الاشاعت اخبار دیر شپجیل" نے اپنے تین تازہ شماروں میں تین قسطوں پر مبنی "جرمن میں اسلام کے عنوان" سے ایک تحقیقی مضمون شائع کیا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ چند ماہ کے دوران آٹھ ہزار

(۱)۔ محمد تقی عثمانی (مفتی) / مغربی خواتین میں اسلام کا رجحان، ۱۴۱۵ھ، ص ۱۸۔ ص ۲۱،

جرمن عورتیں اسلام قبول کر چکی ہیں۔ اتنی مختصر مدت میں اتنی بڑی تعداد کے مشرف باسلام ہونے کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اخبار نے لکھا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور اس میں ہر عمل کے لئے ایک قانون اور ایک نمونۂ عمل موجود ہے۔

ایک جرمن اسکالر زیجلنڈا مورش نے جرمن عورتوں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اخلاقی تعلیمات پر زور دیتا ہے اور بحیثیت انسان ایک دوسرے پر کچھ حقوق عائد کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے مستحکم روایات اور پختہ قوانین رکھتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جرمن عورت اسلام کو اپنی ضرورت تصور کرتی ہے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتی ہے۔

جرمن سے شائع ہونے والے اس مشہور اخبار "دیر شپجیل" نے اسلام کے بارے میں مختلف جرمن نو مسلم عورتوں کے نقطہ ہائے نظر پیش کئے ہیں۔

جرمن کی مشہور گلوکارہ جواب مشرف بہ اسلام ہو کر تائب ہو چکی ہے وہ اپنے اسلام قبول کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہے!

"اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جو عورت کی فطرت سے واقف اس کے حقوق کا محافظ اور اس کے احترام کا ضامن ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کی راحت کی خاطر قوانین وضع کئے اور اسے بربادی سے محفوظ رکھنے کے لئے قوانین بنائے۔"[1]

"لندن ٹائمز" کا اداریہ:

"لندن ٹائمز ۹ نومبر ۱۹۹۳ء نے اس طرح کے متعدد انٹرویو اپنی اشاعت میں شائع کئے ہیں۔ جن میں برطانوی نو مسلم خواتین نے مغربی زندگی سے اکتاہٹ اور اس کے مقابلے میں اسلام کے اطمینان و سکون کا اعتراف کیا ہے، ان کے تمام اقتباسات پیش کرنا یہاں ممکن نہیں، لیکن اس مضمون کے ساتھ "لندن ٹائمز" نے ایک اداریہ بھی لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "اسلام کا انتخاب" اس اداریے کے چند اقتباسات، طوالت کے خوف کے باوجود اخبار کے اپنے الفاظ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ "ٹائمز" لکھتا ہے:

"As the investigation in The Times on

(۱)۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک صفر ۱۴۱۴ھ رجولائی ۱۹۹۳ء

women and Islam has shown, the intellectual clarity and moral certainty of this 1400 years-old faith are proving attractive to many Western women disillusioned with the moral relationism of their own culture. Though some are converting to Islam after marrying Pakistani or Bangladeshi men, others are making the leap of faith as an independent act of spiritual self improvement.

In spite of the outrageous indignities which many women suffer in Muslim countries the principles outlined in the Koran are generally sympathetic to their interests, promising them rights over men similar to those of men over women.

The separate spheres marked out for the two sexes by Islam certainly bear little relationship to the notions of gender which have been ushered in by the feminist revolution. But what matters is that many of the women in the West who have taken this unexpected path have done so out of choice rather that familial duty or historic obligation. They have been positively attracted by the sense of sisterhood and community they discover in Islam.

This tentative process of spiritual change suggests that increasing numbers of people are questioning the value system of their own culture. It raises important questions about the state of the Western moral tradition and how it might be fortified. Yet the effect of this (still modest) phenomenon is likely to be positive. The presence of Muslim converts in British society many of them highly educated ...... can only assist the

process of mutual understanding between the two cultures which the Prince of Wales celebrated last month. Only those who have crossed the Princed of wales celebrated last month. Only those who have crossed the divide can truly understand what lies on either side.

"ٹائمز" نے عورت اور اسلام کے موضوع پر جو تحقیق کی ہے۔ جیسا کہ اس کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے۔ اس چودہ سو سال پرانے دین کا فکری طور پر واضح ہونا، اور اخلاقی طور پر حتمی ہونا بہت سی مغربی خواتین کے لئے پرکشش ثابت ہو رہا ہے، یہ وہ خواتین ہیں جو خود اپنے کلچر کی اخلاقی اضافیت کے فریب سے آزاد ہو چکی ہیں۔ (اخلاقی اضافیت سے اداریہ نگار کا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں کوئی اخلاقی قدر ابدیت کی حامل نہیں۔ بلکہ زمان و مکان کے تقاضوں سے بدلتی رہتی ہے)۔ اگرچہ کچھ خواتین پاکستانی یا بنگلہ دیشی مردوں سے شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہی ہیں۔ لیکن دوسری خواتین اس لئے اسلام کی طرف چھلانگ لگا رہی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے رُوحانی طور پر اصلاح ذات کا ایک آزادانہ عمل ہے۔

اگرچہ مسلمان ملکوں میں بہت سی عورتیں توہین آمیز عدم تقدس کا شکار ہیں۔ لیکن جہاں تک قرآن کے بیان کئے ہوئے اصولوں کا تعلق ہے۔ عام طور پر خواتین کے مفاد کے لئے ہمدردانہ ہیں۔ اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ "عورتوں کے مردوں پر بھی اس جیسے حقوق ہیں۔ جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر"

اسلام میں مرد و عورت کی دو صنفوں کے لئے جو مختلف دائرہ کار تجویز کئے ہیں۔ وہ یقیناً ان صنفی معیارات سے مطابقت نہیں رکھتے جو "نسائیت" کے انقلاب نے متعارف کرائے ہیں۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ مغرب کی بہت سی وہ خواتین جنہوں نے یہ غیر متوقع راستہ اختیار کیا ہے، انہوں نے اپنی آزاد مرضی سے ایسا کیا، کسی خاندانی دباؤ یا کسی تاریخی فریضے کی ادائیگی کے لئے نہیں۔ وہ دراصل مثبت طور پر اس اخوت اور معاشرت کے شعور سے متاثر ہوئیں۔ جو انہوں نے اسلام میں دریافت کیا۔(۱)

☆☆(۱)۔ محمد تقی عثمانی ر مغربی خواتین میں اسلام کا رجحان، مطبوعہ میمن اسلامک پبلشرز کراچی، ۱۴۱۵ھ، ص ۲۴۔ ص ۲۷۔

بابِ ششم

خطبہ حجۃ الوداع اور غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان

باب ششم

خطبہ حجۃ الوداع اور

غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان

ارقّائکم ارقّائکم، أطعموھم ممّا تأ کلون و اکسوھم ممّا تلبسون، وان جاء وا بذنب لاتریدون ان تغفروہ فبیعوہ عباداللّٰہ، ولا تعذّبوھم،
الا ھل بلّغتُ؟ اللّٰھمّ فاشھد، (۱)
یا أیّھاالنّاس ! اسمعوا، واطیعوا وان امر علیکم عبد حبشیّ مجدّع أقام فیکم کتاب اللّٰہ، (۲)
تمہارے غلام، تمہارے غلام، ان سے اچھا سلوک کرو، انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور انہیں ویسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔ اگر وہ (غلام) ایسی غلطی کر بیٹھیں جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کردو اور انہیں سزا مت دو۔
سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔
اے لوگو!
سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو نکٹا چپٹا ہو امیر بنادیا

☆☆

(۱)۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ ۲ / ۱۸۵،
(۲)۔ ایضاً حوالہ سابقہ،

جائے، جبکہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔"

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے دور آخر کے حقوق انسانی کے اس مثالی اور ابدی منشور میں انسانی حقوق کی تاریخ ساز دستاویز "خطبہ حجۃ الوداع" میں سب سے زیادہ اہمیت انسانی تاریخ کے سب سے زیادہ مظلوم طبقہ "غلام" اور غلاموں کے حقوق کے تحفظ کو دی، حیات طیبہ کے آخری دور میں اور وصال کے آخری لمحات میں آپ ﷺ کی تمام تر توجہ کے مرکز مظلوم و مجبور غلام قرار پائے۔

چنانچہ یہاں تاکیداً تمہارے غلام، تمہارے غلام اور وصال کے عین آخری لمحات میں "نماز اور غلام" کے کلمات زبان نبوی ﷺ سے ادا ہوئے۔ جن سے انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی نظر میں غلاموں کے مقام اور ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کے یہ الفاظ انسانی تاریخ میں انقلاب عظیم سے کم نہیں، جن کے ذریعہ آپ ﷺ نے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی، آپ ﷺ کی ان تعلیمات کا اثر عہد نبوی ﷺ کے مقدس معاشرہ پر اور آپ ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں رہا، جس کی شہادت ایک غیر مسلم ہندو دانشور لالہ شیام ناتھ ایم اے کی زبانی سنئے، وہ اپنے ایک طویل مضمون بعنوان "حضرت محمد ﷺ اور انسداد غلامی" میں رقمطراز ہے!

> "حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، جو خود کھاؤ وہ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ انہیں بھی پہناؤ، انہیں تکلیف نہ دو، ان تلقینات و احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا صرف نام ہی رہ گیا اور وہ ہر معاملہ میں آزادوں کے مساوی ہوگئے، غلام آقا کے دوش بدوش کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔(۱)

☆☆

---

(۱)۔ حوالہ ماہنامہ مولوی دہلی ۱۳۵۱ھ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

ایک اور ہندو دانشور محسن انسانیت ﷺ کی ان انقلابی تعلیمات کے نتیجہ میں انسانی تاریخ میں برپا ہونے والے انقلاب عظیم پر یوں تبصرہ کرتا ہے!

"اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ ایسے زبردست شخص کو خلافت ملی اور آپؓ نے یروشلم کا سفر کیا، تو ایک منزل اپنے غلام کو بٹھاتے اونٹ پر اور خود پیدل چلتے اور دوسری منزل خود اونٹ پر سوار ہوتے اور غلام پیدل چلتا تھا۔ اسکے معنی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پیرو مساوات اور رواداری کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی غفلت نہ کرتے تھے"۔(۱)

انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی غلاموں کے حقوق کے سلسلہ میں ان انقلابی تعلیمات کی اہمیت و عظمت کے لئے اس عہد کی تاریخ، تہذیب قدیم، مذاہب عالم، اور تہذیب مغرب میں غلاموں کے مقام، ان کے حقوق کے سلسلہ میں تعلیمات کا تاریخی، تحقیقی اور تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے!

غلامی اور تاریخ عالم :

غلامی کا دستور نوع انسانی کا ہم عمر ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے آثار ہر زمانہ اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا بیج اس وقت پڑا جب انسانی معاشرہ، وحشت کے مرحلے میں تھا اور وہ اس وقت بھی پھلتا پھولتا رہا جب مادی تہذیب کی ترقی نے اس کی ضرورت کو رفع کر دیا تھا۔(۲)

دنیا میں غلامی کی تاریخ حاکیت و محکومیت اور فاتح و مفتوح کی تاریخ کے

---

(۱)۔ مسٹر بلدیو سہار جگت مہرشی، مطبوعہ سیرت کمیٹی لاہور، ۱۹۳۰ء، ص ۲۳۔

(۲)۔ سید امیر علی ر روح اسلام، ص ۴۰۵۔

ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ طاقتور قبائل کمزور قبائل کو فاتح اور حاکم مفتوح اور محکوم کو غلام بناتے تھے۔ غلاموں کے رواج میں سب سے زیادہ جنگوں کو دخل ہے ان میں شکست خوردہ گرفتار ہوتے تھے، انہیں یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔یا دائمی غلام بنالیا جاتا تھا، اور جو عمر بھر کے لئے غلام بن جاتے تھے ان سے ہر قسم کے کام لئے جاتے تھے، ان میں آخری صورت زیادہ رائج تھی۔ جس نے رفتہ رفتہ لونڈی اور غلاموں کی تجارت کی شکل اختیار کرلی۔ یہ لونڈی اور غلام زندگی کی ایسی ضرورت بن گئے تھے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بھی غلامی کے رواج سے خالی نہ تھی۔

یونان، روم، مصر، ہندوستان ہر ملک میں غلامی رائج تھی، بعض بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی اصل آبادی کے برابر تھی، خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی، یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں بلکہ نیم متمدن اقوام کو بھی زبردستی غلام بنالیتی تھیں، غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بہتر نہ تھی، آقا ان کی جان تک کا مالک ہوتا تھا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا نہ تھی، ان سے طرح طرح کے پر مشقت کام لئے جاتے تھے اور ادنیٰ لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی تھی، ان کی تمام املاک کا مالک آقا ہوتا تھا۔ تقریباً پوری دنیا میں غلاموں کا یہی حال تھا۔(۱)

یونان کے فلاسفہ نے نوع انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، پیدائشی آزاد، پیدائشی غلام، ان کے خیال میں دوسری قسم (پیدائشی غلام) صرف پہلی جنس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

ارسطو نے غلامی کا رواج سوسائٹی کے لئے ضروری قرار دیا تھا اس کا زاویہ نگاہ تھا کہ ریاست (State) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اجتماعی یا سوسائٹی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے، اور اس مقصد کے لئے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وجود بھی ہوتا کہ ریاست کے سخت جسمانی کام غلام انجام دے سکیں، ☆☆

(۱)۔ شاہ معین الدین ندوی ر دین رحمت، اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۵،

جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی یا کرنا نہیں چاہتی رومیوں کا عقیدہ تھا کہ تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں مگر اس عقیدہ کے باوجود ان کی نظر میں وہ لوگ جو جنگ میں قیدی بنالئے جائیں یا ان کے والدین غلام ہوں یا جو لوگ اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں یا لشکر سے بھاگ گئے ہوں یہ سب لوگ غلامی کی زندگی کے مستحق تھے۔(۱)

غلامی اور مذاہبِ عالم

یہودیت اور غلامی :

یہودی شریعت کی رو سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لئے ان تینوں صورتوں میں کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا!

۱...... کوئی شخص غربت کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا، اس صورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مقروض غریب کی طرف سے اس کا قرض ادا کرے اور اس کو اپنی غلامی میں لے لے۔

۲...... کسی نے چوری کی اور وہ چوری کا مال اسکے مالک کو واپس نہیں کر سکتا تو اس شخص کو یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اسکی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں لے لے۔

۳...... والدین کسی بناء پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دوسری اقوام کی نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کو کچھ مراعات حاصل تھیں۔(۲)

تاہم ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ غلاموں کا مرتبہ معاشرتی اعتبار

(۱)۔ ابراہیم حسن / النظم الاسلامیۃ، ترجمہ: مسلمانوں کا نظم مملکت، مترجم: مولوی علیم اللہ، دارالاشاعت کراچی، ص ۳۰۴۔

(۲)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت، مکہ بکس اردو بازار لاہور ۱۹۸۲ء ص ۳۸۔

سے کتنا پست اور ذلیل سمجھتے تھے، گویا ان کے نزدیک غلام، حیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ کسی شریف عورت سے نکاح کرے اور نہ اس لائق تھا کہ کسی مجمع کے سامنے کسی مذہبی کتاب کی تین آیتیں پڑھے، اور نہ اس کا حقدار تھا کہ اس کے سر پر ازراہ شفقت و محبت کوئی تعویز آقا کے ہاتھ سے رکھا جائے۔(۱)

عیسائیت اور غلامی :

عیسائی مؤلف مسٹر ایل۔ڈی۔ آگیٹ (L.D. Agate) لکھتے ہیں!

> ''حضرت مسیح کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر کہیں بھی مذمت نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لئے انجیل کی کسی آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا اسکے برخلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن کے الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے''۔(۲)

انجیل میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم کہیں بھی نہیں ہے اور نہ ان کے ساتھ حسن معاشرت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔اسکے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم سے سر منہ منحرف نہ ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری پولس نے اپنے ایک خط میں غلاموں کے متعلق لکھا ہے کہ ''تم اپنے آقاؤں کی اطاعت ایسی ہی کرو جیسے حضرت عیسیٰؑ کی کرتے ہو۔(۳)

ہندومت اور غلامی :

سنسکرت کی تمام مذہبی قوانین کی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے اور اس کی اصل حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

☆☆

---

(۱)۔سعید احمد اکبر آبادی ر اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص ۳۹،

(۲)۔ایضاً حوالہ (عنوان غلامی) Encyclopedia of Relegion ■ Ethics

(۳)۔سعید احمد اکبر آبادی ر اسلام میں غلامی کی حقیقت ص ۳۱،

ہندومت کے معاشرتی، مذہبی اور قانونی مدوّن "منو"(جس نے "منوسمرتی" اور ہندومت کے معاشرتی اور قانونی تعلیمات کی تدوین) غلامی کے اسباب اور اقسام ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"غلام" سات اقسام کے ہیں!

۱﴾...... وہ جو لڑائی (جنگ) میں قید کیا جائے۔

۲﴾...... وہ جو نان نفقہ کے حصول کے لئے خود رضا و رغبت اپنے آپ کو غلامی میں دے دے۔

۳﴾...... جو کسی باندی کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

۴﴾...... غلام خریدنا۔

۵﴾...... بطور ہدیہ یا تحفہ کے حاصل کرنا۔

۶﴾...... ورثہ میں ملنا۔

۷﴾...... جو بطور سزا کے غلام بنایا گیا ہو۔(۱)

"منوشاستر" ہندومت کی قانونی اور مذہبی دستاویز ہے۔ اس میں تحریر ہے!

"قادر مطلق نے دنیا کی بہبود کے لئے برہمن کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی رانوں سے، اور شودر کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔(۲)

"منوسمرتی" (باب اوّل/۹۱) میں ہے!

"شودر کے لئے خالق نے صرف ایک ہی فرض قرار دیا ہے کہ ان تینوں (برہمن، چھتری، ویش) کی خدمت کرے۔(۳)

شودر کو حکم ہے کہ وہ ان تینوں ذاتوں کی چاکری (خدمت) کرے، اسے

☆☆

(۱)۔ منوسمرتی باب ۸/۴۱۵،۴۱۶۔

(۲)۔ منوشاستر باب اول/۳۱۔

(۳)۔ منوسمرتی ۱/۹۱۔

دوجوں اعلیٰ ذات والوں کی چاکری کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔(۱)

شودروں کے متعلق ہندومت کا نظریہ تھا کہ غلامی ان کے بدن کا جزو لاینفک بن گئی ہے اگر ان کا مالک انہیں آزاد بھی کردے تو وہ غلام ہی رہیں گے۔

"منوسمرتی" (باب ہشتم ر ۴۱۴) میں ہے!

"شودر کو آزاد بھی کر دیا جائے تو وہ آزاد نہ سمجھا جائے گا۔اس لئے کہ قدرت نے اسے غلام بنا کر پیدا کیا ہے"۔

اب شودر "غلام" کا ہندومت میں مقام جاننے کے لئے ہندومت کی مذہبی اور قانونی کتب کے حوالے درج کئے جاتے ہیں۔جس سے ہندومت میں "غلام" کے معاشرتی اور قانونی مقام کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اگر کوئی برہمن کسی شودر کو جان سے مار ڈالے تو اس کے اوپر کوئی دوش نہ ہو گا۔البتہ اسے پراسچت کرنا پڑے گا۔(کفارہ دینا ہوگا) یہ کفارہ وہی ہوگا جو کسی جاندار مثل نیولے، چھپکلی، چوہے، سانپ مارنے کا ہے۔(۲)

برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ شودر کا مال جبراً لے سکتا ہے، اس جبر سے برہمن پر کوئی جرم عائد نہ ہو گا۔(۳)

اگر کوئی شودر (غلام) وید پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے، اگر وہ منتروں کو زبانی یاد کر لے تو اس کو مار مار کر اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔(۴)

شودر کو وید پڑھنا پڑھانا منع ہے، اگر کوئی شودر "وید" پڑھے گا تو وہ اور اس کو پڑھانے والا دونوں اگلے جنم میں برہمن راکشش بن کر پیدا ہوں گے۔(۵)

☆☆

(۱)۔منوسمرتی ار ۸۹،

(۲)۔منوشاستر ادھیائے ۱۲، منتر ۱۳۲،

(۳)۔منوسمرتی باب ہشتم ر ۲۱۷،

(۴)۔گوتم دھرم شاستر ۶ر ۴، ۱۲،

(۵)۔مہابھارت ۱۳ر ۱۶،

برہمن کی چاکری اور خدمت شودر کے لئے بمنزلہ عبادت ہے، شودر کی نجات برہمن کی چاکری سے ہوگی، اگر شودر برہمن کی چاکری کے علاوہ اور کوئی نیک کام کرے گا تو اسے اس نیک کام کا کوئی پھل نہ ملے گا۔(۱)

اگر کوئی شودر کسی برہمن یا چھتری کا نام بے حرمتی سے لے یا وہ کسی برہمن کو گالی دے تو راجہ کا فرض ہے کہ ایک لوہے کی کیل انگل گرم کر کے اس کے حلق میں ڈلوا دے۔(۲)

اگر کوئی شودر کسی برہمن پر تھوکے تو اس کے ہونٹ کٹوا دیے جائیں۔(۳)

اگر کوئی شودر کسی برہمن پر ہاتھ اٹھائے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، اگر وہ برہمن کو لات سے مارے تو اس کا پاؤں کاٹ دیا جائے اگر وہ برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو راجہ کا فرض ہے کہ اس کے کولہوں کو داغ دے۔(۴)

جین مت اور غلامی:

"جین مت" میں غلام کے مقام اور اس کے متعلق تعلیمات کا عکس "جین مت" کی تاریخ کے ایک ورق سے جانا جاسکتا ہے۔جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے!

"ایک شخص اپنے غلام کے چھوٹے سے چھوٹے قصور پر بھی کبھی سخت ترین سزا دیتا ہے، یعنی اسے ضرر پہنچاتا ہے، اس کے بال اکھاڑتا ہے، اسے مارتا ہے،

☆☆

(۱)۔ منو دھرم شاستر ۱۰/۱۲۳،

(۲)۔ منو سمرتی باب ہشتم /۲۷۰،

(۳)۔ منو شاستر ۸/۲۸۲،

(۴)۔ منو شاستر ۸/۲۸۱،

ہندومت میں شودر (غلام) کے معاشرتی، مذہبی، قانونی مقام اور فرائض سے متعلق تاریخی اور تحقیقی جائزہ پر مبنی کتاب "قدیم ہندوستان میں شودر" / ڈاکٹر رام شرن شرما مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء، کا مطالعہ شودر کے مقام اور اس موضوع پر مزید معلومات کے خواہشمند حضرات کے لئے مفید ہوگا۔

اسے بیڑیوں، زنجیروں، لکڑی کے کندوں سے کس کر قید خانہ میں ڈالتا ہے، اس کے ہاتھ اور پیر ایک جوڑی ہتھکڑیوں میں اینٹھ کر انہیں توڑتا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں یا کان ناک یا ہونٹ یا سر یا چہرہ کاٹ کر علیحدہ کرتا ہے، اسکی آنکھوں، دانتوں، زبان کو کاٹ کر کھینچتا ہے، اسے لٹکاتا ہے، اسے رگڑتا ہے، اسے چکر دیتا ہے، انہیں میخوں سے ہلاک کرتا ہے، انہیں لہولہان کرتا ہے، اسے چکر دیتا ہے، اس کے زخموں کے اندر تیزاب ڈالتا ہے۔ اسے شیر کی دم سے یا سانڈ کی دم سے باندھتا ہے، اسے جلتی ہوئی لکڑی سے جلاتا ہے، کوؤں گدھوں کو انہیں نگلنے دیتا ہے، اس کا کھانا پینا بند کر دیتا ہے۔ اسے پوری زندگی قید میں رکھتا ہے اور اسے ان مہیب قوتوں میں سے کسی کا شکار ہونے دیتا ہے۔(۱)

ایک جینی تحریر (ورشلہ گرہ داسہ) میں پیدائشی غلام اور ایک کم اصل و ذلیل انسان کی اصلاحوں کو کتے، چور، ڈاکو، دغاباز جھوٹے وغیرہ جیسے حقارت کے الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔(۲)

بُدھ مت اور غلامی :

"بدھ مت" میں غلام مذہبی رسومات اور عبادات کی ادائےگی کا اہل نہیں، نہ ہی اسے اس امر کی اجازت تھی، کہ وہ مذہبی رسومات میں شریک ہو سکے تاآنکہ غلام کو اس کا آقا آزاد نہ کر دے۔(۳)

غلامی عہد جاہلیت میں ﴿اسلام سے قبل عرب معاشرہ﴾ :

دیگر اقوام کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج تھا، عربوں میں غلامی جنگ میں اسیری کا نتیجہ ہوتی تھی۔ اس وقت اپنے اور غیر میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور کسی

☆☆

(۱)۔ رام شرن شرما، قدیم ہندوستان میں شودر، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۱۲۹،

(۲)۔ ایضاً ص ۱۴۷

(۳)۔ ایضاً ص ۱۴۸

عربی نسل کے آدمی کو غلام بنانے میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا تھا۔

عہد جاہلیت میں غلاموں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور غلاموں کی خرید و فروخت قریش کی غیر معمولی ثروت کا اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں غلاموں کا سب سے بڑا تاجر عبداللہ بن جدعان تھا۔ اس کی تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ غلاموں کی اولاد بھی غلام تصور کی جاتی تھی، غلام اس زمانہ میں تمام تمدنی حقوق سے محروم تھے۔ انہیں اپنی زندگی کی ضروریات کے خرید و فروخت اور دوسرے تصرفات کا کوئی اختیار نہ تھا۔ (۱)

☆☆

(۱)۔ حسن ابراہیم حسن / مسلمانوں کا نظم مملکت، ص ۳۰۶۔

(ب)

مغرب اور غلامی

آغاز و ارتقاء ﴿تاریخی جائزہ﴾

مغربی دنیا اور غلامی :

عہد قدیم میں یونانیوں اور رومیوں جو یورپی دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں ان کا منطقی طور پر سوچنے کا انداز یہ تھا کہ ایرانیوں، مصریوں، لیبیوں، اور جرمنوں کی شکل و شباہت اور جسمانی خصوصیات فطری اور پیدائشی طور پر ان سے بالکل مختلف ہیں، لہٰذا ان کے کردار میں بڑا فرق ہے۔

افلاطون اور ارسطو نے یونانیوں کی فطری برتری کی تصدیق کرتے ہوئے اس کا اظہار کیا کہ وہ وحشیوں سے افضل ہیں۔

ارسطو کا یہ نظریہ کہ کچھ لوگ فطرت کی جانب سے غلام پیدا کئے گئے ہیں تاکہ وہ یونانیوں کی خدمت کر سکیں۔اس نظریہ کی عکاسی کرتا ہے۔(۱)

یورپ میں نسل پرستی کے جو نظریات آئے ہیں، ان کی جڑیں دو تاریخی خیالات ہیں۔

اوّل یہ کہ یونانیوں اور رومیوں کو فطرت نے برتر بنایا۔

دوئم یہ کہ برتری یہودیوں کو خدا کی جانب سے ملی ہے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ مبارک علی/ غلامی اور نسل پرستی ص ۲۷،

(۲)۔ ایضاً حوالہٗ سابقہ۔

تاہم یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یورپی دنیا کی تاریخ غلامی کا سب سے بڑا شکار افریقہ کے سیاہ فام رہے ہیں۔

عیسائی کلچر میں کالے اور سفید کے درمیان تعصبات بہت قدیم ہیں۔ اس سے بھی پہلے کہ ان کا تعلق کالی نسل کے لوگوں سے ہوا۔

کالے کو ہمیشہ سے گناہ اور برائی کی علامت سمجھا گیا اور اس سے موت اور جہنم کو منسوب کیا گیا۔ اس قسم کے جملے اور الفاظ جیسے بلیک لسٹ، کالی بھیڑ، کالا جادو برائی کے معنوں میں آج بھی مستعمل ہیں۔

اس کے مقابلے میں سفید معصومیت، پاکیزگی اور امن کا رنگ قرار پایا۔ اس لئے جب یورپ اور افریقہ کے درمیان تصادم ہوا تو پہلے سے موجود تعصبات، امپیریل ازم، اور کولونیل ازم کے پھیلانے میں کام آئے۔(۱)

''غلامی'' کا تعلق امپیریل ازم سے ہے، یورپی اقوام نے جب ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا میں نوآبادیات قائم کیں تو انہوں نے خالص سفید نسل کے نظریہ کو اپنے استحصال کا ذریعہ بنایا۔(۲)

یورپین اقوام جو افریقیوں کے مقابلہ میں مہذب اور ترقی یافتہ تھیں، انہوں نے معاشی فوائد کے لئے غلامی کے اخلاقی جواز تلاش کر لئے۔

ان کا خیال تھا کہ چونکہ افریقی غیر مہذب، جاہل اور جانوروں کی سطح کے لوگ ہیں، اس لئے نہ تو ان کے ہاں تہذیب ہے اور نہ ثقافت، لہذا ایسے لوگوں کو بطور غلام استعمال کرنے میں اخلاقی لحاظ سے کوئی برائی نہیں۔(۳)

یورپی دنیا نے غلامی کا اخلاقی جواز تلاش کر لیا اس کی وجہ سے جو مظالم ڈھائے گئے جو ناانصافیاں ہوئیں اور جس کے نتیجہ میں افریقی اور یورپی معاشرے متاثر ہوئے اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

☆☆

---

(۱)۔ حوالہ سابقہ ص ۷۸،

(۲)۔ ایضاً ص ۷،

(۳)۔ ایضاً ص ۲۶،

افریقیوں کو انسانیت کے درجہ سے گرا کر اہل یورپ نے انہیں دنیا کی نظروں میں پسماندہ بنا دیا، نسل پرستی کے جذبات جس کی وجہ نفرت اور انسانی دشمنی پر تھی انہیں پروان چڑھایا ان کی جڑیں اس قدر گہری ہو گئیں کہ آج تک رنگ کی بنیاد پر نسل پرستی یورپی تہذیب کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ اور وہ ذہنی طور پر ترقی کرنے کے باوجود اس سے نجات نہیں پا سکے۔

قرونِ وسطیٰ کی یورپی دنیا اور غلامی:

''قرون وسطیٰ'' یعنی عین اس وقت جبکہ دنیا اسلام کے نور سے جگمگا رہی تھی، صرف ایک یورپ تھا جو مسیحیت کے نام پر دنیا بھر کے تمام اخلاقی عیوب و قبائح کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس دور میں غلامی اور غلام کی معاشرتی اور قانونی حیثیت کیا تھی اور کیا مقام تھا اس کے متعلق "History of The Moorish Empire In Europe" کے مصنف مشہور یورپی مؤرخ ایس۔ پی۔ اسکاٹ (S.P. Scott) کی تحریر ملاحظہ کیجئے!

''غلاموں کی دو بڑی قسمیں تھیں، غلام اسفل، اور غلام اعلیٰ''

مؤخر الذکر کا تعلق اراضی سے تھا اور وہ کسی طرح اس سے جدا نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن بہر حال یہ غریب باربردار جانوروں کی فہرست میں شامل تھے۔

قانون نافذ الوقت کے بموجب ان کو جاگیر کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ جیسے اینٹ، پتھر، درخت اور جھاڑیاں وغیرہ، ان سے رات دن کام لیتے جہاں جانور باندھتے وہیں ان کو پڑا رہنے کی جگہ دیتے۔ ان کی گردن میں دھات کا ایک بڑا طوق پڑا رہتا تھا۔ ان کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے، آزادی کے نام سے بھی وہ آشنا نہ تھے۔.....

بے کسی اور جان کاہی کا عالم یہ تھا کہ ان پر مظالم کی مثال اور انسانی ظلم و ستم کی کوئی نظیر دنیا بھر میں ایسی نہیں ملتی جیسی کہ قرون وسطیٰ میں ان کے ہاں غلاموں کی تھی۔ (۱)

یورپین مؤرخ ویسٹر مارک (Westermarck) کے مطابق تیرہویں

☆☆

(۱)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت ص ۳۵، ص ۳۶۔

صدی عیسوی تک یورپ میں آقا کو غلام کو جان سے مارنے اور زندہ رکھنے کا پورا قانونی حق حاصل تھا۔(۱)

جدید یورپی دنیا اور غلامی :

سولھویں صدی عیسوی کے آخر میں پرتگیزیوں نے انگولا کی ریاست پر حملے کرنا شروع کئے اور اس طرح یورپی دنیا میں غلاموں کی باقاعدہ منظم تجارت کا آغاز ہوا اور اسے منفعت بخش کاروبار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

انہوں نے افریقی غلاموں کو برازیل بھیجنا شروع کر دیا، اس طرح یہ سلسلہ منظم طریقوں سے انیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک جاری رہا۔(۲)

غلام داری کیلئے باقاعدہ قانون سازی :

۱۶۷۰ء میں ورجینیا نے ایک قانون منظور کر کے غلام داری کو بطور ایک نظام قائم کر دیا کہ تمام غیر عیسائی جو بحری جہازوں کے ذریعہ لائے گئے، یعنی (سیاہ فام نیگرو) وہ اب تمام عمر کیلئے غلام ہوں گے۔(۳)

یورپی دنیا جو غلاموں کی تجارت کی عالمی منڈی تھی، ذیل میں اس کے چند اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں، ۱۵۹۳ء سے ۱۷۰۰ء تک ۳ ملین تک افریقیوں کو جبری غلام بنا کر یورپی دنیا بھیجا گیا۔

۱۷۰۱ء سے ۱۸۱۰ء تک غلاموں کی تجارت مزید ترقی کر گئی اور مزید ۹ ملین افراد غلام بنائے گئے۔

۱۸۱۱ء سے ۱۸۷۰ء تک کے درمیان ۱۰۹ ملین افریقی گھربار سے محروم ہو کر جانوروں کی طرح فروخت ہوئے۔

☆☆☆

(۱)۔ محمد کرد علی ر اسلام اور عربی تمدن (ترجمہ الاسلام والحضارۃ العربیۃ)، مترجم : شاہ معین الدین ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۵۲ء ص ۱۰۲۔

(۲)۔ مبارک علی ر غلامی اور نسل پرستی ص ۵۹۔

(۳)۔ قیصر سلیم ر امریکہ جیسا میں نے دیکھا، ص ۲۱۴۔

غلاموں کی اس تجارت میں انگریز، فرانسیسی، سپانوی، پرتگیزی، جرمنی اور دلندیزی سب ہی شامل تھے۔(۱)

لارڈ کرومر جو انتہا درجہ کا متعصب عیسائی ہے اقرار کرتا ہے کہ!

"وہ امور جو عیسائی (یورپی) دنیا کے لئے انتہائی شرمناک ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے صرف غلام بنانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ برے کام کا ارتکاب یہ کیا کہ یہ لوگ انسانوں کو زبردستی یرغمال بنا کر لے جاتے اور غلام بنا لیتے تھے"۔(۲)

انگریز مؤرخ فرانسس کرو نے مارچ ۱۶۸۷ء کو غلاموں کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھا!

"اس جگہ سب سے بڑی تجارت ان غلاموں کی ہے جن کو یہاں لایا جاتا ہے۔ یہ لوگ بالکل مادرزاد برہنگی کے ساتھ آتے ہیں اور ان کے گاہک ان کا منہ کھول کھول کر دیکھتے ہیں اور ان کا امتحان گھوڑوں اور جانوروں کی طرح کرتے ہیں"۔(۳)

یورپی دنیا میں غلام اعداد و شمار کے جائزے میں :

۱۷۵۰ء تک برطانوی امریکہ میں تقریباً ڈھائی لاکھ غلام تھے۔ اور اعلان آزادی کے وقت ان کی تعداد دوگنی ہو گئی تھی۔ آزادی کے بعد شمال میں غلام داری بتدریج ختم ہو گئی۔ لیکن جنوب میں یہ زندگی کی لازمی ضرورت بنی رہی اور ۱۸۶۰ء تک چودہ ریاستوں میں چالیس لاکھ افریقی غلام تھے۔(۴)

۱۷۸۰ء میں غلام داری کے خاتمہ کے لئے قوانین منظور کئے گئے تاہم اس وقت تک بھی اور اعلان آزادی کی واضح صراحت کہ "تمام انسان برابر پیدا کئے گئے

☆☆

(۱)۔ مبارک علی ر غلام اور نسل پرستی ص ۵۹،

(۲)۔ سعید احمد اکبر آبادی ر اسلام میں غلامی کی حقیقت ص ۲۰۹،

(۳)۔ ایضاً ص ۵۵،

(۴)۔ قیصر سلیم ر امریکہ جیسا میں نے دیکھا ص ۲۱۴،

ہیں کے فلسفہ کے باوجود ۱۷۹۰ء تک جنوب میں چھ لاکھ سے زائد غلام تھے۔(۱)
۱۸۶۰ء میں ساڑھے تین لاکھ گورے خاندانوں کے پاس غلام تھے۔(۲)
۱۶، اپریل ۱۹۳۵ء کے اخبار نیشنل کال کے مطابق ۱۹۲۸ء تک مہذب یورپی دنیا جن میں امریکہ بھی شامل تھا کم از کم پانچ ملین یعنی پچاس لاکھ غلام موجود تھے۔(۳)

یورپ کی مہذّب دنیا میں غلاموں کا معاشرتی اور قانونی مقام :

یورپی دنیا کے مہذب ملک امریکہ کا ایک غلام جو اکیس برس کی عمر میں بھاگ کر آزاد علاقہ میں آیا تھا اس کی تحریر و تقریر نے اس نظام کی برائیوں کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے!

"قانون مالک کو غلام پر لا محدود اختیارات دیتا ہے وہ اس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے، اسے کوڑے لگا سکتا ہے کرائے پر دے سکتا ہے، فروخت کر سکتا ہے اور بعض مواقع پر جان سے بھی مار سکتا ہے، مکمل آزادی کے ساتھ، غلام انسان ہونے کے باوجود تمام حقوق سے عاری ہوتا ہے کتے اور گھوڑے کی طرح ذاتی ملکیت ہوتا ہے۔ انسانی برادری سے باہر، اس کا نام مالک کے کھاتوں میں گھوڑوں، بھیڑوں، اور سوروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

قانون کی نظر میں اس کی کوئی بیوی نہیں ہوتی، اس کا کوئی بچہ نہیں ہوتا، کوئی جائیداد نہیں ہوتی، کوئی گھر نہیں ہوتا، وہ کسی شے کا مالک نہیں بن سکتا، وہ کسی چیز کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا، اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔(۴)

☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۲۰۹،
(۲)۔ حوالہ سابقہ،
(۳)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت ص ۵۸،
(۴)۔ قیصر سلیم / امریکہ جیسا میں نے دیکھا ص ۲۱۹،

۱۸۴۴ء میں سینیٹر (John Hammond) نے اپنے دو غلاموں کی موت پر لکھا!

"کوئی بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا ایک قیمتی خچر بھی مر گیا۔(۱)

۱۸۰۹ء میں جنوبی کیرولینا (امریکہ) کی ایک عدالت نے فیصلہ سنایا!

"نوجوان غلام اسی طرح ہیں جیسے دوسرے مویشی"۔(۲)

۱۷۱۲ء اور ۱۷۴۱ء میں نیویارک میں غلاموں نے انتہائی سختیوں سے تنگ آکر بغاوت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ جو غلام گرفتار ہو کر آتے تھے یا تو گاڑیوں کے پہیوں کے نیچے دبوا دیے جاتے یا زندہ نذر آتش کر دیے جاتے تھے۔(۳)

امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء جاری رہی اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں تھیں۔ جنگ کا سبب غلامی کا مسئلہ تھا اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے۔ ۸۴ کروڑ پاؤنڈ خرچ ہوئے۔ اس رقم سے دنیا بھر کے غلام ایک قطرۂ خون بہائے بغیر آزاد کرائے جا سکتے تھے۔(۴)

امریکہ میں غلام کے لئے اپنا نام رکھنا جرم تھا۔ کوئی بھی نام رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے آقا کا نام لکھنا ضروری تھا۔(۵)

جنوب والوں نے سخت قوانین بنا رکھے تھے کہ جو غلاموں کو پڑھائے گا اس پر سخت جرمانہ کیا جائے گا، چنانچہ ورجینیا کی ایک عورت پر اسی جرم میں مقدمہ چلا اور اسے سزا ہوئی۔ اس نے ایک غلام لڑکی کو پڑھایا تھا۔ عدالت کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے!

☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۲۲۰،

(۲)۔ حوالہ سابقہ،

(۳)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت، بحوالہ دائرۃ المعارف فرید وجدی، ص ۵۴،

(۴)۔ ابوالکلام آزاد / رسول رحمت ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (س۔ن)، ص ۳۸۳، ص ۳۸۴،

(۵)۔ قیصر سلیم / امریکہ جیسا میں نے دیکھا ص ۲۲،

"انتہائی شرمناک جرم کہ معاشرہ اتنا رسوا نہیں کیا گیا ہوگا، ایک غلام لڑکی بائیبل پڑھے گی؟ کوئی بھی روشن خیال معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ قانون شکنی کی سزا نہ دی جائے"۔(۱)

برطانیہ میں غلام کے فرار ہونے کی قانونی سزا یہ تھی کہ اگر اس نے اس حرکت ناشائستہ کا ارتکاب پہلی مرتبہ کیا ہے تو اس کے دونوں کان کاٹ ڈالنے چاہئیں، اور ساتھ ہی لوہا گرم کر کے اس کو داغنا چاہیے، اور اس پر بھی باز نہ آئے اور تیسری مرتبہ پھر اس حرکت کا اعادہ کرے تو اس کو سپرد تیغ کر دینا چاہیے، اس قانون کے تحت انگلستان میں کثرت سے غلام قتل ہوتے تھے۔ فرانس میں یہ حالات ۱۸۴۸ء کے انقلاب تک رہے۔(۲)

اسلام اور مغربی دنیا میں غلامی کا تقابلی جائزہ :

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو غلامی کے حوالہ سے ہدف تنقید بنانے والے مہذب یورپ کا غلاموں کے ساتھ سلوک اور ان کے معاشرہ میں غلام کے معاشرتی، قانونی اور مذہبی مقام کے جان لینے کے بعد اسلامی دنیا بالخصوص عرب ممالک میں عین اسی عہد میں جبکہ غلام کی حیثیت یورپی دنیا میں سور اور جانوروں جیسی تھی، جہاں وہ ہر طرح کے بہیمانہ مظالم کا شکار تھا۔

اس کے برعکس اسی عہد کی ایک تصویر اسلامی دنیا کے غلاموں کی فرانسیسی عیسائی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان کی زبانی سنئے!

"مشرق کی غلامی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں!

"ہماری کتاب کے یورپی قارئین کے سامنے "غلامی" کے لفظ کے ساتھ ہی ایک ایسے گروہ کی تصویر سامنے آجاتی ہے کہ "غلام" زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ غذا کی جگہ چابک کھا رہے ہیں اور مکان کے بدلہ تہہ خانوں میں

☆☆

(۱)۔ ایضاً ص ۲۲۱۔

(۲)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص ۵۴۔

محبوس ہیں۔

میں یہاں اس امر کی تحقیق نہیں کرنا چاہتا کہ یہ تصویر ان غلاموں کی ہے جو مریکہ کے انگریزوں کے پاس تھے، درست ہے یا غلط، اور آیا یہ قرین قیاس ہے کہ ان غلاموں کے مالک اس درجہ بد سلوکی کرتے تھے...... مجھے اس قدر کہنا ہے کہ مسلمانوں میں غلامی کی حالت اس سے بالکل علیحدہ ہے۔ جو عیسائیوں میں تھی، مشرق (اسلامی ممالک) میں غلاموں کی حالت یورپ کے خانگی ملازموں سے بھی بہتر ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مالک کے خاندان کے جزء سمجھے جاتے ہیں اور جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے وہ اپنے مالک کی صاحبزادی سے بھی شادی کر سکتے ہیں اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مشرق میں لفظ "غلام" کے ساتھ کسی قسم کا خیال حقارت شامل نہیں ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہ مقابل یورپ کے ملازمین کے مشرق کا غلام بہت زیادہ اپنے مالک کا ہم پلا ہے۔...... وہ تمام سیاح جنہوں نے مشرقی غلامی کی رسم پر غور کیا ہے اس بات کو مانتے ہیں کہ اہل یورپ جو کچھ شور و غل غلامی کے خلاف مچاتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مصر میں جہاں غلام محض اپنے بیان پر غلامی کے پھندے سے چھوٹ سکتے ہیں، وہ ہرگز آزادی کی خواہش نہیں کرتے۔

"موسیو ایبرس" اسی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں!

"بے شک ہم اس امر کو چھپا نہیں سکتے کہ اسلامی ممالک میں غلاموں کی زندگی نہایت آسائش سے گزرتی ہے"۔(۱)

عرب فاضل محمد کرد علی اپنی کتاب "الاسلام و الحضارة العربية" میں فالیری کا بیان نقل کرتے ہیں کہ!

"یوروپین سیاحوں کا اتفاق ہے کہ غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی اس سے کہیں بہتر رہا ہے کہ جیسا یورپ میں سمجھا جاتا ہے، یہ انصاف نہیں کہ مشرق میں جو غلامی رائج ہے اسکی غلامی کو امریکہ کی غلامی پر قیاس کیا جائے جب ہم اس مسئلہ پر تاریخی نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

☆☆

(۱)۔ گستاؤلی بان، تمدن عرب ص ۳۵۵۔

کو اس بارے میں بھی عجیب امتیاز اور فوقیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ کا یہاں تک حکم ہے
کہ!

”تم میں سے کوئی شخص بھی میری یا میرا لونڈی غلام نہ کہے، بلکہ میرا بیٹا اور
میری بیٹی کہے“

اس سے بڑھ کر انسانیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ (۱)

غلاموں کے حقوق کے سب سے بڑے علمبردار ﷺ:

مذاہب عالم کی تاریخ، عہد حاضر کی نام نہاد مہذب اور انسانی حقوق
علمبردار یورپی دنیا کا غلاموں کے ساتھ سلوک، جبری غلام داری، غلامی اور غلام
بارے میں ان کی ظالمانہ تعلیمات، غلام کے معاشرتی، مذہبی اور قانونی مقام، غلامی
تجارت کے سب سے بڑے بیوپاریوں کی غلاموں کی تجارت اور اس سلسلہ میں حیرا
کن اعداد و شمار کے مطالعہ کے بعد محسن انسانیت ﷺ، غلاموں کے مولی، پیغمبر اس
کے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقعہ پر غلاموں کے متعلق تعلیمات ملاحظہ فرمایئے۔

آپ ﷺ نے مارچ ۶۳۲ء کو ایک لاکھ سے زائد جاں نثاروں سے خطاب
کرتے ہوئے انسانیت کے منشور اعظم میں انسانیت کے نام اپنے ابدی پیغام میں ہد
آقا، مالک و غلام کی تمیز مٹا ڈالی۔

آپ ﷺ نے سخت تاکیدی الفاظ میں فرمایا!

آگاہ رہو!

”تمہارے غلام، تمہارے غلام، انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور و
پہناؤ جو تم پہنتے ہو“

بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کو معاشرہ میں مساوی درجہ
رکھنا اور اپنے ساتھ ملانا ایک ایسا انقلابی اقدام تھا جس کی پیروی کے لئے آج
انسان محتاج ہے۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نبی اکرم ﷺ

☆☆

(۱)۔ محمد کرد علی ر اسلام اور عربی تمدن ص ۱۰۱،

سانوں کو انسانی حقوق و معاشرتی مراتب کے اعتبار سے مساوی قرار دیا، کوئی شخص
ندانی اور نسلی ۔ قار کی بنیاد پر ترجیحی سلوک کا مستحق نہیں ہو سکتا، ایک انسان اپنی
لاحیتوں کی بناء پر قابل قدر ہے۔ لیکن ایسی رعایت کسی شخص کو بھی نہیں مل سکے گی
بنیادی انسانی حقوق کو مجروح کرے۔ اس وقت کی کافرانہ قوت کو حضور ﷺ کے
ی انقلابی اقدام کا شدید احساس تھا۔ ☆

علامہ اقبال نے ابو جہل کی زبان سے ادا شدہ الفاظ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا!

درنگاہ او یکے بالا و پست — باغلام خویش بریک خواں نشست
قدر احرار عرب نشناختہ — باکفتاں حبش و رساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند — آبروئے دودمانے ریختند
ایں مساوات ایں مواخات اعجمی است — خوب می دانم کہ سلماں مزدکی است
ان عبداللہ فریبش خوردہ است — رستخیز زے بر عرب آوردہ است (۱)

محسن انسانیت نبی رحمت ﷺ کی یہ تعلیم اور منشور انسانیت اس تاریخی عہد
دستاویز ہے۔ جسے تاریخ کی زبان میں قرون وسطیٰ کا نام دیا جاتا ہے، آپ ﷺ کی
تعلیمات کے تقابل کے لئے اسی عہد کی وحشی اور غیر متمدن یورپی دنیا کی غلاموں
تاریخی شہادت یا روایت کی ضرورت نہیں، بلکہ خود یورپی دنیا کے مشہور عیسائی
رخ ایس۔ پی۔ اسکاٹ (S.P. Scott) کی تحریر ملاحظہ فرمایئے!

" 'غلام' باربردار جانوروں کی فہرست میں شامل تھے، قانون نافذ الوقت
کے موجب انہیں جاگیر کا حصہ سمجھا جاتا تھا، جیسے اینٹ، پتھر، درخت اور جھاڑیاں
یرہ، ان سے رات دن کام لیتے جہاں جانور باندھتے ۔ ہیں ان کو پڑا رہنے کی جگہ
یتے۔ ان کی گردن میں دھات کا ایک طوق پڑا رہتا، انہیں کوئی حقوق حاصل نہ تھے،
زادی کے نام سے بھی وہ آشنا نہ تھے۔ ...... بے کسی اور جان کاہی کا عالم یہ تھا کہ انسانی

(۱)۔ انسان کامل، خالد علوی رالفیصل لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۴۷۱،
☆ ......(بحوالہ جاوید نامہ ص ۵۹)

ظلم و ستم کی کوئی افسوسناک نظیر دنیا بھر میں ایسی نہیں ملتی جیسی کہ قرون متوسط ان کے ہاں غلاموں کی تھی۔(۱)

مشہور ہندو دانشور لالہ شیام ناتھ (ایم اے دہلی) اپنے مضمون ''حضرت محمد ﷺ اور انسداد غلامی'' میں تعلیمات نبوی ﷺ میں غلاموں کے حقوق اور حوالہ سے اٹھائے گئے بے بنیاد الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں!

''بلاشبہ اسلام نے جہاں اور بے شمار اصلاحات کیں اور بنی نوع انسان کی خدمت میں شغف کا اظہار کیا۔ وہاں انسداد غلامی کے متعلق بھی اس کی مساعی قابلِ قدر اور قابل توصیف ہیں۔ دنیا کے لئے سب سے بڑی لعنت اگر کوئی چیز تھی یہی غلامی تھی۔ خدا جانے کس منحوس ساعت میں اس رواج نے جنم لیا تھا، کہ برس گزر جانے کے بعد اب تک کسی نہ کسی حصہ عالم پر اس کا وجود نظر آرہا ہے اور سے صدی ڈیڑھ صدی پیشتر تو یہ حالت تھی کہ ہر طرف ایک تاریکی چھائی تھی۔ یوں اس کا رواج تو قدیم ہے اور ہر ملک اور ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کا پایا جاتا رہا ہے۔ ان کی خرید و فروخت بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن جو منظم صورت یورپ کے تاجروں نے اسے دی اور جس دلیری اور ڈھٹائی اور نظم و انضباط کے انہوں نے ایک ذریعہ تجارت بنایا۔ اس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈھے سے ملے گی۔ یورپ کے لوگ خواہ وہ انگلستان سے تعلق رکھتے ہوں یا جرمنی سے، فر ان کا مسکن ہو یا ہالینڈ۔ افریقہ پہنچتے، امریکہ کی طرف نکل جاتے اور جانوروں کی ہزارہا کی تعداد میں انہیں پکڑ کر جہازوں میں بھر دیتے، افریقہ گویا غلاموں کا تھا۔ ان سنگ دلوں نے آبادیوں کی آبادیاں اجاڑ دیں۔ چونکہ جہازوں میں بری بھر دیئے جاتے تھے۔ لہٰذا ان کے لئے خورد و نوش کا سامان ناقص ہوتا تھا۔ تکالیف اور اذیت دم کشی سے بہت سے تو راستہ ہی میں ختم ہو جاتے تھے اور جو بچ رہتے انہیں اچھے داموں میں فروخت کر کے یہ تاجر خوب منافع اٹھاتے تھے۔ سلطنت

☆☆

(۱)۔ سعید احمد اکبر آبادی / اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص ۳۵، ص ۳۶،

بحوالہ S. Scott /History of The Moorish Empire in Europe.

جو ایک مہذب سلطنت کہلاتی تھی، لیکن غلامی وہاں اپنی پوری بھیانک شکل میں موجود تھی۔ ان کے مالک ان سے اس قدر شدید مشقت لیتے تھے کہ بعض تو موت کی نذر ہو جاتے تھے اور جو بچ رہتے تھے ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ کوڑوں سے کھالیں ادھیڑ دی جاتی تھیں۔ لیکن کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہوتا تھا۔ بیشتر آقا معمولی معمولی جرم پر ان کے جسم داغ دیتے، زندہ آگ میں جلا دیتے یا پانی میں غرق کر دیتے تھے۔

ہندوستان کے غلام (اچھوت) جو اب ساجی مساعی سے آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہزاروں سال تک مصائب کا شکار اور دنیا کی ہر آسائش سے محروم رہے ہیں۔ آج بھی انہیں مندروں میں داخل ہونے کی اجازت ہے اور نہ بعض سڑکوں تک سے گزرنے اور عام کنوؤں سے پانی بھرنے کی غرض یہ کہ دنیا کے ہر ملک میں یہ غلام طبقہ مصائب و آزار میں مبتلا تھا اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی شخص انہیں انسان سمجھنے اور ان کی آسائش کی پرواہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ زمین سخت تھی اور آسمان دُور۔ آخر ایشور نے ان کی مظلومی، بے کسی پر ترس کھایا اور عرب کے گرم خطّے میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس ذلیل اور پست طبقہ کی نجات کے متعلق قدم اٹھایا۔ چونکہ غلامی کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر کنبہ اور خاندان میں زر خرید غلام موجود تھے اور ان کے کاروبار کی کامیابی، زراعت کے فروغ اور بہت سی دیگر آسائشوں کا انحصار انہی پر تھا۔ اس لئے مصلحتاً آپ ﷺ نے یہ کیا کہ غلاموں کو آزاد کرنے کی بجائے غلامی کی مذمت شروع کر دی اور غلام بنانے اور غلام فروخت کرنے والوں کو اس شدت و تواتر کے ساتھ ڈانٹا کہ عرب میں ایک انقلاب پیدا ہونے لگا۔ تاجر غلام فروخت کرتے اور لوگ انہیں خریدتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس طرح گویا آپ ﷺ نے پہلے اس سرچشمہ کو خشک کیا۔ جہاں سے غلاموں کی فوجیں نکلتیں اور اطرافِ عالم میں پھیلتی تھیں۔

غلاموں سے اچھے سلوک کی ہدایت :

ساتھ ہی آپ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین بھی شروع کر دی۔ یہ بھی دنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی آواز تھی۔ غلام ایک ارذل ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی، عزت و سلوک تو ایک طرف وہ کسی آسائش و آرام کے بھی مستحق نہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی پیغمبرانہ صدا معمولی صدا نہ تھی، جو فضا کی وسعتوں میں کھو کر رہ جاتی۔ اس کا اثر ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ اور سب سے پہلے مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی۔ اور جوں جوں مسلمانوں کا اقتدار اور ان کا دائرہ بڑھتا گیا۔ غلاموں کی حالت بھی سنورتی رہی۔ حضرت محمد ﷺ صاحب نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ غلاموں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو۔ جو خود کھاؤ وہ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں تکلیف نہ دو۔ ان سے ان کی قوت سے زیادہ کام نہ لو۔ آپؐ نے یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ غلاموں کو گالیاں دینے والا بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ ان تلقینات واحکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا صرف نام ہی نام رہ گیا اور وہ ہر معاملہ میں آزادوں کے مساوی ہو گئے۔ غلام آقا کے دوش بدوش کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جنگوں میں لڑنے لگے۔ فوجوں کے سپہ سالار بننے لگے۔ شادیاں کرنے لگے اور کسبِ معاش اور ترقی و عروج کے تمام دروازے ان پر کھل گئے۔ سختیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ انہیں مثلِ اولاد سمجھا جانے لگا اور ان پر شفقت و محبت کی بارش ہونے لگی۔

غلامی کے دنیا میں مختلف طریقے تھے سب سے بڑا ذریعہ جنگ تھا۔ عام دستور یہ تھا کہ فتح کے بعد فاتح مفتوح کے سب زن و مرد کو غلام بنا لیتا تھا اور یہ بد قسمت، امراء میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ چونکہ یہ سلسلہ برابر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس لئے انہیں سوداگروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا۔ نسباً شریف ہوں یا اعلیٰ انہیں غلام ہی بن کر رہنا پڑتا تھا۔ ان کے آقا ان سے غلاموں کی ہی طرح کام لیتے اور طائرِ روح کے ساتھ ہی انہیں آزادی نصیب ہوتی تھی۔ جب افلاطون جیسا حکیم اور فلاسفر قید ہو کر کھیت بونے اور ہل جوتنے پر مجبور ہو سکتا تھا۔ تو پھر ادنیٰ اور معمولی انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ ڈاکو قافلہ کے آدمیوں کو پکڑ کر لے جاتے

تھے۔ اور انہیں فروخت کر ڈالتے تھے۔ غرضیکہ غلام بننے کے بعد پھر زندگی حرام ہو جاتی تھی۔ اور لطفِ حیات ہمیشہ کے لئے برباد ہو کر رہ جاتا تھا۔ دنیا کا کوئی مذہب اور ملک بھی غلامی کی اس لعنت سے خالی نہ تھا اور مخلوقِ خدا بڑی مصائب کے بھور میں ہچکیاں لے رہی تھی۔ واقعی دنیا پر مخلوق پر اور زمانے پر مسلمانوں کا یہ ایک بڑا احسان ہے کہ فضائے بسیط میں پہلی آواز جو ان کی ہمدردی میں بلند ہوئی وہ صرف اسلام کی آواز تھی۔ درحقیقت ہم اسلام کی تعلیم پر پورے یا ادھورے عبور کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف میں غلاموں کے متعلق صاف الفاظ میں یہ ہدایت موجود ہے۔

"جب تم لڑ چکو تو انہیں گرفتار کر لو۔ پھر یا تو انہیں احسان کر کے چھوڑ دو۔ یا معاوضہ لے کر رہا کر دو۔ انہیں کسی قسم کی اذیت نہ دو۔" مسلمان اپنے قرآن اور اپنے نبی ﷺ کے حکم پر والہانہ عمل کرتے تھے، اور یہ اس حکم کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی سب سے پہلی جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ حیرت انگیز اور نہایت شریفانہ برتاؤ کیا گیا۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "صحابہؓ خود پیدل چلے اور انہیں اونٹوں پر بٹھایا اور خود بھوکے رہ کر بھی ان کی شکم سیری کی طرف سے ذرا بھی غفلت نہ کی۔"

قیدی غلاموں کی رہائی :

ان قیدیوں کے ساتھ یہ رواداری برتی گئی کہ انہیں اپنا دشمنِ جانی سمجھتے ہوئے بھی معاوضہ لے کر رہا کر دیا۔ جن کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا۔ ان سے یہ شرط کر لی گئی کہ ہر ایک چند مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔ ایک شخص کے پاس کچھ نہ تھا نہ زر اور نہ علم سکھانے کی صلاحیت، لہٰذا اس نے عرض کیا کہ میں گھر پہنچ کر معاوضہ بھیج دوں گا اور حضرت محمد ﷺ صاحب نے اسے اس وعدہ پر ہی رہا کر دیا۔ ایک شخص عمرو بولا کہ میں غریب آدمی ہوں۔ بال بچہ دار ہوں۔ اگر میں قید رہا، تو میرے بال بچوں کو بہت تکلیف ہو گی۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو رحم آ گیا اور آپ ﷺ نے اسے محض اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ مقابلہ پر نہیں آئے گا۔ رحم و کرم اور اسیرانِ جنگ پر نوازش کا یہ کتنا عدیم المثال مظاہرہ ہے۔ جس کی داد دینے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ ان شرائط کے بعد بھی کچھ نہ کچھ رہ جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ

دشمن اور محارب قوم سے ہوتے تھے۔ خون کے پیاسے بن کر آتے تھے اور انہیں ر
کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوتا تھا، لیکن ان کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا جاتا تھا، آپؐ
غلاموں کا اتنا خیال رہتا تھا کہ دنیا سے گزرتے وقت بھی آپ ﷺ ان کو نہ بھولے او
ان سے حُسنِ سلوک کی وصیت کی۔

غلاموں کو آزاد کرانے کے ڈھنگ :

آپ ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرانے کا ایک اور مؤثر اور آسان طر
اختیار کیا۔ یعنی بعض گناہوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی قرار دیا۔ ان کے رہا کرنے کا
ثواب واجر بتایا اور آخر میں تو قرآن کی یہ آیت بھی نافذ ہو چکی تھی کہ اسیرانِ جنگ
احسان رکھ کر یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا کرو۔

قبیلہ نبی ہوازن کے اکٹھے چھ ہزار قیدی بلا معاوضہ ہی رہا کر دیئے گئے۔ ا
کے بعد کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے غلام بنائے ہوں۔ ایک صحابیؓ
اپنی لونڈی کے منہ پر اس قصور پر تھپڑ مار دیا کہ اس کی غفلت سے بھیڑیا اس کی
اٹھالے گیا تھا۔ صحابیؓ کا یہ فعل مذہبی حکم کے منافی تھا۔ عورت نے سارا ماجرہ حضر
محمد ﷺ سے کہہ سنایا۔ آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا اور اس طمانچہ کو ہی اس کی آزادی
زیور ہوا دیا۔ ایک رومی تھے کہ جو معمولی سی خطا پر کھال ادھیڑ کر رکھ دیتے تھے
ایک اسلام کے یہ پیرو تھے کہ ان کا نادانستہ تھپڑ مار دینا ہی گناہ قرار پاتا تھا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کی پرور
حضرت محمد ﷺ کے احکام کی پابندی میں اولاد کی طرح کرنے لگے تھے۔ غلام گھر
ایک رکن کی حیثیت سے رہتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ غلاموں نے حضرت محمد ﷺ کی غلا
کو ماں باپ کی محبت سے بہتر سمجھا۔ آپ ﷺ کا ایک غلام تھا۔ اس کا باپ مدت کے
پتہ لگا کر مدینہ پہنچا اور معاوضہ دے کر اسے رہا کرانا چاہا، آپ ﷺ نے اسے فور
کر دیا۔ غلام رونے لگا کہ مجھے ماں باپ کی محبت سے آپ ﷺ کی غلامی زیادہ عزیز۔
باپ واپس چلا گیا...... ایک اور غلام انسؓ کہا کرتے تھے کہ دس برس حضور ﷺ
خدمت میں رہا، مگر اس تمام مدت میں گھر والوں کی طرح رہا۔ جو آپ ﷺ نے

مجھے کھلایا اور جیسا آپ ﷺ نے پہنا مجھے بھی پہنایا اور کسی ایک دن بھی مجھے نہ جھڑکا...... زیدؓ بھی آپ ﷺ کے غلام تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن سے اس کی شادی کر دی۔ حالانکہ آپ ﷺ کا خاندان عرب کا اشرف ترین خاندان تھا اور زید محض غلام تھے۔...... اسی طرح ایک اور غلام اسامہؓ کو بھی آپ ﷺ نے پورے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بڑے بڑے شرفاء کو آپؓ کے ماتحت کر دیا، لیکن کوئی چوں تک نہ کر سکا۔

غلام آقا بنے:

مسلمانوں میں بلالؓ بہت مشہور صحابیؓ گزرے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں آپؓ اذان دینے کی خدمت پر مامور تھے۔ بہت بد شکل تھے۔ جب آپؓ نے اپنی شادی کا عزم کیا، تو بڑے بڑے اعلیٰ متموّل اور شریف خاندان قریش انہیں اپنی لڑکیاں دینے کو تیار ہو گئے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو خلیفہ عمرؓ جیسے عظیم الشان فرمانروا نے رو کر یہ کہا کہ "آہ! آج ہمارا آقا دنیا سے چل بسا۔" یہ تھی اسلامیوں کی غلامی اور اسلام کی مساوات۔ کہ فرمانروا تک غلاموں کو بھرے جلسے میں آقا بتلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ واقعی عہدِ اسلام میں غلاموں کی حالت اس دور کے آزادوں سے بھی بہتر تھی۔ اور ان کی ہر اعتبار سے عزت کی جاتی تھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب ان کو ملتے تھے۔ وہ ہر حیثیت سے مسلمانوں کے بھائی سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان اور مصر پر دنیائے اسلام کے غلاموں نے حکومت کی اور اس شان سے کی کہ تاتاری جیسے وحشی اور بہادر قوم کے زہرے آب ہو گئے اور انہی کے ہاتھوں انہیں شکستیں ملیں۔ بڑے بڑے باجبروت فرمانروا اور بزرگ کامل انہیں میں سے پیدا ہوئے۔ گویا اسلام نے غلاموں کو فرشِ خاک سے اٹھا کر عزت کے آسمان پر بٹھا دیا اور فی الحقیقت وہ بادشاہ بن گئے۔

یورپ میں ۱۷۹۴ء میں فرانس نے اور ۱۸۳۳ء میں انگلستان نے غلاموں کی آزادی کے قانون پاس کئے۔ مگر اسلام صدیوں پیشتر اس سے کہیں بہتر خدمت بنی نوعِ انسان انجام دے چکا تھا۔

کیا بیسویں صدی کا یورپ اس فراخدلی اور رواداری کا کوئی ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ یورپ کیا دنیا کا کوئی حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ فخر اسلام اور صرف اسلام کو ہی حاصل ہے۔(۱)

غلاموں کے حقوق اور ان کے مقام کے متعلق محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات کے اسلامی تاریخ اور مسلم معاشرہ پر اثرات

''خطبہ حجۃ الوداع'' کے موقعہ پر غلاموں کے حقوق اور ان کے مقام سے متعلق ان تعلیمات کا اثر عہد کے نبوی ﷺ کے معاشرہ اور اس کے بعد اسلامی تاریخ پر کیا مرتب ہوا۔ اور غلاموں نے اسلام اور اسلامی تاریخ میں کیا مقام پایا اس کے لئے ہندو دانشور لالہ شیام ناتھ ایم اے دہلی کی رائے حقیقت سے کتنی قریب تر ہے۔ وہ اپنے مضمون بہ عنوان ''حضرت محمد ﷺ اور انسداد غلامی'' میں لکھتے ہیں!

''یہ دنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی آواز تھی، غلام ایک ارزل ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی، عزت و سلوک تو ایک طرف وہ کسی آسائش و آرام کے بھی مستحق نہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی پیغمبرانہ صدا معمولی صدا نہ تھی۔ جو فضا کی وسعتوں میں کھو کر رہ جاتی، اس کا اثر ہونا تھا اور ہو کر رہا، اور سب سے پہلے مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ کی، اور جوں جوں مسلمانوں کا اقتدار اور ان کا دائرۂ اثر بڑھتا گیا، غلاموں کی حالت بھی سنورتی رہی۔

حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ!

''غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو، جو خود کھاؤ وہ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ انہیں بھی پہناؤ''

ان تلقینات و احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا صرف نام ہی رہ گیا اور وہ معاملہ میں آزادوں کے مساوی ہو گئے، غلام آقا کے دوش بدوش کھڑے ہو کر نم

☆☆

(۱)۔ بشیر احمد شاہ روپڑی / سرور کونین ﷺ اغیار کی نظر میں، کتاب مرکز گجرانوالہ، ۱۱۷ ص ۱۲۳،

پڑھنے لگے۔ جنگوں میں لڑنے لگے، فوجوں کے سپہ سالار بننے لگے، شادیاں کرنے لگے اور کسب معاش اور ترقی و عروج کے تمام دروازے ان پر کھول دیے گئے۔ سختیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، انہیں مثل اولاد سمجھا جانے لگا اور ان پر شفقت و محبت کی بارش ہونے لگی۔(۱)

ایک اور ہندو دانشور مسٹر بلدیو سہا کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے!

"پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کے ذریعہ دنیا کو پیغام دیا،
آپ ﷺ نے فرمایا! "غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا"
اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ ایسے زبردست شخص کو خلافت ملی اور آپؓ نے یروشلم کا سفر کیا تو ایک منزل اپنے غلام کو اونٹ پر بٹھاتے اور خود پیدل چلتے تھے اور دوسری منزل خود اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور غلام پیدل چلتے تھے اس معنی میں پیغمبر اسلام ﷺ کے پیرو مساوات، اور رواداری کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی غفلت نہ کرتے تھے۔(۲)

رانا بھگوان داس بھگوان لکھتے ہیں!

"عہد قدیم میں غلاموں کا طبقہ سب سے زیادہ مظلوم و مقہور اور زیادہ ذلیل طبقہ تصور کیا جاتا تھا، افلاس و غلامی کے باعث یہ طبقہ مدارج انسانیت سے گرادیا گیا تھا، لیکن سرور عالم ﷺ نے اس مظلوم جماعت کے ساتھ بھی حسن سلوک کا وہ درس دیا جو تاریخ انسانیت کا نقش تاباں ہے۔ حضرت بلالؓ غلام تھے۔ لیکن وہ مولیٰ کہلائے۔ حضرت صہیبؓ کو امامت کا درجہ عطا کیا گیا، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ جو غلام تھے، امیر العساکر بنائے گئے۔(۳)

"محمد دی پرافٹ آف اسلام" کے مصنف ہندو سیرت نگار پروفیسر

☆☆

(۱)۔ ماہنامہ مولوی دہلی ۱۳۵۱ھ

(۲)۔ بلدیو سہار جگت مہر شی، (ہندو و سکھ دانشوروں کے خطبات سیرت)، سیرت کمیٹی لاہور ۱۹۳۰ء، ص ۲۴۔

(۳)۔ بشیر احمد شاہ روپڑی / سرور کونین ﷺ اغیار کی نظر میں،، ص ۷۰،

راما کرشنا راؤ لکھتے ہیں!

"پیغمبر اسلام ﷺ نے اتنی زبردست، تبدیلی کی کہ وہ لوگ جو خالص عرب تھے اور اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی لڑکیاں نیگرو غلام بلال حبشیؓ کے لئے شادی میں پیش کیں۔ اسلام کے دوسرے خلیفہ جو عمر فاروقؓ کے نام سے مشہور ہیں جب وہ اس غلام کو دیکھتے تو فوراً ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان الفاظ کے ساتھ ان کا استقبال کرتے!

"یہ ہمارے معلم آگئے، یہ ہمارے آقا آگئے"۔(۱)

ڈاکٹر مارکس ڈاؤس انتہائی متعصب عیسائی ہے تاہم وہ بھی اعتراف حقیقت سے باز نہ رہ سکا۔

"محمد ﷺ بہت شفیق اور رحمدل تھے، اور بلاشبہ آپ ﷺ کا یہ منشا تھا کہ غلاموں کی حالت میں اصلاح کریں ...... آپ ﷺ نے موجودہ غلاموں سے نیک برتاؤ کی ہدایت فرمائی، اس بارے میں آپ ﷺ کی آخری نصیحت ایسی اہم اور وقیع ہے کہ اس سے قطع نظر ممکن ہی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا!"

دیکھو غلاموں کو وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور ایسا ہی کپڑا پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو"۔

اس کے بعد لکھتے ہیں!

"ایک غلام جس کو قانوناً اور مذہباً اس طرح محفوظ رکھا گیا ہو زمانہ حال کے مفہوم غلامی کے اعتبار سے غلام نہیں کہلایا جا سکتا۔(۲)

نبی رحمت محسن انسانیت ﷺ نے دیگر مظلوم طبقوں کے ساتھ غلاموں کے

---

(۱)۔ راما کرشنا راؤ/ محمد پیغمبر اسلام ﷺ، ص ۱۹، مع مجموعہ مقالات/ وحید الدین خان، مکتبہ اشرفیہ لاہور (س۔ن) ا/۱۹،

(۲)۔ Smith. H.R. Bosworth /Mohammad & Mohammadan Ism. London, 1874, (Reprint Lahore) P-143,

اتھ بھی انسانیت اور حسن سلوک کا درس دیا اور انہیں تاریخ میں پہلی مرتبہ انسانی
قوق سے نوازا، آپ ﷺ نے غلاموں کو اتنے حقوق عطا فرمائے اور ان کے مالکوں
اتنی ذمہ داریاں عائد فرمائیں کہ "غلامی" کی شکل ہی بدل گئی۔

غلامی اور آقائی کا سابق مفہوم ختم ہو گیا۔ اور غلام آقا کے خاندان کا رکن
رار پایا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے دین حق کی صدا پر لبیک کہنے والے غلاموں کو وہ
رتبہ اور مقام حاصل ہوا جو رؤسائے قریش کو حاصل نہ ہو سکا۔

حضرت بلال حبشیؓ، عمار بن یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، زید بن
حارثہؓ، سالمؓ، عامر بن فہیرہؓ، خباب بن ارتؓ، جیسے اجلۂ صحابہ غلام تھے جن پر رؤسائے
قریش رشک کرتے تھے۔

علمبردار عدل و انصاف سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد
خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک موقعہ پر سرداران قریش، جن میں سہیل بن عمروؓ،
ابوسفیانؓ، اور حارث بن ھشامؓ، جیسی شخصیات شامل تھیں، آپؓ سے ملاقات کے لئے
آئے۔ ان ہی کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلال حبشیؓ، اور حضرت عمارؓ، وغیرہ
تھے۔ جو گو پہلے غلام رہ چکے تھے، لیکن غزوۂ بدر سن ۲ھ میں شرکت کے شرف سے
فیضیاب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے انہی حضرات کو شرف ملاقات سے
نوازا۔ یہ دیکھ کر ابوسفیانؓ سے جو قبول اسلام سے قبل مشرکین مکہ کے سردار رہ چکے
تھے۔ اور بلند مقام رکھتے تھے نہ رہا گیا اور ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے!

"ما رأیتُ کالیوم قطّ، إنہ یُؤذن لھٰؤلآء العبید ونحن
جلوس لایلتفت إلینا"

آج سے زیادہ کوئی دن مجھ پر سخت نہیں گزرا کہ ان غلاموں کو تو بازیابی کی
اجازت مل رہی ہے اور ہم منتظر ہیں۔ ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔

یہ سن کر حضرت سہیل بن عمروؓ نے جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ
رکھتے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ کا جواب دیتے ہوئے کہا!

"واللہ قد اریٰ مافی وُجُوھکم فان کنتم غصاباً فاغضو

علی انفسکم، دُعی القوم و دعیتم، فاسرعوا وابطأ
تم أما واللہ لما سبقوکم بہ من الفضل أشدّ علیکم
فوتامن بابکم ھذا الذی تنافسون علیہ" (۱)

خدا! میں تمہارے چہروں کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا ہوں۔ اب اگر تمہیں غصہ آرہا ہے تو اپنے اوپر ہی آنا چاہئے۔ قوم کو اسلام کی دعوت دی گئی اور تمہیں بھی انہوں نے سبقت دکھائی اور تم بیٹھے رہے۔ سن لو خدا کی قسم اس سبقت کے نتیجہ میں خدا کے حضور تمہارے مقابلہ میں ان کو شرف و منزلت کا مقام حاصل ہوا ہے اس کی حسرت تمہارے لئے اس محرومی سے کہیں زیادہ ہو گی جو آج تمہیں اس دروازے مل رہی ہے، جہاں تم میں کا ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش کر رہا ہے۔

انگریز دانشور جان۔ جوزف لیک (John Joseph Lake) حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"یہ ایک نادر حقیقت ہے کہ جس وقت اقوام عالم غلامی میں ڈوبی ہوئی اس وقت عالم اسلام میں حیرت، اخوت، اور مساوات انسانی پر عمل ہو رہا تھا۔ اس وقت کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ غیر مسلم جنگی قید دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد فی الحقیقت آزاد ہو جاتا تھا۔

نہ صرف یہ بلکہ اپنے مخصوص رنگ کے باوجود وہ نظریاتی اور عملی طور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مساوی درجہ رکھتا تھا۔ (۲)

آئرلینڈ کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر نیول بیگٹ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں!

"مذاہب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے بنی نوع انسانی کے لئے تر

☆☆

(۱)۔ ابن الأثیر الجزری / أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار صادر بیروت، ۲/ ۲۷۳،

(2)-John Joseph Lake/ Islam its Origin, Genius and Mission, London, 1878, P-57,

کی راہیں کھول دی ہیں اور انسانیت کی بہت بڑی خدمت کی۔...... اس نے سماج میں اور بہت سی اصلاحات بھی کی ہیں جن سے بنی نوع انسان کو ہر دور میں فائدہ پہنچتا رہے گا۔...... اس نے غلاموں کو اس درجہ بلند بنانے کی کوشش کی ہے جس پر آقا بھی رشک کر سکتے ہیں۔(۱)

محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات غلاموں کی آزادی کی ترغیب سے معمور ہیں۔

صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا!

"جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آتش دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا"۔(۲)

اسی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بکثرت غلام آزاد کرتے تھے اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ امیر اسماعیل نے (۳) 'سبل السلام' میں چند صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی فہرست نقل کی ہے جو درج ذیل ہے!

نام	آزاد کردہ غلاموں کی تعداد
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۶۷
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	۷۰
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ	۱۰۰
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۰۰۰
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳۰،۰۰۰
ذوالکلاع حمیری	۸۰۰۰

جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ان صحابہ کرامؓ کی فہرست میں ممتاز نظر ☆☆

(۱)۔ ابو محمد امام الدین رغیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام، صدیقی ٹرسٹ کراچی، ص ۱۹۷،

(۲)۔ بخاری رکتاب الرھن فی الحضر، باب فی العتق وفضلہ،

(۳)۔ سبل السلام ۲ر ۳۵۴ شرح بلوغ الکرام،

آتا ہے جنھوں نے بکثرت غلام آزاد کیے۔(۱)

تاریخ اسلام میں غلاموں کا مقام:

ذیل میں درج کردہ تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے غلاموں کو بلند مقام عطا کیا، اور انہیں اتنے حقوق عطا کیے کہ غلامی کی نسبت کے سوا عام انسانی حقوق میں ان میں اور آقاؤں میں بہت کم فرق رہ گیا۔ ان پر ہر طرح کی ترقی کے دروازے کھل گئے اور بہت سے غلام آقا کے ہمسر بلکہ مرتبہ میں ان سے بڑھ گئے، اسلام کی تاریخ غلاموں کی عظمت اور ان کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔

اکابر صحابہؓ میں حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت سالمؓ، مولی ابو حذیفہؓ، حضرت خباب بن ارت وغیرہ غلام ہی تھے۔ جن کے سامنے سرداران قریش گردنیں خم کرتے تھے۔

تابعین میں عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، نافع بن کاؤسؒ، محمد بن سیرینؒ، حسن بصریؒ، طاؤس بن کیسانؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، مکحول دمشقیؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابو العالیہ ریاحیؒ، ربیعۃ الرائیؒ وغیرہ غلام تھے۔

تبع تابعین میں عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن معین، سفیان بن عینیہ، امام محمد، حماد بن زید، لیث ابن سعد، علی بن المدینی وغیرہ دینی علوم کے امام تھے، جن کے سامنے بڑے بڑے ہاشمی و مطلبی زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔ یہ چند نام بطور مثال ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ حکومت و کشور کشائی کے ایوان سے لے کر علم و فن اور تعلیم و تدریس کی مسند ارشاد و ہدایت کے زاویوں تک کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں غلاموں نے نام نہ پیدا کیا ہو، اسلام کی تاریخ غلاموں کے کمالات و کارناموں سے معمور ہے۔(۲)

غلاموں اور آزادوں میں سوشل مساوات اور برابری کا ہی نتیجہ تھا کہ تحصیل علم و کمال کے دروازے دونوں پر یکساں کھلے ہوئے تھے۔ اور جو غلام اپنی فطری

(۱)۔ شاہ معین الدین ندوی ر دین رحمت ص ۱۶۹، (۲)۔ ایضاً ر ص ۱۸۲، ۱۸۳،

استعداد، محنت اور ذاتی ذوق و شوق کے باعث علم و فضل میں کوئی نمایاں مقام حاصل کر لیتے تھے ان کی تعظیم و تکریم ان کی علمی جلالت شان کے مطابق کی جاتی تھی۔ بڑے بڑے سلاطین و امراء ان کی قدر دانی کرتے اور ان کی عظمت و برتری کو تسلیم کرتے تھے، عہد تابعین تو اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس زمانہ میں فقہ کے اکثر مراکز پر غلاموں کا قبضہ تھا۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ!

جب عبادلہ ثلاثہ یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، کا انتقال ہو گیا تو تمام ممالک میں فقہ کے مراکز غلاموں کی طرف منتقل ہو گئے۔ چنانچہ مکہ میں عطاء بن ابی رباح، یمن میں طاؤس بن کیسان، یمامہ میں یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی، شام میں مکحول دمشقی، اور خراسان میں عطاء الخراسانی فقہ میں مرجع انام تھے۔ البتہ مدینہ میں صرف حضرت سعید بن المسیّب فقہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔ جو قرشی الأصل تھے۔...... اس اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر غلاموں اور غلام زادوں نے تاریخ اسلام میں کیسے کیسے عجیب و غریب علمی اور عملی شاندار کارنامے انجام دیئے، اور مسلمانوں نے ان کے کمالات ذاتی اور علم و فضل کی کس طرح قدر و پذیرائی کی وہ اسلامی تاریخ کا روشن اور ناقابل فراموش باب ہے۔(۱)

اس موضوع پر مزید تفصیلات اور معلومات کے لئے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب ''غلامان اسلام'' مکتبہ القریش لاہور ۱۹۸۷ء کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

محسنِ انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات اور غلاموں کے حقوق اور ان کے مقام کے متعلق وصیت اور احکامات

پیغمبر اسلام ﷺ کو غلاموں کے حقوق اور ان سے کس درجہ تعلق خاطر تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وصال کے بالکل آخری لمحات میں آپؐ نے

☆☆

(۱)۔ سعید احمد اکبر آبادی ر غلامان اسلام، مکتبہ القریش لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۱۶، ۱۷،

جو وصیت فرمائی اور زبان نبوی ﷺ پر جس طبقہ کا دم واپسی ذکر تھا وہ یہی مظلوم غلاموں کا طبقہ تھا۔

اس موقعہ کی جو مرقع آرائی مولانا عبدالماجد دریابادی نے کی ہے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

چنانچہ موصوف لکھتے ہیں!

"تاریخ کے راوی کا بیان ہے ...... جب دنیا میں آئی ہوئی روح اعظم مدینہ سے واپس اپنے وطن اصلی کو جارہی تھی، وقت بالکل آخری تھا، سینہ میں غرغرہ شروع ہو چکا تھا۔ کہ لب مبارک ہلے اور آس پاس جو قریبی عزیز اور تیمار دار تھے انہوں نے کان لگا دیئے کہ اس وقت کوئی بہت اہم وصیت ارشاد ہو رہی ہے۔ خیال صحیح تھا وصیت ارشاد ہوئی، لیکن نہ محبوب بیوی حضرت عائشہؓ کے لئے تھی نہ چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے لئے اور نہ جاں نثار صحابیوںؓ، رفیقوںؓ میں سے کسی کے حق میں بلکہ اس مختصر ارشاد کے بول کل یہ تھے!

"الصّلوٰة و ماملکت ایمانکم" "نماز اور غلام"

یہ کیا ہے نماز تک تو خیر کہ وہ بزرگ ترین عبادت تھی۔ اور سید الانبیاءؐ کو اس کی ہدایت کرنا ہی تھی۔ لیکن "یہ غلام" کیا معنی؟

حیات مبارک کے بالکل آخری لمحوں میں فکر اور پرواہ نہ گھر والوں کی تھی، اور نہ اس مملکت و سلطنت کی، جو ابھی نئی نئی قائم ہوئی تھی، بلکہ ساری توجہ کے مرکز مظلوم و مجبور غلام قرار پائے۔

اللہ اللہ! یہ خوش قسمت غلام! سوچئے اور ایک بار پھر سوچئے کہ غلام دنیا کی تاریخ کے اس دو میں کیا مرتبہ و مقام رکھتے تھے ر

غلامی کا لفظ ہی ذلت و تحقیر کا مرادف تھا اور مصر ایران اور یونان اور روم دنیا کے تمدن مل کر بھی غلام کو غلامی کے عذاب سے نجات نہ دلا سکے تھے ...... شاعر نے اگر ایسے ممدوح کی شان میں کہہ دیا!

"یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ"

تو یقیناً شاعری نہیں کی محض تاریخی واقعہ بیان کیا ہے۔ اور محسن انسانیتؐ

وہی ہستی ہے جو زندگی میں فرمایا کرتی تھی کہ !

"یہ غلام! تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ انہیں کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ"

غلاموں کے ساتھ مساوات کا یہ وہ تخیل ہے جو تاریخ کے اس دور میں کسی کے دماغ میں گزر ہی نہیں رکھ سکتا تھا۔(۱)

مولانا دریاآبادی مزید لکھتے ہیں!

زید بن حارثہؓ کا قصہ تو کیوں نہ سننے میں آیا ہوگا۔ کسی نصرانی خاندان کے تھے اور ابھی بچپن ہی کا زمانہ تھا کہ کسی جنگ میں قید ہو کر آئے۔ حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے عزیز تھے۔ ملک شام سے انہیں بطور غلام خرید کر لائے اور حضورؐ کی خدمت میں منتقل کر دیا۔ ادھر آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا اور ادھر وہ ایمان لے آئے، آپ ﷺ نے معاً غلامی سے اپنی فرزندگی میں لے لیا۔

ادھر ان کے والد حیران و پریشان مکہ پہنچے اور فرزند دلبند کو پاکر قدرۃً انہیں واپس گھر لے جانا چاہا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اختیار ہے۔

زید اب اپنی مرضی کے مالک و مختار تھے، لیکن دنیا اس واقعہ کو حیرت کے کانوں سے سنے کہ اس آزاد شدہ غلام نے وطن جانے سے انکار کر دیا اور دامان رسول ﷺ نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا...... شفقت، حسن سلوک اور مدہ نوازی کا یہ اگر اعجازی کارنامہ نہ تھا تو اور کیا تھا؟

ایک انصاری صحابی ابو مسعودؓ نامی تھے ملک کے عام دستور کے مطابق اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی!

ابو مسعود! تمہیں جتنا اختیار اس (غلام) پر ہے اس سے بڑھ کر اللہ کو تم پر اختیار ہے۔

صحابیؓ نے مڑ کر دیکھا تو کہنے والے خود حضور انور ﷺ تھے۔ اور اس مختصر و بلیغ وعظ کا اثر یہ ہوا کہ معاً انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔

ایک اور صحابیؓ کی روایت ہے کہ میں نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

☆☆

(۱)۔ عبد الماجد دریابادی، ذکر رسول ﷺ، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۷

عرض کیا کہ حضرت میں غلاموں کا قصور کتنی بار معاف کروں؟

کچھ تامل کے بعد ارشاد ہوا کہ!

"ستر بار!"

کوئی ٹھکانہ ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کی اس وسعت کرم ورافت کا۔

غلاموں کو اصلی احساس کمتری خود لفظ "غلام" سے پیدا ہوتا تھا اور اس ایک لفظ کے اندر ذلت و حقارت کی ایک پوری دنیا آباد معلوم ہوتی تھی، خلق کے اس معلم اعظم ﷺ نے اس ذہنی کیفیت کا پورا اور صحیح اندازہ کر کے ارشاد فرمایا کہ!

"کوئی ان لوگوں کو میرا غلام یا میری لونڈی نہ کہے بلکہ میرا بچہ یا میری بچی کہہ کر پکارے۔(۱)

غلامی انسان کے قدیم تمدن کی سب سے بوجھل زنجیر تھی، یہ زنجیر انسانیت کی نازک گردن سے صرف اسلام نے کاٹ کر الگ کی، غلاموں کے آزاد کرنے کے فضائل بتائے، ان کے ساتھ نیکی، احسان اور حسن سلوک کی تاکید کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زکوٰۃ کی آمدنی کا ایک خاص حصہ اس کے لئے نامزد فرمایا کہ اس سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔...... انسانوں کے اس درماندہ طبقہ پر یہ اتنا بڑا عظیم الشان احسان کیا گیا ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے محسنین کی فہرست میں نظر نہیں آ سکتی، پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت نے صرف اس لئے کہ انسانوں کے اس واجب الرحم فرقہ کو اپنی کھوئی ہوئی آزادی واپس ملے، اپنی امت پر ایک دائمی رقم واجب ٹھہرادی کہ اس کے ذریعہ سے نیکی کے اس سلسلہ کو اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک دنیا کے تمام غلام آزاد نہ ہو جائیں یا اس رسم کا دنیا کی قوموں سے خاتمہ نہ ہو جائے۔(۲)

☆☆

(۱)۔ عبدالماجد دریابادی/ذکر رسول ﷺ، ص ۱۵۸

(۲)۔ سید سلیمان ندوی/سیرت النبی ﷺ ۵/۱۲۷،

بابِ ہفتم

عالمگیر مسلم برادری کے قیام
اور مواخات
کے حق کا ابدی اعلان

باب ہفتم

عالمگیر مسلم برادری کے قیام
اور
مؤاخات کے حق کا ابدی اعلان

"أيها الناس !

اسمعوا قولي فإنّي قد بلّغت، واعقلوه تعلمن أنّ كلّ مسلم أخو المسلم وانّ المسلمين إخوة،

فلا يحلّ لأمرئ مال أخيه إلّا ما أعطاه عن طيب نفس منة فلا تظلمن أنفسكم (۱)

لوگو!

میری بات سنو بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا، اسے سمجھو تاکہ! تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ وہ خوش

☆☆

(۱)۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویۃ ۲ / ۶۰۴۔

دلی سے اس کو کچھ دیدے۔ لہذا تم اپنے نفسوں پر زیادتی مت کرو۔

انسانی تاریخ کی مقدس ہستیوں سے کائنات انسانی کی افضل اور محبوب و مقدس ترین ہستی کا یہ خطاب اہمیت و عظمت کے حوالہ سے انسانی تاریخ پر نقوش تاباں رکھتا ہے۔ جس کے ذریعہ انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے اولاد آدمؑ کے ہدایت یافتہ جان نثاروں کو قومیت، نسبیت، اور ہر قسم کی عصبیت سے دور رہنے کی تعلیم دے کر تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پرو ڈالا۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

''تمام مسلمان بھائی ہیں''

پھر مزید فرمایا!

''کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دیدے''۔

اس فرمان کے ذریعہ ملکیت اور جائیداد کے تحفظ کے حق کی طرف تصریح فرمادی، پوری امت مسلمہ کو ایک برادری قرار دے کر انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اُمہ کو ''حق مؤاخات'' سے سرفراز فرمایا! بقول اقبالؔ ۔

ماز نعمت ہائے او اخواں شدیم

یک زباں و یک دل و یک جاں شدیم

معروف سیرت نگار علامہ قاضی سلیمان منصور پوری کے الفاظ میں!

''اس طرح رسول اکرم ﷺ نے نسل اور قومیوں کی خصوصیتوں، ملک و قوم کی حالتوں، امیری و غریبی کے امتیازوں، فاتح و مفتوح کے تفاوتوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگوں کے مابہ الامتیازوں سے قطع نظر کر کے کیسی خوش اسلوبی سے سب کو دین واحد کے رشتہ سے متحد و متفق، یکساں مساوی، ہم سطح و ہم خیال، ہم اعتقاد و ہم آواز بنایا۔(۱)

☆☆

(۱)۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین دار الاشاعت کراچی ۱۴۱۱ھ، ۱ر۳۵۔

اور در حقیقت محسن انسانیت ﷺ کا یہ وہ عظیم کارہائے نمایاں ہے کہ جس سے غیر مسلم دانشور، مؤرخین اور سیرت نگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں اعتراف حقیقت کرنا ہی پڑا۔ ہندو دانشور راجہ رادھا پرشاد سہنا کو پیغمبر اسلام ﷺ کی اسی مقدس تعلیم نے متاثر کیا، وہ اعتراف حقیقت کے طور پر معترف ہے ا

"مختلف قوموں اور نسلوں میں اخوت کا رشتہ قائم کر دینا، آنحضور ﷺ کی ہدایت سے پیشتر دنیا میں غالباً کبھی اور کہیں نہیں دیکھا گیا۔ یہ آپ ﷺ ہی کی فیض رساں تعلیم کا نتیجہ ہے کہ نسلی اور قومی تفریق مٹا کر سب کو بھائی بھائی بنا دیا اور سرکار دو عالم ﷺ کی یہی وہ مساوات اور بھائی چارے کی وہ دلکش اور روح پرور تعلیم ہے جس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا ہے اور پہلی وہ دلنشین اور دلپزیر ہدایت ہے جو انسانی دلوں کو موہ لیتی ہے"۔(۱)

رسالتمآب ﷺ کے اسلامی اخوت کے اعلان کی بدولت اسلامی اُمہ کی عالمگیر برادری قائم ہوئی اور صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور علی مرتضیٰ القرشیؓ ایک ہی صف میں نظر آئے۔

اس تعلیم کی بدولت نسلی، جغرافیائی لسانی امتیازات ختم ہو گئے، محبت، اخوت اور یگانگت پر مبنی عالمگیر برادری کا قیام عمل میں آیا، آقا و غلام ایک نظر آئے، ایک حبشی تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت سے مالا مال ہونے کی بناء پر قریشی سردار سے زیادہ معزز ٹھہرا، اور غلام عالمگیر برادری کی امامت و بادشاہت کے لائق قرار پایا، نوع انسانی کی قطعی اور مکمل مساوات اور وحدت کا یہ عظیم الشان اعلان ہے۔ جس نے قوم پرستی اور نسل پرستی کی رگ گردن کاٹ دی۔

پیغمبر اسلام محسن انسانیت ﷺ کے انسانیت پر احسان عظیم کی صورت میں اس انقلاب کی اثر انگیزی کا اعتراف عیسائی دانشور فلپ کے حطی (P.K. Hitti) ان الفاظ میں کرتا ہے!

"صدیوں سے یہ دستور اسلام میں مسلسل اتحاد کی بڑی قوت کے طور پر کام

☆☆

(۱)۔ جگت مہر شی ص ۳٦،

کر رہا ہے، بھانت بھانت کے مسلمانوں میں یہ موثر ترین مشترکہ رشتہ ہے...... دنیا کے چہار اطراف کی اسلامی برادری کے اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں مشکل مبالغہ آرائی کی ضرورت پڑے گی، یہ حبشیوں، چینیوں، شامیوں اور عربوں کو امیر و غریب کو، کمتر و برتر کو مذہب کی مشترکہ اساس پر بھائی چارے اور باہم ملنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں پیغمبر اسلام ﷺ کو رنگ و نسل اور قومیت کی دیواریں گرانے میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔(۱)

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ماپروردۂ یک نو بہاریم

(اقبال)

آج دنیا ایسی عالمگیر برادری کی متلاشی ہے جس میں آدمی آدمی کے درمیان امتیاز نہ رہے۔ نسل اور رنگ کا فرق نہ رہے، جس میں امیر و غریب، حاکم و محکوم، شاہ و گدا سب کو یکساں حقوق و مراعات حاصل ہوں۔

جس میں تمام انسانوں میں اخوت اور بھائی چارگی کا قیام عمل میں آئے، تمام انسانوں میں اتفاق و اتحاد، امن و دوستی، رواداری اور صلح قائم رہے اور کوئی فرد کسی کے حقوق پامال نہ کر سکے۔

اس سلسلہ میں اقوام عالم کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی، جو سر تا پا انسانیت کی رہنما اور فطرت انسانی کی ترجمان ہیں۔

☆☆

(۱)۔ Hitti. P.K /History of the Arabes . P-136.

عدالتی تحفظ، قانونی مساوات، چارہ جوئی،

دادرسی اور حصول انصاف کا حق

الا لا یجنی جان الاّ علی نفسه، ولا یجنی حان علی ولده، ولا مولود علی ولده (۱)

آگاہ رہو۔ کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبر کوئی مجرم جرم نہیں کرتا کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو۔ اور نہ کوئی بیٹا کرتا ہے، جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔

محسن انسانیت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ انسانیت کو آئینی اور عدالتی تحفظ کی یقین دہانی فرما کر اسے اسلامی آئین کی صورت عطا فرمادی، چنانچہ اس مملکت کے زیر سایہ تمام رعایا بلا تفریق رنگ و نسل اور مذہب و ملت آئینی قانونی مساوات، عدالتی چارہ جوئی اور حصول انصاف میں مساوی حیثیت قرار پا مظلوم انسانیت کی دادرسی اس مقدس ارشاد کے ذریعہ فرمادی کہ!

"کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے"

یہ تعلیم درحقیقت ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

"کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا"

یعنی کسی کے اعمال بد کی سزا دوسرے کو نہ دی جائے گی، اور یہی درحقیقت تقاضائے انصاف اور مقصد انسانیت ہے، رسالتمآب ﷺ کی یہ تعلیم درحقیقت مذکورہ ارشاد خداوندی کی قولی و عملی تشریح و تفسیر ہے۔ جس میں تمام نبی نوع کو اور انسانی ذریت کو بلا تفریق مذہب و ملت اور بلا تفریق حاکم و محکوم عدالتی تحفظ اور حصول انصاف کا مساوی حق فراہم کیا گیا ہے۔

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے اس فرمان عالیشان کی اہمیت

☆☆

(۱)۔ ابن ماجہ / السنن، اصح المطابع کراچی، ص ۱۹۱،

عظمت جاننے کے لئے اسلام سے قبل عرب جاہلیت کے معاشرہ اور اس سلسلہ میں ان کے انصاف کی غیر مساویانہ تقسیم اور خود ساختہ قوانین پر نظر ڈالئے جہاں انسانیت کو ادنیٰ اور اعلیٰ شریف اور رذیل کے ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا اور اس طرح جرم کوئی کرتا اور اس کی سزا کسی کو ملتی۔

چنانچہ قصاص (خون بہا) کے مسئلہ میں ان کا نظریہ تھا کہ معزز شریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی رذیل (نچلے طبقہ کا فرد) ہوتا تو قاتل کے قبیلہ میں اس مقتول کا ہم رتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا، ان کا یہ اٹل فیصلہ اور نظریہ تھا کہ!

انّ دم القتیل الشّریف لا یغسل إلّا بدم شریف مثله (۱)

شریف (معزز) آدمی کا خون اسی کے ہم مرتبہ شریف (معزز) آدمی کے خون سے دھویا جا سکتا ہے۔

عہد جاہلیت کے عرب شاعر قراد بن حنش الصادری کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے جس سے عہد جاہلیت کے اس جاہلانہ دستور کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے!۔

أباً نسا بهم قتلیٰ و مافی دمائهم
وفاء و هنّ الشّافیات الحوائم(۲)

"ہم نے ان لوگوں کے بدلے کچھ لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کے خون ان کے برابر نہ تھے۔ اور یہی خون پیاسوں کو شفاء دینے والے ہیں۔"

آزاد فرد کا قاتل غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا اور کسی مالک یا کسی آزاد رشتہ دار کا سر مانگا جاتا، یا کوئی آزاد غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا، بلکہ کمتر معاوضہ دیا جاتا۔ (۳)

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا لا یجنی جان إلّا علی نفسهٖ

☆☆

---

(۱)۔ ڈکتور جواد علی / المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴ / ۵۴۲۔
(۲)۔ محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب فی احوال العرب ۳ / ۴۸۸۔
(۳)۔ حمید اللہ / عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۱۵۱۔

"آگاہ رہو کوئی مجرم جرم نہیں کرتا، مگر اس کی اپنی ذات پر ہے" کے فرمان کے ذریعہ درحقیقت جاہلیت کے اس جاہلانہ، ظالمانہ اور غیر منصفانہ نظریہ کی واشگاف الفاظ میں تردید فرمادی اور قانون کی نظر میں تمام انسانوں کو مساوی حیثیت کا حامل قرار دیا، کہ جو بھی معاشرہ کا فرد جرم کرے گا اس کی سزا وہی پائے گا، اس کے جرم کی پاداش میں کوئی اور سزا نہ پائے گا۔

انساف کے معاملہ میں شریف اور رذیل کی غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ تقسیم کو باطل قرار دے کر تمام انسانوں کو مساوی حیثیت میں حصول انصاف، عدالتی چارہ جوئی، دادرسی اور عدالتی تحفظ کا حق عطا فرما کر انسان کو انصاف اور قانون کی نظر میں مساوی مقام سے سرفراز فرمایا۔

عدالتی چارہ جوئی، حصول انصاف اور دادرسی کا یہ حق محسن انسانیت ﷺ نے ۶۳۲ء میں خطبۂ حجۃ الوداع" کے ذریعہ اسلامی آئین اور دستور کا حصہ قرار دیا۔

جبکہ عہد جدید کی مہذب دنیا (یورپ) اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں کی تاریخ آئین سازی اور انسانی حقوق کی تحریک کے آغاز وارتقاء تاریخی نظر ڈالتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسی بنیادی حق کا اعلان یورپ کی دنیا کے ملک انگلستان میں ۱۲۱۵ء میں میگناکارٹا (Magna Carta) کے نام سے ہوا جو کہ درحقیقت اس کے خود ساختہ مفہوم اخذ کرنے کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ ۱۳۵۵ء میں کنگ ایڈورڈ کے عہد میں منشور کی دوبارہ منظوری کے بعد قانون چارہ جوئی (Due Process of Law) کی اصطلاح پہلی بار مستعمل ہوئی۔

جبکہ ۱۶۷۹ء میں طویل جدوجہد کے نتیجہ میں "قانون حبس بے جا" (Habeas Corpus) منظور کیا گیا۔(۱)

انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مجریہ ۱۶ مارچ ۶۳۲ء کی طرف دیکھئے، اس میں انسانیت کے لئے تمام آئینی تحفظات فراہم کر دیئے گئے اور اتنی واضح تعلیمات ہدایت کی گئیں کہ جن کی من مانی تشریح اور خود

☆☆

(۱)۔ عبدالستار بھٹو، حقوق انسانی پر طائرانہ نظر، ماڈرن پبلی کیشنز کراچی ۱۹۸۸ء، ص ۸۸۔

ساختہ مفہوم اخذ کرنے کے لئے بھی کسی قسم کے تکلفات کی گنجائش نہیں رہتی۔

محسن انسانیت ﷺ کے ان آئینی تحفظات کو خود محسن انسانیت ﷺ کے قائم کردہ مثالی مدنی معاشرہ میں اور آپ ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کے فلاحی معاشرہ عہد خلافت راشدہ ۱۱ھ تا ۴۰ / ۶۳۲ء تا ۶۶۱ء میں جس طرح عملی شکل میں نافذ العمل بنایا گیا اسلامی تاریخ کے عدل وانصاف سے عبارت سنہرے ادوار اس کے گواہ ہیں۔

انسانیت کے منشور اعظم ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے تحفظ اور اس کے نافذ العمل بنانے کا اعلان عام:

وإنّي مسؤل وأنكم مسؤلون .... فليبلّغ الشاهد الغائب، فلعلّ بعض من يبلغه أن يكون أوعى له من بعض من سمعه،

ألا هل بلّغت والسّلام عليكم ورحمة الله - (۱)

اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہو گی اور تم سے بھی ...... تو جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہیں۔ ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔

سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے ''خطبہ حجۃ الوداع'' (منشور انسانیت) کے رسمی اعلان پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے تحفظ، اجراء اور عملاً نافذ العمل بنانے کے لئے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے خطبہ کے آغاز ہی میں حمدیہ

---

(۱)۔ الواقدی (محمد بن عمر) / کتاب المغازی مؤسسۃ الاعلمی بیروت، ۳ / ۱۰۲، ابن سعد / الطبقات ۲ / ۱۸۶۔

کلمات کے بعد فرمایا!

"اسمعوا قولی تعیشوا"

میری بات سنو تمہیں زندگی ملے گی۔

پھر جا بجا دوران خطبہ اس کی اہمیت کی وضاحت، تحفظ اور اسے دائمی اور نافذ العمل بنانے کے لئے فرمایا!

"الا ھل بلغت ؟ اللّٰھمّ فاشھد"

آگاہ رہو میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا، اے اللہ تو گواہ رہ۔

ایک جگہ ارشاد ہوا!

"وانکم ستلقون ربّکم فیسألکم عن اعمالکم"

بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں بازپرس کرے گا۔

اور یہاں خطبہ کے اختتامیہ کلمات میں فرمایا!

"وانّی مسؤل وانکم مسؤل ...... فلیبلّغ الشّاھد الغائب"

اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بازپرس ہوگی اور تم سے بھی (ہر دو فریق بارگاہ خداوندی میں جواب دہ ہیں) تو جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دے، جو موجود نہیں ہیں۔

• "خطبہ حجۃ الوداع" منشور انسانیت کے تحفظ اور اس کے نافذ العمل بنانے کے لئے قولی اور عملی بنیادوں پر کیا اس سے بھی زیادہ اہمیت اور تاکید کی تعلیمات و تلقینات کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

یہ تلقینات اور اہمیت کے اظہار کے لئے اس قسم کے تاکیدی کلمات اور اس کے عملی نفاذ کے لئے اس قسم کی ہدایات اور تحفظات کسی اور منشور انسانیت میں بھی ملتی ہیں۔

اس سلسلہ میں محسن انسانیت ﷺ کے عالمی، دائمی اور مثالی منشور انسانیت کا موازنہ (Comparative Study) عہد حاضر کی یونائیٹڈ نیشنز کے

منشور انسانی حقوق (United Nations Charter and Human Rights) سے کرتے ہیں کہ رسمی اعلان اور اجراء کے بعد اس کے تحفظ عملی نفاذ کے لئے تحفظات اور ہدایات ملتی ہیں یا نہیں اور آیا یہ کہ اس کے عدم نفاذ کی صورت میں قانونی طور پر کیا ان پر کوئی قدغن عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟

مزید یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کے لئے کوئی قوت نافذہ آمرہ بھی ہے کہ جو اسے عملی بنیاد پر نافذ العمل بنا سکے۔ جس کا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اعلان کیا۔

اور یہ کہ اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں کی کوششوں کا ماحصل کیا ہے ؟

کیا منشور نے فی الواقع انسان کو جبر و استبداد اور آمریت و فسطائیت کے چنگل سے نجات دلا کر آزادی کی فضا میں سانس لینے اور اپنے حقوق سے متمتع ہونے کا موقعہ فراہم کر دیا ہے ؟

اس منشور کی حقیقت اور اقوام متحدہ کے بے بسی کا حال (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) خود مغربی مفکرین اور ماہرین قانون کی زبانی سنئے !

کمیشن برائے انسانی حقوق نے منشور سے متعلق ایک رپورٹ منظور کی ، جس میں سابقہ انداز فکر کو یکسر الٹ دیا گیا، اس میں یہ عام اصول طے کر دیا گیا کہ !

"کمیشن تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق سے متعلق شکایات کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں رکھتا۔(۱)

نیز کیلسن (Hans Kelson) کا تبصرہ ملاحظہ فرمائے!

"خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی رکن ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں۔ منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے

☆☆

1-Gaius Ezjiofor/ Protection of Human Rights Under the Law, P-80

شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔(۱)

منشور کی حقیقت اور اقوام متحدہ کی بے بسی کی یہ تصویر دیکھنے کے بعد اب مغرب ہی کے ایک فکر سے مستقبل کے امکانات کا یہ مایوس کن تجزیہ بھی سن لیجئے!

''انہی وجوہ کی بناء پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اقوام متحدہ کے تحت انسانی حقوق کے قانونی تحفظ کا کوئی روشن مستقبل ہے ...... اقوام متحدہ انسانی حقوق کے میدان میں بہتر نتائج نہ دکھا سکی، اور نہ اس سے مستقبل میں ایسی توقع رکھنا حقیقت پسندانہ طرز فکر ہوگا۔(۲)

خلاصۂ بحث

مغربی دنیا جو آج اپنے آپ کو انسانیت کی ترجمان، تہذیب و تمدن کی دعویدار اور انسانی حقوق کی علمبردار قرار دیتی ہے، ان کے ہاں بنیادی انسانی حقوق کی تحریک کا تاریخی آغاز وارتقاء گیارہویں صدی عیسوی ۱۰۳۷ء تا بیسویں صدی عیسوی ۱۹۴۸ء کی تاریخ کے ساتھ مخصوص ہے۔

مغربی دنیا کے نظریہ و تحریک انسانی حقوق کا ارتقاء اقوام متحدہ کے ''منشور انسانی حقوق'' مجریہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو قرار دیا جاتا ہے۔

جبکہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کو انسانی حقوق کا عملی تصور اور نافذ العمل نظریہ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر ۵۷۶ء تا ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ۶۳۲ء میں عطا فرما کر رسمی اعلان پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ اس تاریخی دور میں جو کہ مغربی دنیا کی تاریکی، جہالت، تہذیب

☆☆

(۱)۔ محمد صلاح الدین ربنیادی حقوق ص ۹۳ حوالہ
Hans Kelson/ The Law of United Nations. 1950, London., P-29

(۲)۔ ایضاً حوالہ Gaius Ezjiofor/ Protection of Human Rights Under the Law, P-136

سے ناواقفیت اور علم و عمل سے دوری کے باعث تاریخ میں قرون وسطیٰ (Medieval Ages) قرون مظلمہ، دور جہالت اور دور تاریکی کے تاریخی ناموں سے مشہور ہے۔

قرون وسطیٰ یورپ کا یہ دور تاریکی آٹھ سو برسوں پر محیط تھا۔ جس کا آغاز پانچویں صدی عیسوی میں روم کے زوال اور عیسائیت کے عروج کے ساتھ ہوا۔ اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک جس کی ابتداء تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئی جاری رہا۔ اسی وجہ سے آٹھ سو سال کا یہ طویل دور یورپ کا عہد تاریک (Dark Age) کہلاتا ہے۔

عیسائیت کے آغاز کے بعد افلاطون کی اکیڈیمی کو جو کئی سو سال سے قائم چلی آرہی تھی اور یورپ میں اشاعت علم کا بڑا ذریعہ تھا، روم کے شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے ۵۲۹ء میں مقفل کر دیا گیا۔ یونانی حکماء کے تیار کردہ علمی ذخائر کو سلطنت روم کے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ علم حاصل کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ یہ تمام کام سلطنت روم یا یورپی بادشاہوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، بلکہ کلیسا کے ہاتھوں انجام پایا، انتہاء یہ کی گئی کہ پاپائے روم گریگوری اعظم نے جہالت کو علم سے افضل قرار دیا اور فتویٰ جاری کیا کہ جہالت تقویٰ کی ماں ہے۔(۱)

اس تاریک دور کی ایک تصویر یورپ ہی کے مؤرخ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کی زبانی سننے کے بعد مزید وضاحت ہو سکے گی وہ لکھتا ہے۔

"پانچویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک یورپ کی مغربی دنیا بربریت کی اندھیری رات میں ڈوبی ہوئی تھی، جس کا گھٹاٹوپ اندھیرا روز بروز بڑھتا اور تیز تر ہوتا جا رہا تھا، یہ بربریت ابتدائی غیر مہذب اقوام کی بربریت سے بھی زیادہ وحشت ناک اور ہولناک تھی۔(۲)

مغربی دنیا کے اس دور تاریکی میں اسلام کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆

(۱)۔ حفیظ الرحمن صدیقی ر مسلم نشاۃ ثانیہ۔ مطبوعات جاوید کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۹۷،

(۲)۔ Briffault. Robert/ the Making of Humanity, P- 164

کو یہ تاریخی اعزاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو انسانیت نوازی، انسان دوستی کا عملی درس دیا، انہیں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سے آگاہ فرمایا، حقوق و فرائض کے عملی نفاذ پر مبنی ایک تاریخ ساز مثالی دائمی جامع اور ہمہ گیر منشور انسانی حقوق ''خطبہ حجۃ الوداع'' (مجریہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۶ مارچ ۶۳۲ء) کی شکل میں عطا فرما کر ایک تاریخ ساز انسانی فلاحی اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ جس کے نقوش تابندہ کی بدولت اس دور ظلمت کی تاریکی اور غیر مہذب مغربی دنیا بالآخر تہذیب و تمدن کی دولت اور انسانیت اور انسانی حقوق سے متعارف ہو کر تاریخی دور میں داخل ہوئی۔

اس تاریخی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے معروف محقق اور ماہر قانون بین الاقوام ڈاکٹر محمد حمید اللہ (فرانس) لکھتے ہیں!

''صلیبی جنگوں ۱۰۹۶ء تا ۱۲۹۲ء کے سلسلہ میں مشرق کے اسلامی (تہذیب و تمدن، نظام مملکت) اثرات بھی یورپ میں آنے لگے۔ واکر (Walker) کے الفاظ میں! عیسائی یورپ کی مرکز گریز قوتوں نے امداد باہمی اور اشتراک عمل کا پہلا سبق انہی صلیبی جنگوں سے سیکھا۔ اُن لاحاصل جنگوں نے مسلمانوں کے نظام کے گہرے مطالعہ اور تقلید پر آمادہ کیا۔ چنانچہ جدید یورپ میں ''مملکت'' کا آغاز عربوں کے قائم کردہ اداروں ہی کی اساس پر تعمیر و ترمیم کے ذریعہ سے ہوا۔ (۱)

مغربی دنیا اور پیغمبر اسلام ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے صدیوں کے فرق اور بعد زمانی کو سامنے رکھ کر بلاخوف تردید اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات بابرکات ہی کی بدولت انسانیت کو تاریخ میں پہلی مرتبہ حقوق و فرائض پر نافذ العمل اور عملی حقیقت کا آئینہ دار ایسا جامع، ابدی، مثالی، (تاریخی اوّلیت اور حقوق انسانی کے نام نہاد منشوروں اور دستوروں پر ابدی فوقیت کا حامل عالمی اور ہمہ گیر ''خطبہ حجۃ الوداع'') حقوق انسانی کا منشور اعظم عطا ہوا جس پر انسانیت جتنا فخر کرے کم ہے۔ جتنا ناز کرے بجا ہے۔

☆☆

---

(۱)۔ حمید اللہ، قانون بین الممالک، مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۴ھ، ص ۴۱۔

کتابیات

مراجع و مصادر

رُموز و اشارات

☆ (س۔ن) سن ندارد

☆ (م۔ا۔ن) مقام اشاعت ندارد

☆ (م۔ن) مطبع ندارد

عربی

(۱) آلوسی، محمود بن عبداللہ الحسینی/رُوح المعانی
القاهرة، ادارة الطّباعة المنیریة، (س.ن)

(۲) ابن حبّان البستی، محمد/ مشاهیر علماء الأمصار،
القاهرة، (م.ن) ۱۹۵۹ء

(۳) ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی/تهذیب التهذیب
مصر، المطبعة السلفیة، ۱۳۷۰ھ

(۴)☆ (۲) فتح الباری

حیدرآباد دکن، ۱۳۲۵ھ

(۵) ابن حزم، علی بن أحمد/ جوامع السّیرة

القاھرة، ادارة المعارف (س.ن)

(۶) ابن سعد، محمد بن سعد/ الطّبقات الکبریٰ

بیروت، دارصادر، ۱۹۵۷ء

(۷) ابن قیّم الجوزی، محمد بن ابی بکر/ زادالمعادفی هدی

خیرالعباد

بیروت، مطبعة الرّسالة، ۱۹۷۹ء

(۸) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر/ البدایة والنّهایة

القاهرة، مطبعة السّعادة، ۱۳۵۸ھ

(۹)☆ (۲) تفسیر القرآن العظیم

مصر، مکتبه تجاریة، ۱۹۳۷ء

(۱۰) ابن الأثیر الجزری، علی بن أبی الکرم/ أُسدُ الغابة فی

معرفة الصّحابة

بیروت، دارصادر، (س.ن)

(۱۱)☆ (۲) الکامل فی التاریخ

بیروت، دارصادر، ۱۹۶۵ء

(۱۲) ابن العماد الحنبلی، عبدالحی/ شذرات الذهب

القاهرة، مکتبة القدسی، ۱۳۵۰ھ

(۱۳) ابن ماجه، أبو عبدالله محمد بن یزید القزوینی/ السّنن

کراچی ؛ نور محمد اصحّ المطابع، (س. ن)

(۱۴) ابن هشام، ابو محمد عبدالملك/ السّیرة النبویّة

مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ، ۱۹۵۵ء

(۱۵) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی/ السّنن

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (س. ن)

و کان پور، مطبع مجیدیه، ۱۳۴۵ھ

(۱۶) أبو عبدالله الزّوزنی/ شرح المعلّقات السّبع

القاهرة، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۹ھ

(۱۷) أبو یوسف، یعقوب بن ابراهیم القاضی/ کتاب الخراج

لبنان، الجزیرة الرّسمیة، ۱۳۰۲ھ

(۱۸) أحمد امین مصری/ فجر الإسلام

القاهرة، (م. ن)، ۱۹۵۵ء

(۱۹) أحمد بن حنبل، الأمام/ المسند

مصر، دارالمعارف، ۱۹۵۱ء

(۲۰) البخاری، محمد بن أسماعیل/ الجامع الصّحیح

دهلی، مطبع مجتبائی (س. ن)

(۲۱) الترمذی، أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ/ الجامع الترمذی

دهلی، کتب خانه رشیدیه (س. ن)

(۲۲) الجاحظ، عمروبن بحر/ البیان و التبیین

القاهرة، مطبعة الإ ستقامة، ١٩٤٧ء

(۲۳) الحصین، أحمدبن عبدالعزیز/ المرأة المسلمة أمام

التحدیات

بیروت، دارالبخاری، ١٤١٧ھ، ١٩٨٦ء

(۲۴) الحلبی، علی بن برهان الدین/ (السیرة الحلبیة) انسان

العیون فی سیرة الأمین والمأمون

بیروت، دارالمعرفة (س. ن)

(۲۵) الدّارمی، عبدالله بن عبدالرحمٰن/ السّنن

بیروت، دارالإحیاء السنة النّبوّیة، (س. ن)

(۲۶) الذّهبی، ابوعبدالله، شمس الدین محمد بن أحمد/ تذکرة

الحفّاظ

حیدر آباد دکن، ١٣٢٥ھ

(۲۷)☆(۲) سیر اعلام النّبلاء،

بیروت، مؤسّسة الرّسالة، ۱۹۸۸ء
(۲۸)☆(۳) میزان الإعتدال

القاهرة، تحقیق علی البخاری، ۱۹۶۳ء
(۲۹) السّیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن/ الإتقان فی علوم القرآن

القاهرة (م.ن)، ۱۹۵۱ء
(۳۰) الشّهرستانی / الملل والنّحل
مصر، مطبعة الأزهر، ۱۹۷۰ء
(۳۱) الصّفدی، خلیل بن أیبك صلاح الدین/ الوافی بالوفیات

بیروت، (م.ن) ۱۹۸۳ء
(۳۲) الفیروز آبادی، /القاموس المحیط

مصر، المطبعة الحسینیة، ۱۹۱۳ء
(۳۳) المقدّم، محمدبن أحمدبن اسماعیل/ عودة الحجاب المرأة

بین تکریم إلاسلام وإهانة الجاهلیة

ریاض، دارطیبة، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء
(۳۴) الهیثمی، علی بن ابی بکر/ مجمع الزّوائد و منبع الفوائد

بیروت، مکتبة المعارف، ۱۹۸۶ء
(۳۵) جرجی زیدان/ تاریخ التمدّن الإسلامی

القاهرة، دارالهلال (س.ن)

(۳۶) جوادعلی/ المفصّل فی تاریخ العرب قبل الإسلام

بیروت، (م.ن) ۱۹۷۰ء

(۳۷) زرقانی، محمدبن عبدالباقی/ شرح مواهبُ اللدنیة

القاهرة، المطبعة الأزهرية، (س.ن)

(۳۸) سهيلة زين العابدين/ المرأة بين الإفراط والتفريط

جدّة، الدّار السّعودية، ۱۹۸۳ء

(۳۹) سُهیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللّٰہ (ابوالقاسم)/ روض الأنف

القاهرة، مكتبة الكليات الأزهرية

(۴۰) صفوت، أحمد زكى/ جمهرة خطب العرب

القاهرة، (م.ن)، ۱۹۳۲ء

(۴۱) طبری، محمدبن جریر (ابوجعفر)/ تاريخ الرّسل و الملوك

مصر، المطبعة الحسينية، (س.ن)

(۴۲) عقّاد، أستاذسليم /مركزالمرأة فى قانون حمورا بى وفى

قانون الموسوى

مصر (م.ن) ۱۹۲۷ء

(۴۳) عقّاد، عبّاس محمود/ المرأة فى القرآن

مصر، دارالهلال ، (س.ن)

(۴۴) علی متّقی الهندی/ كنزالعمّال فى سنن الأقوال والأفعال

حیدر آباد دکّن، مجلس دائرة المعارف العثمانية، ۱۹۵٤ء

(۴۵) عمرفروخ/ تاريخ الجاهلية
بیروت، دارالعلم، ۱۹٦٤ء

(۴۶) عوض الرّاجحی، عبدالنعيم/ الإسلام أنصف المرأة أباطيل

تدفعها حقائق

مصر، وزارة الأوقاف الجمهورية (س . ن)

(۴۷) كحالة عمررضا/ المرأة فی عالمی الغرب والإسلام

بیروت، مؤسسة الرّسالة، ۱۹۸۲ء

(۴۸) محمد حمیداللّٰه/ مجموعة الوثائق السیاسیة فی العهد النّبوی و الخلافة الرّاشدة

القاهرة، لجنة التالیف والترجمة، ۱۹۴۱ء

(۴۹) مخدوم محمد هاشم (ٹھٹھوی)بذل القوة فی حوادث سنی النّبوّة

حیدر آباد، سندھی ادبی بورڈ، (س.ن)

(۵۰) مسلم بن الحجاج القشیری/ الجامع الصّحیح

کراچی ، نور محمد اصحّ المطابع (س.ن)

(۵۱) ملّا علی القاری، علی بن سلطان/ مرقاة المفاتیح

ملتان، مکتبه امدادیه (س.ن)

(۵۲) مصطفیٰ السّباعی/ المرأة بین الفقه والقانون

بیروت المکتب الإسلامی، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۴ء

اردو

(۵۳) آرتھر کرسٹن / ایران بعہد ساسانیاں

مترجم: ڈاکٹر محمد اقبال،

دہلی، انجمن ترقی اردو بورڈ، ۱۹۴۱ء،

(۵۴) آزاد، ابوالکلام / رسول رحمت ﷺ

مرتب غلام رسول مہر،

لاہور، غلام علی اینڈ سنز (س۔ن)

(۵۵) آلوسی، محمود شکری / بلوغ الأرب فی أحوال العرب

مترجم: پیر محمد حسن،

لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء،

(۵۶) ابن بطوطہ / عجائب الأسفار

لاہور، ۱۹۸۳ء،

(۵۷) ابوالفضل / آئین اکبری

لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز،

(۵۸) اصلاحی، سلطان احمد / اسلام کا تصور مساوات

لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء

(۵۹) افضل حق (چوہدری) / محبوب خدا

لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۳ء،

(۶۰) اقبال، محمد (علامہ) /

(۶۱)☆ (۲) ضرب کلیم

لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب (س ـ ن)

جاوید نامہ، لاہور

(۶۲) اکبر آبادی، سعید احمد / اسلام میں غلامی کی حقیقت

لاہور، مکہ بکس، ۱۹۸۲ء

(۶۳)☆ (۲) غلامان اسلام

لاہور، مکتبہ القریش، ۱۹۸۷ء،

(۶۴) الازہری، پیر کرم شاہ / ضیاء النبی ﷺ

لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۳ھ

(۶۵) العثیمین، محمد صلاح الدین / اسلامی حقوق

(مترجم: فیوض الرحمن) کراچی، صدیقی ٹرسٹ،

سلسلہ اشاعت (۱۸۲۸ء) (س ـ ن)

(۶۶) امام الدین، ابو محمد / غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام

کراچی، صدیقی ٹرسٹ،

(~~۶۷~~) امیر علی / رُوح اسلام

(مترجم: محمد ہادی حسین)

لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء،

(۶۸) اوصاف علی / حقوق العباد،

ملتان، مکتبہ مدادیہ، ۱۹۸۹ء،

(۶۹) ایم ایس ناز / اسلام میں عورت کی قیادت

لاہور مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء،

(۷۰) بلدیو سہا / جگت مہر شی (ہندو و سکھ دانشوروں کے خطبات سیرت)

لاہور، سیرت کمیٹی، ۱۹۳۰ء

(۷۱) بھٹو، عبدالستار / حقوق انسانی پر طائرانہ نظر
کراچی، ماڈرن پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

(۷۲) بیگووچ، علی عزت / اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش
لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۴ء،

(۷۳) پرشاد، سوامی لکشمن / عرب کا چاند
لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، طبع ہفتم (س۔ن)

(۷۴) ترپاٹھی، راما شنکر / قدیم ہندوستان کی تاریخ،
(مترجم: سید سخی حسن نقوی)
دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۳ء

(۷۵) ثانی، حافظ محمد، تجلیاتِ سیرت ﷺ
کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۶ء

(۷۶) جلال پوری، علی عباس / رُسُومِ اقوام
جہلم، (م۔ن) ۱۹۹۳ء

(۷۷)☆　(۲) روایات تمدن اقوام،
جہلم، م۔ن، ۱۹۹۱ء،

(۷۸) چھوٹو رام / پیغمبر اسلام ﷺ
لاہور، دفتر اشاعت سیرت (س۔ن)

(۷۹) حالی، الطاف حسین / مسدس مدو جزر اسلام
لاہور، رابعہ بک ہاؤس (س۔ن)

(۸۰) حامد الأنصاری / اسلام کا نظام حکومت
لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷ء

(۸۱) حسن ابراہیم حسن / مسلمانوں کا نظم مملکت

(ترجمہ النظم الاسلامیۃ، مترجم: مولوی علیم اللہ)
کراچی، دارالاشاعت، (س۔ن)
(۸۲) حسین ہیکل، محمد / حیات محمد ﷺ
(مترجم: ابو یحییٰ امام خان)
لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء
(۸۳) خالد علوی / انسان کامل ﷺ
لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب ۱۹۹۷ء
(۸۴) خان، شمس تبریز / مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام
لکھنؤ، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء
(۸۵) خان، وحیدالدین / خاتون اسلام
لاہور، مکتبہ اشرفیہ (س۔ن)
(۸۶) ☆ (۲) مجموعہ مقالات
کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۴ء
(۸۷) دائرہ معارف اسلامیہ، اردو، جلد ہشتم
لاہور، دانشگاہِ پنجاب، ۱۹۷۳ء
(۸۸) دریابادی، عبدالماجد / ذکر رسول ﷺ
لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۸ء
(۸۹) ڈیورنٹ، ول، آرئیل ڈیورنٹ / تاریخ کا سبق
(مترجم: محمد بن علی باوہاب) کراچی، یونائیٹڈ بک کارپوریشن، ۱۹۹۶ء،
(۹۰) راؤ، راما کرشنا / اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ
(مترجم: شمیم احمد عثمانی)
دہلی، کریسینٹ پبلی کیشن کمپنی

(۹۱) روپڑی، شبیر احمد شاہ / سرور کونینؐ اغیار کی نظر میں
گجرانوالہ، کتاب مرکز، ۱۹۹۰ء
(۹۲) سالک، عبدالمجید / مسلم ثقافت ہندوستان میں
لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۷ء
(۹۳) سندھی، عبیداللہ / تحفۃ الھند
کراچی، صدیقی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء
(۹۴) سیوہاروی، نجم الدین / رُسوم جاہلیت
لاہور، مکتبہ رشدیہ، ۱۹۸۸ء
(۹۵) شبلی نعمانی / الفاروق کراچی
کانپور (انڈیا)، ۱۸۹۲ء والائیڈ بک کمپنی جامعہ کراچی، ۱۹۸۹ء
(۹۶)☆ (۲) سیرت النبی ﷺ (جلد اوّل، دوم)
لاہور، مکتبہ مدینہ، ۱۹۸۸ء،
(۹۷) شرما، رام شرن / قدیم ہندوستان میں شودر
دہلی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۹ء
(۹۸) صابر دالش / خطبہ حجۃ الوداع
کراچی، صدیقی ٹرسٹ، سلسلہ اشاعت
(۹۶۵)(س۔ن)
(۹۹) صدیقی، ساجد الرحمٰن / کشاف اصطلاحات قانون اسلامی
اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء
(۱۰۰) صدیقی، عبدالرحمٰن / ارمغان وید
لاہور، دارلنڈ کیر، ۱۹۹۵ء
(۱۰۱) عثمانی، محمد تقی (مفتی) / مغربی خواتین میں اسلام کا رجحان

کراچی، میمن اسلامک پبلشرز، ۱۴۱۵ھ
(۱۰۲) عماد، محمد عبدالقادر / نسل اور نسلی امتیازات
لاہور، آواز فاؤنڈیشن، (س۔ن)
(۱۰۳) غازی احمد / ہندو مت اور اسلام
کراچی، صدیقی ٹرسٹ، سلسلہ اشاعت (۳۴)(س۔ن)
(۱۰۴) غلام رسول، (چوہدری) / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ
لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۸۰ء
(۱۰۵) فلاحی، عبداللہ فہد / تاریخ دعوت و جہاد بر صغیر کے تناظر میں
لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۷ء
(۱۰۶) قدوائی، آصف / مقالات سیرت
کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۵۹ء
(۱۰۷) قیصر سلیم / امریکہ جیسا میں نے دیکھا
کراچی، بساطِ ادب، ۱۹۹۶ء
(۱۰۸) کاندھلوی، محمد ادریس / سیرۃ المصطفیٰؐ
لاہور، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء
(۱۰۹) کاندھلوی، محمد زکریا (شیخ الحدیث) / حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ
کراچی، معہد الخلیل الاسلامی، (س۔ن)
(۱۱۰) کرد علی، محمد / اسلام اور عربی تمدن
(ترجمہ الاسلام والحضارۃ العربیۃ)
مترجم شاہ معین الدین ندوی، اعظم گڑھ انڈیا، ۱۹۵۳ء
(۱۱۱) گستاؤلی بان / تمدنِ عرب
(مترجم: سیدّ علی بلگرامی) آگرہ انڈیا، مفید عام ۱۸۹۶ء

(۱۱۲)☆ (۲) تمدن ہند

(مترجم سید علی بلگرامی) کراچی، بک لینڈ، ۱۹۶۲ء

(۱۱۳) گلپ پاشا، جان بیگٹ / محمد رسول اللہ ﷺ

(مترجم: جیب حیدر آباد)

کراچی، سٹیزن پبلشرز، (س۔ن)

(۱۱۴) گونسٹن، ویر ژیل جارج / محمد رسول اللہ ﷺ

(مترجم: عبدالصمد صارم الازہری)

لاہور، مکتبہ معین الارب، ۱۹۷۴ء

کراچی، شمع بک ایجنسی، (س۔ن)

(۱۱۵) لیکی / تاریخ اخلاق یورپ

مترجم: عبدالماجد دریابادی

حیدر آباد دکن، (س۔ن)

(۱۱۶) لیلیٰ احمد / عورت جنسی تفریق اور اسلام

مترجم: خلیل احمد

لاہور، مطبوعہ مشعل، ۱۹۹۵ء

(۱۱۷) مالک رام / عورت اور اسلامی تعلیم

لکھنؤ، یونائیٹڈ پریس، ۱۹۵۱ء

(۱۱۸) مبارک علی /

(۱۱۹)☆ (۱) اچھوت لوگوں کا ادب

لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴ء

(۱۲۰)☆ (۲) تاریخ اور عورت،

لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۶ء

(۱۲۱)☆ (۳) غلامی اور نسل پرستی

لاہور، تخلیقات، ۱۹۹۳ء

(۱۲۲) محمد اشرف / ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں

مترجم : قمر الدین

لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۱ء

(۱۲۳) محمد حمید اللہ (ڈاکٹر) / خطبات بہاولپور

اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء

(۱۲۴)☆ (۲) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء

(۱۲۵)☆ (۳) عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی،

کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء

حیدر آباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ ۱۳۶۴ھ

(۱۲۶) محمد رفیق چودھری / اسلام اور نظریۂ مساوات مرد وزن

لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۰ء

(۱۲۷) محمد شفیع (مفتی) / مسئلہ سود

کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹ء

(۱۲۸) محمد صلاح الدین / بنیادی حقوق

لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء،

(۱۲۹) محمد قطب (شہید) / اسلام اور جدید ذہن کے شبہات

(ترجمہ : شبہات حول الاسلام) مترجم: محمد سلیم کیانی،

لاہور البدر پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء،

(۱۳۰) محمد مجاہد فیصل آبادی / آنحضرت ﷺ کا خطبۂ حجۃ الوداع،

کراچی، صدیقی ٹرسٹ، سلسلہ اشاعت (۱۳۹ا ء)(س ـ ن)
(۱۳۱) محمد مجیب / تاریخ تمدن ہند
لاہور، پروگریسیو بکس، ۱۹۸۶ء،
(۱۳۲) مفتاحی، محمد ظہیر الدین / اسلام کا نظام امن،
کراچی ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۹۱ء،
(۱۳۳) ملک، غلام اکبر / راجپوت تاریخ کے آئینہ میں
لاہور، العقاب پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء،
(۱۳۴) مناظر احسن گیلانی / النبی الخاتم ﷺ
کراچی، دارالاشاعت (س ـ ن)،
(۱۳۵) منصور پوری، محمد سلیمان سلمان / رحمۃ للعالمین ﷺ
کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ؛
(۱۳۶) موسوی، سید مجتبیٰ / مغربی تمدن کی ایک جھلک
دہلی، ترقی اردو بورڈ، (س ـ ن)
(۱۳۷) موسیو سیدیو / تاریخ عرب
(مترجم: عبدالغفار رامپوری) کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء،
(۱۳۸) ناشر / اقوام متحدہ کے متعلق بنیادی حقائق
اسلام آباد، دفتر اطلاعات عامہ اقوام متحدہ ۱۹۷۳ء،
(۱۳۹) ناشر، سیرت کمیٹی / جگت مہرشی (ہندو سکھوں کے خطبات
سیرت ﷺ کا مجموعہ)
لاہور، سیرت کمیٹی، ۱۹۳۰ء
(۱۴۰) ندوی، ابوالحسن علی سید /
(۱۴۱)☆ (ا) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۴ء
(۱۴۲)☆...... (۲) انسانیت کے محسن اعظمؐ اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض
کراچی، مجلس نشریات اسلام۔ (س۔ن)
(۱۴۳)☆...... (۳) تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۶ء
(۱۴۴)☆...... (۴) کاروان زندگی
کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء
(۱۴۵)☆...... (۵) مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
ساہیوال، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۷ء
☆...... (۶) نبی رحمت ﷺ
کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء
(۱۴۶) ندوی، سید سلیمان / خطبات مدراس
لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، (س۔ن)
(۱۴۷)☆...... (۲) سیرت النبی ﷺ جلد دوم تا ہفتم
لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۸۸ء
(۱۴۸) ندوی، شاہ معین الدین / دین رحمت
انڈیا، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء
(۱۴۹) نعمانی، محمد منظور / معارف الحدیث
کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۲ء
(۱۵۰) نور احمد / مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے
کراچی، فیروز سنز، ۱۹۷۱ء

(۱۵۱) نیاز احمد / اسلام میں انسانی حقوق

کراچی، صدیقی ٹرسٹ، سلسلۂ اشاعت (۲۶۴) (س۔ن)

(۱۵۲) نیازی، لیاقت علی خان / مطالعۂ سیرت ﷺ

لاہور، پروگریسو پبلشرز، ۱۹۹۳ء

(۱۵۳) واجد علی رضوی / پیغمبر رحمت ﷺ اور انسانی دنیا کے بنیادی مسائل

لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۱ء

(۱۵۴) ویلز، ایچ جی / اسلام اور عربی تمدن

(مترجم: شاہ معین الدین ندوی)

دہلی، ندوۃ المصنفین، (س۔ن)

(۱۵۵) یوسف علی، عبداللہ / انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ

لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۴ء

ENGLISH

(156) **Alteker, A.S./The Position of Women in Hindu Civilization.**
Delhi, 1983,

(157) **Annie Besant / The Life And Teac-hings of Muhammad**
Madras, 1932,

(158) **Bodley, R.V.C /The Messenger**
London, 1964,

(159) **Briffault, Robert/ The Making of Humanity.**
London, 1919,

(160) **Brohi, A.K/ United Nations and The Human Rithts.**
Karachi, 1968.

(161) **Cobb, Stanwood/ Islamic Contri Bution to Civilization.**
Washington, 1963,

(162) **Coulson, M.N/ Islamic Surveys A History of Islamic Law.**

Edinburg, 1971,

(163) **Cranston, M/ Human Rights Today**
London, 1964,

(164) **Denison, J.H/ Emotion As The Basis of Civilization.**
London, 1928,

(165) **Draper, John William/ A Short History of The Intellectual Development of The Europe,**
London, 1875,

(166) **Durant, Will/ The Age of Faith.**
New York, 1950,

(167) **Encyclopedia Britannica,**
1983, 1984,

(168) **Encyclopedia of Relegion and Ethics**
Newyork, 1921,

(169) **Falk, Richard/ Human Rights and State Sovereignty**
Newyork,

(170) **Gaius, Ezejiofor/ Protection of Human Right Under The Law**
London, 1964

(171) Gibbon, Edward/ The Decline And Fall of The Roman Empire
London, 1968

(172) Goldziher, Ignaz/ Introduction To Islamic Theology and Law
Newyork, 1981.

(173) Hamidullah/ The First Written Constitution in The World
Lahore, 1975

(174) Hamilton, A.R. Gibb/ Mohammadan Ism
London, 1953

(175) Hammerton, J.A.E.D/ Universal History of The World
London,

(176) Hanry Marsh/ Documents of Liberty
England, 1971

(177) Hans Kelson/ The Law of United Nations
London, 1950

(178) Hitti, Philip.K/ History of The Arabs

London, 1970

(179) **John, Josephlake/ Islam its Origin Genius and Mission.**
London, 1874

(180) **Mandal Commission/ Reservations For Backward Classes Commission Report.**
Akalank Publications, Delhi, 1980.

(181) **Mannheim, Karl/ Diagnosis of Our Time**
London, 1947.

(182) **Margoliouth, D.S/ Mohammad and The Rise of Islam.**
Newyorko, 1985

(183) **Meckhin, W.S/ Magna Carta Royal Historical Society,**
1917.

(184) **Morris, Stockhammen/ Plato Dictionary.**
Philosophical Library, Newyork, 1903.

(185) **Parween Shoukat Ali/ Human Rights in Islam.**
Aziz Publishers, Lahore

(186) **Raphael, D.D/ Political Theory And The Rights of Man**
London

(187) **Raphael, Patal/ Women in The Modern World.**
Newyork.

(188) **Robert Gullick/ Mohammad The Educator**
Lahore, 1975

(189) **Robert, J.M/ The Religion History of The World**
Newyork, 1984.

(190) **Said, Abdul Aziz/ Human Rights and World Order.**
New Jursey. 1978.

(191) **Scott, S.P/ History of The Moor ish Empire in Europe**
Philadelphia. 1904

(192) **Shad, Abdul Rahman/ The Rights of Allah And Human Rights**
Kazi Publication, Lahore. 1981.

(193) **Shastri, V.S/ The Status of The Sudra in Anciant India.**

Delhi.

(194) **Smith, Kenneth/ English Law**

Pitman Publishing, England, 1973,

(195) **Smith, R.Bosworth/ Mohammad And Mohammadan Ism,**

London, 1874, (R.Print Lahore)

(196) **Toynbee, A.J/ Civilization on Trial**

New York.

(197) **Wells, H.G/ A Short History of The World**

London, 1924,

مذاہبِ عالم کی کتب مقدّسہ

﴿۱۹۸﴾ ......اسلام......☆/القرآن الکریم

﴿۱۹۹﴾ ......عیسائیت......☆/انجیل (عہد نامہ جدید)

﴿۲۰۰﴾......یہودیت......☆/توراۃ (عہد نامہ قدیم)

﴿۲۰۱﴾ ......ہندومت......☆/اتھروید، رگ وید، یجروید،
منوسمرتی، منوشاستر، منو
دھرم شاستر، گوتم دھرم
شاستر، گیتا، مہابھارت

رسائل وجرائد، اخبارات

(اردو ترجمہ)

(۲۰۲) آگہی (ماہنامہ)
کراچی، جنوری، فروری، ۱۹۹۷ء

(۲۰۳) اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) رحمۃ للعالمینؐ
نمبر، اول، دوم
لاہور، اپریل ۱۹۸۸ء مئی ۱۹۸۹ء

(۲۰۴) الحق (ماہنامہ)
اکوڑہ خٹک، صفر ۱۴۱۱ھ، جولائی ۱۹۹۳ء

(۲۰۵) الدعوۃ (ماہنامہ)

لاہور، اگست ۱۹۹۶ء

(۲۰۶) الرسالہ (ماہنامہ)

کراچی، فضلی سنز، جنوری ۱۹۹۴ء، اگست ۱۹۹۷ء

(۲۰۷) شریعہ (سہ ماہی) (انسانی حقوق نمبر)

گجرانوالہ، جنوری ۱۹۹۶ء

(۲۰۸) الفاروق (ماہنامہ)

کراچی، شوال ۱۴۱۶ھ

(۲۰۹) پیشوا (ماہنامہ)

دہلی، جولائی ۱۹۳۳ء

(۲۱۰) جنگ (روزنامہ)

کراچی، ۵ اگست ۱۹۹۵ء، ۳ نومبر ۱۹۹۵ء

(۲۱۱) دارالعلوم دیوبند، (ماہنامہ)

انڈیا اپریل ۱۹۹۷ء

(۲۱۲) دعوۃ (ماہنامہ)

اسلام آباد، جنوری، فروری، ۱۹۹۶ء

(۲۱۳) دین و دنیا، (ماہنامہ)
دہلی، مارچ ۱۹۶۲ء

(۲۱۴) سیارہ ڈائجسٹ، (ماہنامہ) رسول ﷺ نمبر

لاہور نومبر ۱۹۷۳ء
(۲۱۵) فاران (ماہنامہ) (سیرت ﷺ نمبر)

کراچی، جنوری ۱۹۵۶ء ستمبر ۱۹۷۶ء

(۲۱۶) فکر و نظر (سہ ماہی) اسلام آباد، جولائی ۱۹۹۵ء

(۲۱۷) قومی گزٹ (ماہنامہ)
کراچی، مارچ ۱۹۹۶ء

(۲۱۸) مڈویک میگزین (روزنامہ جنگ)
کراچی ۱۳ نومبر ۱۹۹۶ء

(۲۱۹) مولوی (ماہنامہ)
دہلی، ۱۳۵۱ھ

(۲۲۰) نقوش (ماہنامہ) رسول ﷺ نمبر
لاہور ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۲ء

(۲۲۱) نوائے قانون (ماہنامہ)
اسلام آباد، دسمبر ۱۹۹۴ء

(۲۲۲) **Daily Express**

London, July 4, 1977

(۲۲۳) **Daily Telegraph**

October 11, 1987

(۲۲۴) **Indian Express**
Delhi, January 12, 14, 1987

(۲۲۵) **Reader`s Digest**

October, 1981

(۲۲۶) **The Hindustan Times**

January 12, 1987

(۲۲۷) **The Statesman**

Delhi, April 26, 1987

(۲۲۸) **Time Magazine**

New York, March 18, 1972, Nov, 9, 1993

اقوامِ متحدہ کے عالمی منشورِ انسانی حقوق
اور مغرب کے افکار و تصورات کا تاریخی
اور تنقیدی جائزہ

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم
اور انسانی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع
سے استشہاد

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ
کراچی ۱، پاکستان ۲۶۳۱۸۶۱-۰۲۱